

المكتبة الرحمانية

۹۹۔۔۔ ہے ماڈل نمونہ۔ لاہور

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

مغربی ایشیا کے چھ مسلم اور عرب ممالک۔ افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور شرق اردن۔ کے ایک معلوماتی و دعوتی دورہ کی مفصل روداد و ڈائری جس میں ان ممالک کی دینی، فکری، سیاسی اور اقتصادی صورت حال کی سچی تصویر اور وہاں کی دینی و اصلاحی تحریکات، متضاد عوامل و اثرات اور ذہنی دروہانی کشمکش کا دیانت دارانہ جائزہ آگیا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com

المكتبة الرحمانية
... ۹۹... جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
... ۰۱۸۲۷...
(محفوظ)

بارسوم 220.91

اب و - د ۶۱۹۷۸-۵۱۳۹۸

کتابت ظہیر احمد کاکوروی
طباعت .. . لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ (آفسٹ)
صفحات .. . ۳۰۴
قیمت .. . پودہ روپے ۱۲

باہتمام

۱۰۵۰

محمد عیاش الدین ندوی

طالب دناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

دریائے کابل
سے
دریائے پرموک
تک

ترکی
لکھنؤ

پہلا ایڈیشن ۱۹۴۴ء
دوسرا اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۴۸ء

عربی
اردو

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳	علمائے کابل سے گفتگو	۹	حرف آغاز
۳۸	وزرا اور دوسرے ذمہ داروں کے ملاقاتیں	۱۳ تا ۴۵	عجاہدین اور فاتحین کی سر زمین افغانستان میں
۴۰	اس کے نتائج	۱۵	ہندوستان اور اسلام کی تاریخ میں افغانستان کا کردار
۴۲	کابل میں مجددی خاندان	۱۸	افغانستان ہندوستانی مسلمانوں کی نظر میں
۴۴	چندا و علی و دربی شخصیتیں	۲۲	سفر افغانستان میں تائیر
۴۴	کابل کی جامع مسجدیں	۲۳	رابطہ عالم اسلامی کا وفد
۴۵	آثار قدیمہ اور باغات	۲۵	سرزمین کابل میں
۴۶	سلطان محمود غزنوی کے دارالسلطنت میں	۲۶	وزارت تعلیم کی ضیافت اور رہنمائی میں
۴۷	علمی و تمدنی تاریخ میں غزنی کا حصہ	۲۷	تعلیمی و ثقافتی اداروں کا معائنہ
۴۸	غزنی کی بربادی	۳۰	تجدد پسند افغانی خواتین سے گفتگو
۴۹	حکما، حکام، زبہدوں اور شہنشاہوں کے مزار پر		افغانی خواتین میں جدید تمدن اور مستشرقین کے
۵۱	عسرت کا مقام	۳۱	افکار کے اثرات
۵۲	ملک محمد ظاہر شاہ اور سردار داؤاد خان	۳۲	پڑگی اور معاشرتی تہذیب و ثقافتی زوال کا پیش خیمہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۳	ایرانی دوستوں سے ایک سوال	۵۶	سعودی سفارتخانہ کی طرف سے اعزازی دعوت
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ایک	۵۸	افغانی قوم کے انقلاب ووران کی قوت کا سرچشمہ
۱۱۶	نئے دور کا آغاز تھی جس نے حقہ ایران کو بیدار کیا	۷۱	قوموں کی زندگی و شخصیت اور پچان کا پڑھنا ہے
۱۲۴	مسئلہ صرف دین و لا دینیت کا ہے	۷۷	ذوق جمال اور رعنائی خیال کی سرزمین
۱۲۷	مشرق و مغرب کے سنگم لبنان ہے	۱۲۶	(ایران) میں
۱۲۹	اسلام کے داعیان اولین کے نقش قدم پر	۷۹	ایران کی سیر کی دیرینہ آرزو
۱۳۰	نئے وفد کی تشکیل	۸۰	سفر کی تقریب
۱۳۱	بیروت میں	۸۰	قیام ایران کی مدت
۱۳۳	اسلامی اداروں اور بیروت کے مختلف ملا توکل و	۸۱	وزراء و علماء سے ملاقاتیں
۱۳۴	بیروت پر ایک نظر	۸۳	ایران کے دینی و تاریخی مقامات
۱۳۸	طرابلس میں	۸۴	مجالس مذاکرہ اور استقبالیہ جلسے
۱۴۰	نہرانہ میں میری تقریر	۸۵	طوس کی مردم خیز سرزمین پر
۱۴۱	ملاقات اور تعارف	۸۶	امام غزالی کی تربیت پر
۱۴۲	صیدا میں	۸۸	نادر شاہ افشار
	قوم میں علماء کا منصب مقام اور عوام میں	۸۹	خلیفہ ہارون رشید کی یاد
۱۴۳	ان کے بے اثر ہونے کے اسباب	۹۰	اصفہان
۱۴۵	صیدا کا دورہ	۹۱	شیراز
۱۴۶	مفتی امین اکیسنی کی میزبانی	۹۶	غریب شہر سخنہائے گفتنی دارو

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۵ ۲۱۴	بارون رشید کے پایہ تخت بغداد میں	۱۴۶	لبنانی مسلمانوں کی صورت حال پر ایک نظر
۱۸۷	اسلامی ثقافت و تاریخ میں بغداد کا مقام	۱۵۲	دارالافتاء میں ایک اعزازی تقریب
۱۸۹	بیروت سے بغداد		تہذیبوں کے سنگم اور عالمی ایٹیج پر مسلم قوم
۱۹۰	سرکاری ملاقاتیں اور دورے	۱۵۳	کا کردار
۱۹۱	دیوان الاوقات کے اعزازی جلسے میں	۱۶۰	جن مقامات کو ہم نہیں دیکھ سکے
۱۹۲	یک حرف کا شکے است کہ صد جا نوشتہ ایم	۱۶۱	ملاقاتیں
	بغداد یونیورسٹی، المجمع العلمی العراقی اور	۱۶۲	سعودی سفارتخانہ کی جانب سے اعزازی تقریب
۱۹۴	المجمع العلمی الکردی میں	۱۶۳ ۱۸۴	دو دن دمشق میں
۱۹۵	نئے تجربے	۱۶۵	بیروت سے دمشق
۱۹۶	عراق میوزیم - تاثرات	۱۶۶	دمشق سے میرادیرینہ تعلق
۱۹۷	ماضی کے کچھ نقوش اور یادیں	۱۶۷	گذشتہ شام کے معاشرہ کی چند جھلکیاں
۱۹۸	شیخ اگر اس وقت ہوتے	۱۷۰	اخیر دور میں شام کی زندگی اور حالیہ انقلاب
	اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر	۱۷۳	دمشق میں
۱۹۹	شیخ کا درد و کرب	۱۷۴	جامع اموی میں
۲۰۰	عراق انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد	۱۷۴	ملاقاتیں
۲۰۲	جامع الشہداء میں خطاب	۱۷۵	شام کی زندگی میں کچھ نئی تبدیلیاں
	قرآن ایک صاف شفاف آئینہ ہے جس میں	۱۷۸	ملاقاتیں
۲۰۳	افراد اور قومیں پناہ چہرہ دکھتی اور اپنا مقام اپنی پناہ	۱۸۰	فواب جو حقیقت تھا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۲	شامی سرحدوں پر۔ تاثرات	۲۱۳	بصرہ نہ دیکھنے کا افسوس
	اربد میں تقریر "اسلام کے بارے میں	۲۱۳	بغداد سے روانگی
۲۲۵	مسلمانوں کے نقطہائے نظر	۲۱۵ ۲۱۸	شہیدوں اور پاسبانوں کی سرزمینِ ابد میں
	مجاہد اسلامی جہاد شہداء کا انتقال اور ان کے	۲۱۷	بغداد سے عمان
۲۲۷	کنبہ کی تعزیت	۲۱۸	وزارت اوقاف کی میزبانی
۲۲۸	لہو و لعب اور تفریحات کا مرکز	۲۱۹	محترم وزیر اوقاف اور ان کے رفقاء کے ساتھ
۲۲۹	اصحاب کھف کے فارسیں	۲۲۱	شاہ حسین سے ملاقات
۲۵۰	ایک ہم مجلس مذاکرہ میں شرکت	۲۲۵	شہر کے اسلامی اداروں کا دورہ
	نوجوانوں کی بے چینی کے اسباب اور	۲۲۶	فلسطینی پناہ گزینوں پر ایک نظر
۲۵۱	اس کا علاج	۲۲۷	مرکز اسلامی کے استقبال جلسہ میں
۲۶۵	عمان سے کرک	۲۲۸	ایک سرحدی اور برسرِ پیکار اسلامی ملک کی ذمہ داری
۲۶۶	فوج کے سامنے تقریر	۲۲۹	مؤتمر اسلامی کے مرکز میں
۲۷۳	کچھ دیر شہداء موتہ کے مرقد پر	۲۳۹	وزیر اوقاف کی جانب سے عشاء
۲۷۶	موتہ کے تاریخی مقامات	۲۳۹	ملاقاتیں
۲۷۷	بتراء کا سفر	۲۴۰	سلط میں تقریر
۲۷۹	عمان سے روانگی	۲۴۱	استاذ کمال الشریف کے دولت کدہ پر
۲۸۱	اشاریہ (انڈیکس)	۲۴۱	عمان سے اربد



حشر آغاز

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على

سید المرسلین

کچھ عرصہ ہوا کہ اس سفر نامے کے مصنف کو ایک وفد کی قیادت کی عزت حاصل ہوئی تھی، جسے مغربی ایشیا کے کچھ مسلم، اور عربی ممالک کا دورہ کرنا تھا یعنی افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور اردن، یہ وفد ان وفود کے سلسلہ کی ایک کڑی تھا، جنہیں مکہ مکرمہ کے رابطہ عالم اسلامی نے ۱۳۹۳ھ سے ۱۹۷۳ء میں دنیا کے مختلف اطراف میں بھیجا تھا، اور جن کے پروگرام میں دنیا کے پانچوں براعظم شامل تھے، اور جن کا مقصد مسلمانوں کے حالات و کیفیات ان کے علمی و تہذیبی اداروں، اور ان کی ضرورتوں سے واقفیت بہم پہنچانا، اور وہاں کے باشندوں کو رابطہ کے مقصد و پیام سے آگاہ کرنا تھا۔

وہ سفر جس کا اس کتاب سے تعلق ہے، ۴ جون ۱۹۷۳ء سے ۲۰ اگست ۱۹۷۳ء کے درمیان ہوا تھا، مصنف نے اس سفر کی معلومات، اور اپنے مشاہدات و تاثرات، ہونے والی

گفتگوؤں اور تقریروں، ملاقاتوں اور زیارتوں کا حال زیادہ تر اپنے حافظہ کی مدد سے لکھا ہے، اوکھبی بکھار اس کے لئے ٹیپ ریکارڈ سے بھی مدد لی گئی ہے، اس طرح یہ سفر نامہ ان ممالک کی زندگی کے مختلف گوشوں، ان کے مسائل و مشکلات، وہاں کی فکری، تہذیبی، اور نفسیاتی کشمکش اور ان کی رہنمائی کی ضرورتوں کی ایک بولتی ہوئی تصویر بن گیا ہے جس کی مدد سے ناظرین اور ان ممالک کے مستقبل سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کو صحیح واقفیت اور ان ممالک کے حالات و حوادث کا صحیح ادراک حاصل ہو سکتا ہے۔

یہاں خاص طور پر دو باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے:

۱۔ اس کتاب میں جو تاثرات و مشاہدات، تجویزیں اور تنقیدیں درج ہوئی ہیں، وہ اصلاً مصنف کتاب کے دل و دماغ پر اس سفر سے مرتب ہونے والے احساسات و تصورات کا عکس اور ان کا پر تو ہیں، اور ان کا تعلق مصنف کے مخصوص مطالعہ، اس کے تجربات، اور آرا و افکار سے ہے، اس لئے ان چیزوں کی ذمہ داری اور مسئولیت بھی اسی پر عائد ہوتی ہے، مصنف ان کے بارے میں ہمیشہ رابطہ ہی کا ترجمان نہیں رہا ہے، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ رابطہ اس کتاب کے تمام مندرجات سے متنفس ہو، اور نہ رابطہ پر مصنف کے ہر نقطہ نظر اور تمام افکار و خیالات کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

۲۔ مصنف نے اپنے بیان میں تمام نزاکتوں اور باریکیوں، صداقت و انصاف اور غیر جانبداری کا لحاظ رکھا ہے، اور حقیقت تک پہنچنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے، تاہم افراط و تفریط، غلطی، اور اشخاص، تحریکات اور اداروں کے بارے میں اظہار رائے میں نقص و کوتاہی سے خالی ہونے کا دعویٰ نہیں، اس کا امکان اور اندیشہ اس شخص کے لئے خاص طور پر ہے، جسے حالات نے ان ممالک میں طویل قیام شخصی اور ذاتی واقفیت، اور تفصیلی جائزے کی اجازت نہیں دی،

گرفتہ چیزیاں احرام وکی خفتہ درطحا

یہ کتاب من ذہر کابل إلی ذہر الیرموک کے نام سے دارالہلال (انگورہ: ترکی) کی طرف سے جون ۱۹۷۷ء میں بیروت میں طبع ہوئی، کتاب کے پریس سے آنے سے پہلے ہی مصنف نے اس کے مختلف حصے اپنے مختلف عزیزوں اور رفیقوں کو اردو میں منتقل کرنے کے لئے حوالہ کر دیئے تھے ان عزیزوں اور رفیقوں نے یہ خدمت خوش اسلوبی، اور مستعدی سے انجام دی، اور عربی ایڈیشن کے نکلنے سے پہلے انہوں نے اس کے اردو ترجمے کا کام مکمل کر لیا، ان عزیزوں اور رفیقوں کے نام اپنی اپنی جگہ پر دیدیئے گئے ہیں، مصنف نے اس ترجمہ پر نظر ثانی کی، عربی ایڈیشن میں اکثر فارسی اشعار حذف کر دیئے گئے تھے، اور عربوں کے ذوق کی رعایت میں عربی اشعار پر اکتفا کیا گیا تھا بعض تفصیلات بھی جس کی عرب قارئین کو چنداں ضرورت نہ تھی، فلم انداز کر دی گئی تھیں اب نظر ثانی میں ان کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، اس طرح یہ کتاب اپنی عربی اصل سے زیادہ مفید اور برصغیر کے اردو خواں طبقہ کے لئے زیادہ دل چسپ اور ان کے ذوق کے زیادہ قریب ہو گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے پورے احاح و اخلاص سے دعا ہے کہ کتاب کو نافع بنائے، اس کے ذریعہ تاریک راہوں کو روشن کرے، اور اس سے اسلامی پیغام، اور ان ممالک کی خدمت کرنے والوں، اور ان کو گھیرے ہوئے خطرات اور نئے چیلنج سے حفاظت کرنے والوں کے عزم و ہمت کو طاقت پہنچائے۔ و علی اللہ قصد السبیل۔

ابوالحسن علی ندوی

بیت العلم والادب - لکھنؤ

۲۶، ۶، ۱۳۹۴ھ

۱۸، ۴، ۱۹۶۱ھ

مجاہدین اور فاتحین کی سرزمین افغانستان میں

ترجمہ

نور عظیم ندوی



ہندوستان اور اسلام کی تاریخ میں افغانستان کا کردار

افغانستان اسلامی تاریخ کے ہر دور میں بہادروں اور شہسواروں کا مرکز، شہزادوں کا محفل، فاتحین اور سوراؤں... کا مولد و منشا اور اسلام کا مضبوط قلعہ رہا ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ امیر البلیان امیر شکیب ارسلان اس ملک کا تذکرہ لکھنے بیٹھے تو اسلامی جوش سے مغلوب ہو گئے، اس مجاہد ملک کی تاریخ ان کی نگاہوں کے سامنے آگئی وہ ا شہب قلم کو قابو میں نہ رکھ سکے اور لکھ گئے:-

”میری جان کی قسم، اگر ساری دنیا میں اسلام کی نبض ڈوب جائے، کہیں بھی

اس میں زندگی کا رقیق باقی نہ رہے، پھر بھی کوہ ہمالیہ اور ہندو کش کے درمیان

بسنے والوں میں اسلام زندہ رہے گا، اور اس کا عزم جو ان رہنے کا ہے

افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ملک ہے اور ایسا پڑوسی کہ پانچویں صدی ہجری کی ابتدا سے

لے حاضر عالم اسلامی ج ۲ ص ۱۹۷

۱۹ پانچویں صدی ہجری کی ابتدا ہی میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی

دونوں کی تاریخ مشترک ہے، دونوں کی تہذیب و ثقافت، زبان و ادب اور سیاست و حکومت ایک دوسرے کے اثرات قبول کرتی رہی ہے، اور اسی حوالہ کی کارفرمائی اور باہم دگر اثر پذیری و اثر انگیزی سے ایسی تہذیب اور ایسا نظام وجود میں آیا جسے پورے طور پر ہندوستانی کہا جاسکتا ہے، نہ ہندوستانی اور نہ خالص اسلامی آخری دور میں اسے ہندوستانی اسلامی تہذیب (INDO-AFGHAN MUSLIM CULTURE) کا نام دیا گیا۔

پانچویں صدی ہی سے ہندوستان پر یا تو ترک نسل سے تعلق رکھنے والے خاندانوں کی حکومت رہی جو افغانستان کی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے، وہ جن ملکوں سے گزرتے، وہاں کے فوجی اور رضا کار بھی ان کے ساتھ ہو لیتے مثلاً غزنوی، خاندان غلامان کے سلاطین، ظلی تخلق اور اخیر میں مغل یا وہ اپنی نسل، تہذیب اور روایات کے اعتبار سے افغانی ہی تھے، جیسے غوری، لودھی اور سوری خاندان، ہندوستان اسی زمانہ سے ان غیر معمولی جرات و ہمت اور بے مثال شجاعت و شہامت والے اولوالعزموں اور شاہینوں اور عقابوں کی جولانگاہ رہا ہے، پہاڑوں سے گھرا ہوا ان کا اپنا ملک، ان کے بلند عزائم کے سامنے محدود اور تنگ، نظر آتا اور فتح و ظفر کے شوق کی تسکین اور شجاعت و شہامت کے جوہر دکھانے کے لئے انھیں مناسب میدان نہ ملتا تو ہندوستان کا رخ کرتے، ادھر ہندوستان مختلف اوقات میں ذہنی انسر وگی، قوائے عمل کی سستی، بد نظمی اور سیاسی انتشار کا شکار ہوتا رہا ایسے اوقات میں حرکت و زندگی اور جوش و جذبہ سے بھر پور، جفاکش اور جھوٹا افغانی ہندوستان کا رخ کرتے، قلیل تعداد کے باوجود بڑی بڑی فوجوں کو شکست دیتے، مضبوط و مستحکم حکومتیں قائم کرتے اور ہندوستانی معاشرہ کے تن ناتواں میں نیا خون دوڑاتے۔

اسی طرح افغانستان میں اندرون ملک یا سرحدوں پر بسنے والے بہت سے

خاندان ضروریات زندگی اور وسائل کی کمی کی وجہ سے تلاش محاش یا طلع آزمائی کے شوق میں ہندوستان آجاتے اس طرح کے قافلے عہد اسلامی کی ابتدا ہی سے ہندوستان آتے رہے وہ اپنے ساتھ اپنی بہترین خاندانی خصوصیات اور موروثی صلاحیتیں لاتے اور یہاں ہندوستان ماحول و معاشرہ سے یہاں کی خصوصیات، انداز و اطوار، اسلامی اقدار اور ہندوستانی اخلاق و آداب بھی حاصل کرتے ان کی بہادری، جرات، غیرت اور ذہانت و فطانت میں مزید جلا پیدا ہو جاتی اور وہ اکثر شجاعت، غیرت، نخوت، ذوق کی لطافت اور احساس کی نزاکت میں اپنے قدیم ہم وطنوں سے بھی فائق ہو جاتے، اس طرح کے قبائل ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے، اور انھوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں، انھیں سے مختلف حکومتوں میں انتظامیہ کی مشینری فراہم ہوتی تھی، اور یہی ہر زمانہ میں فوج کی طاقت کا سرچشمہ اور اس کا بنیادی عنصر ہوتے۔

یہاں کے مسلمان طویل مدت تک افغانستان کو ایسا ملک سمجھتے رہے جو ہندوستان کے لئے فرمانروا، حکام، منتظمین، اور فوجی برآمد کرتا تھا، وہ اس کو ولایت کہتے تھے جس طرح انگریزی دور حکومت میں انگلینڈ اور اس کے دارالحکومت لندن کو ولایت کہا جاتا تھا، افغانستان سے آنے والے ولایتی کہلاتے تھے، برآمد کا سلسلہ، بہادر سپاہیوں، فوجیوں، سربراہوں تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس سے زیادہ وسیع اور عام ہو گیا، چنانچہ ہندوستان میں افغانستان سے ممتاز علماء اور اصحاب درس بھی تشریف لائے، اور بعض ایسی تصنیفات تھے جن میں دیں کہ علماء ہند ایک مدت تک ان کے درس و تدریس اور شرح و تفصیل میں مشغول و منہمک رہے۔

لے جیسے علامہ محمد اسلم ہروی (م ۱۰۶۱ھ) اور ان کے ممتاز فرزند و منطق کی مشہور کتاب (باقی صفحہ)

افغانستان ہندوستانی مسلمانوں کی نظر میں

ہندوستانی مسلمان جب سخت اور دشوار ترین مراحل سے گذرتے روشنی کی کوئی کرن نظر نہ آتی ہر طرف یاس و ناامیدی کے بادل اٹھنے لگتے دکھائی دیتے جبکہ عام طور سے انسان اتفاقات، حادثات اور خارجی امداد کا سہارا تلاش کرنے لگتا ہے تو وہ افغانستان کی طرف حسرت سے دیکھتے کہ شاید یہی ملک ان کو دشواریوں اور طوفانوں سے نجات دلا سکے گا، اکثر حسین ظن اور خوش فہمی حدود سے بڑھ کر حسین خوابوں اور آرزوؤں تک پہنچ جاتی، اور وہ خطرناک حد تک خود اعتمادی کے فقدان کا شکار ہو جاتے، ہندوستانی مسلمانوں کی یہ توقع حیرت انگیز شکل میں اس وقت پوری ہوئی جب کہ دہلی میں مرہٹوں کی طاقت بہت بڑھ گئی اور اس کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیں گے اور مسلمانوں کے رہے سبے اثر و اقتدار اور سیاسی وزن و وقار کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں گے دہلی کی حکومت ان کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی تھی، اور مسلمان ان کے رحم و کرم پر تھے، مسلمانوں کی انضمام و انتشار کی شکار اور ٹھکائی ہوئی فوجی طاقت اس ابھرتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھی، اس وقت مسلمانوں کی نگاہیں، افغانستان کی طرف اٹھ گئیں کہ وہی ان کو اس جانکاہ مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے، اور بعض مسلمان رہنماؤں نے اپنے جہد میں مشرق کے سب سے بڑے فوجی رہنما احمد شاہ ابدانی کو ان حالات کی طرف توجہ

(باقی صفحہ ۱۷) رسالہ میرزاہد کے مصنف، میرزاہد (م س ۱۳۱۳ھ) ان کے اور ہندوستان کے دوسرے افغانی علماء کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو مولانا امجد علی حسنی کی کتاب "تذکرۃ انخراط" خاص طور سے اس کی پانچویں اور چھٹی جلدیں۔

کرنے کی دعوت دہی جس کا ستارہ اقبال نیا بنا طلوع ہوا تھا، اور متعدد معرکوں میں اس کی قیادت و شجاعت کے جوہر آشکارا ہو چکے تھے، یہ سائنس کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کی تمام مسلم طاقتیں ملک و خیال کے اختلافات کے باوجود اس جھنڈے تلے جمع ہو گئیں اور (دہلی کے قریب پانی پت میں) مرہٹوں سے فیصلہ کن جنگ ہوئی، اس کے بعد مرہٹے بسنھالا نہیں لے سکے۔

انگریزی تسلط و اقتدار کے زمانہ میں افغانستان پر مسلمانوں کے مبالغہ آمیز اعتماد اور ان سے امداد کی توقع میں مزید اضافہ ہو گیا، ان کی نگاہیں مستقل شمال مغربی سڑوں لگی رہتی تھیں کہ احمد شاہ ابدالی جیسا کوئی سالار لشکر اپنی ٹڈی دل فوج کے ساتھ درہ خیبر پار کرے اور ان کو انگریز تسلط سے نجات دلائے، قدرتی بات تھی کہ ان کی توقع پوری نہیں ہوئی کیونکہ افغانستان خود اپنے اندرونی مسائل میں الجھا ہوا تھا، علاوہ ازیں وہ خود دو گونہ خطرات کی زد میں تھا، اس کی آزادی و استقلال کو ایک طرف برطانیہ سے خطرہ لاحق تھا، دوسری طرف روس سے، پھر ایک چھوٹا سا مرکز اور ملک ہندوستان پر حملہ کر کے طاقتور اور مستحکم انگریز حکومت کو کیسے شکست دے سکتا تھا، بہر حال ہندوستانی مسلمان اور آزادی کے منوالے برادران وطن ایک عرصہ تک انھیں خواہوں اور تمناؤں کی دنیا میں بستے رہے۔

امیر حبیب اللہ شاہ فرزند امیر عبدالرحمن شاہ ۱۹۱۹ء میں قتل کئے گئے اور ان کے بیٹے امیر امان اللہ شاہ تخت نشین ہوئے تو انھوں نے انگریزوں کے مقابلہ میں مضبوط اور لہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (م ۱۱۶۷ھ) ان میں سب سے ممتاز ہیں، انھوں نے افغانی سردار احمد شاہ ابدالی کو کئی خطوط لکھے جس سے ان کی باخبری اور دور بینی کا اندازہ ہوتا ہے، خطوط کے لئے ملاحظہ ہوں شاہ ولی اللہ کے سیاسی خطوط، مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

جرات مندانہ موقف اختیار کیا، اور جنرل محمد نادر خاں کی قیادت میں افغانی فوج کو برطانوی فوجوں کے مقابلے میں متعدد کامیابیاں حاصل ہوئیں تو امیر امان اللہ خاں مسلمانوں اور حریت پسندوں کی محبت و عقیدت کا مرکز اور ان کا محبوب و دل پسند موضوع گفتگو بن گئے ادھر مسلمان انگریز حکومت سے عاجز آچکے تھے، ملک کی سر زمین اپنی ساری وسعتوں اور پہنائیوں کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی، چنانچہ افغانستان کی طرف ہجرت کی لہر چل پڑی اور سیکڑوں ممتاز مسلمان اور تعلیم یافتہ انقلابی نوجوان ہجرت کر کے کابل پہنچ گئے، لیکن چونکہ یہ اقدام کسی سوچے سمجھے پروگرام کے تحت نہیں ہوا تھا، اور کسی بھی راہنما نے نہ تو اس سے پیدا ہونے والے مسائل اور متوقع نتائج پر غور کیا تھا، نہ اس سلسلے میں افغانی حکومت سے کوئی مفاہمت ہوئی تھی، بالآخر تحریک ناکام ہو گئی اور ہجرت کرنے والوں کو بعض دشواریاں بھی پیش آئیں۔

پھر بعض معاملات میں امیر امان اللہ خاں کی بعض حدتیں اسلامی روایات کی مخالفت، مصطفیٰ کمال پاشا کی تقلید میں اہل مغرب کی نقالی اور اپنی ملکہ کو بے پردہ نکالنے کی وجہ سے افغانی قوم میں ان کے خلاف سخت ناراضگی پھیل گئی، اور وہاں انتشار برپا ہو گیا انگریز بہت دنوں سے اس کی تاک میں تھے، انھوں نے اس شورش کو امیر امان اللہ خاں کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لئے استعمال کیا، اور اس سے پورا فائدہ اٹھایا، ۱۹۲۷ء میں امیر امان اللہ خاں تخت سے ہٹائے گئے اور وہاں حبیب اللہ عرف بچہ رفقہ برسر اقتدار آ گیا، ان حالات سے اہل ہند بہت متاثر اور فکر مند ہوئے، جیسے یہ ان کے اپنے ہی ملک کے مسائل ہوں، یہاں تک کہ جنرل نادر خاں سامنے آئے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور حالات درست کئے تو افغانستان سے دل چسپی رکھنے والوں کو بھی سکون قلب میر آیا۔

اور یہ تو ابھی کل کی بات معلوم ہوتی ہے کہ جنرل محمد نادر خاں نے علامہ اقبال سر اس سعود اور علامہ سید سلیمان ندوی کو ۱۹۳۳ء میں اپنے ملک کے بعض اسلامی تعلیمی مسائل میں مشورہ کے لئے دورہ کابل کی دعوت دی، ان حضرات نے خوشی دعوت قبول کی اور اسے ایک قدیم اسلامی مملکت کی زیارت اور ایک مسلمان مجاہد سربراہ سلطنت سے ملاقات کے لئے قیمتی موقعہ شمار کیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اتنا ذمہ دار علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم وہاں سے واپس تشریف لائے تو بہت ذوق و شوق سے وہاں کے حالات و تاثرات بیان کر رہے تھے، وہ شاہ کی ملاقات سے بہت گہرا اثر لے کر لوٹے تھے، اور لکھنؤ ہی میں مقیم تھے کہ اچانک شاہ کی شہادت کی خبر ملی جس سے وہ بہت مغموم و متاثر ہوئے۔

انگریز دور حکومت میں ہندستان اور افغانستان کی سرحدیں کھلی ہوئی تھیں، وہاں سے تاجر، علماء اور طلبہ آتے تھے، اہل ہندستان کو بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان کو اپنے سے زیادہ طاقتور اور غیور سمجھتے تھے، ہمارے بچپن میں کابل کے تاجر اپنے علاقہ کی مختلف ایشیا، لے اکثر دیہاتوں اور شہروں میں گھومتے پھرتے نظر آتے وہ نمازوں کے بڑے پابند ہوتے تھے، ان کی جسمانی قوت، ان کی ہیبت کدائی اور ان کا ڈھیلا ڈھالا لباس لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا، بچے ان سے بہت ڈرتے تھے، انھیں "آغا" کہتے تھے بچپن میں ہم نے صرف اسی طرح کے ملک میں گھومنے پھرنے والے تاجر قسم کے افغانی دیکھے تھے، لیکن جوں جوں عمر اور اس کے ساتھ معلومات میں اضافہ ہوا تو اپنے پڑوسیوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا، خاصی معلومات حاصل کیں اور اس ملک کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

سفر افغانستان میں تاخیر

میری زندگی میں بیرونی سفروں پر غیر ممالک کے دورے کوئی نئی بات نہیں، میں نے کئی مرتبہ مختلف عرب ممالک کا دورہ کیا ہے، متحدہ بار یورپ بھی گیا ہوں، عالم اسلام کے فردوسِ گم گشتہ، اندلس (اسپین) کا بھی زیارت کی ہے، مغربی ایشیا کے اکثر، اور بحر ہند کے بعض ممالک میں بھی جانا ہوا ہے، قرآن اس کے موجود تھے کہ اس پڑوسی ملک کے دورہ کا بھی موقع ملتا، ہندوستان کی آزادی کے بعد دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے، کابل اور غزنین میں ہمارے بعض احباب بھی تھے، جن سے قدیم دینی و علمی روابط تھے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ (م ۱۳۲۶ھ) کی دعوت اصلاح و تجدید اور تحریک جہاد میں بھی افغانستان کا بڑا اہم کردار رہا ہے، وہ اپنی سرگرمیوں اور جدوجہد کے مرکز تک افغانستان ہی کی راہ سے پہنچے تھے، اہل افغانستان نے بے نظیر جوش و خروش کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا، پوری قوم اور حکومت ان کی طرف جھک پڑی تھی، اور حکمران خاندان سے بھی ان کے تعلقات رہے تھے، کبھی مستحکم اور کبھی کمزور جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر اس فیصلہ کن اور تاریخی موقع پر افغانستان کے امراء نے وقت کی اہمیت کا اندازہ لگایا ہوتا، اس تحریک کی قدر کی ہوتی اور اس کے قائد کے اخلاص، اس کی دردمندی اور اثر انگیزی کو صحیح طور پر محسوس کیا ہوتا، تو اس علاقہ میں مسلمانوں کی تاریخ آج کے مقابلے میں کہیں زیادہ تاب ناک اور با عظمت ہوتی۔

لہ افغانستان میں وہی خاندان اب تک برسرِ اقتدار ہے، سید احمد شہیدؒ کی دعوت و تحریک کے لئے ملاحظہ ہو، راقم الحروف کی کتاب "سیرت سید احمد شہیدؒ"

میں نے نوجوانی ہی کے دور میں سید احمد شہیدؒ اور ان کی دعوت پر ایک کتاب لکھی تھی اور شمالی سرحد کے ان علاقوں کو بار بار دیکھ چکا تھا، جہاں جہاد کے معرکے گرم ہوئے تھے اور ان کا اسلامی نظام قائم ہوا تھا، مگر اس دعوت کی تاریخ سے گہری دل چسپی، اس موضوع پر مطالعہ و تحقیق، بہادر اور غیر افغانی قوم اور اس کی اپنے ملک سے محبت و تعلق کی قدر کے باوجود مجھے اس ملک کی زیارت کا موقعہ نصیب نہیں ہوا۔

رابطہ عالم اسلامی کا وفد

اللہ تعالیٰ رابطہ عالم اسلامی کا بھلا کرے کہ اس نے شجاعت و سرفروشی کی اس سرزمین کی زیارت کا موقع فراہم کر دیا، ساری سہولتیں مہیا کیں اور اس کے ذمہ داروں نے اتنا اصرار کیا کہ میری معذوریوں، مشاغل کی کثرت اور دوسری رکاوٹیں سدرہ نہ بن سکیں اور میری ایک دیرینہ تمنا کے برآنے کی صورت پیدا ہوگئی، رابطہ نے — افغانستان ایران اور مغربی ایشیا کے بعض عرب ممالک کے دورہ کے لئے ایک وفد کی تشکیل کی، مجلس تاسیسی (FOUNDATION BODY) کے دو ممبران اس کے رکن منتخب ہوئے اور رابطہ کی سکریٹریٹ میں اسلامی تنظیموں کے شعبہ کے ذمہ دار ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو وفد کے سکریٹری اور میرے خاص رفیق و معاون کی حیثیت سے وفد میں شامل کیا گیا اور اس وفد کی قیادت و سربراہی کی ذمہ داری مرے ناتواں کاندھوں پر ڈالی گئی، لیکن دونوں لے سیرت سید احمد شہیدؒ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا، مصنف نے اس میں اضافہ کا سلسلہ جاری رکھا، حال میں اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن پانچ پانچ سو صفحات کی دو ضخیم جلدوں میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔

معزز ممبران۔ بیروت کے شیخ سعدی یاسین اور سری لنکا کے مسٹر حنیفہ محمد حنیفہ سابق وزیر لنکا بعض اسباب وحوادث کی بنا پر ہندوستان نہیں آسکے، تو رابطہ کے سکریٹریٹ کی نظر انتخاب سعودی عرب کے مشہور و ممتاز صاحب قلم مجلس شوریٰ کے رکن جامعہ ملک عبدالعزیز جدہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے پروفیسر شیخ احمد محمد جمال پڑھی یہ انتخاب بڑا موزوں و مناسب تھا، اتوار ۳ جون ۱۹۷۳ء کی صبح کو وہ مکہ سے براہ راست کابل پہنچ گئے اور میں بعض اسباب کی بنا پر ایک دن کی تاخیر سے ۴ جون ۱۹۷۳ء کی شام کو کابل پہنچا۔

محترم شیخ صالح قزاز سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی کی سربراہی میں امانت عامہ (جنرل سکریٹریٹ) پہلے ہی سے وفد کے پروگرام اور دیگر سہولیات کے سلسلہ میں افغانستان کے ذمہ داروں اور کابل میں سعودی سفارت خانہ سے رابطہ قائم کر چکی تھی تاکہ وفد بہتر طریقے سے اپنے فرائض انجام دے سکے اور اپنا پیغام پہنچا سکے۔

حکومت افغانستان نے دنیا کے عظیم ترین اور اہم ترین اسلامی ادارہ کی نمائندگی کرنے والے اس وفد کو خوش آمدید کہا جس میں سارے عالم اسلام کے علماء، فضلا، مفکرین، اور اصحاب رائے کی بڑی تعداد کی نمائندگی ہے اور جو ایسے شہر میں قائم ہے جس کی مسلمانوں کے دلوں میں بڑی عزت و عظمت ہے اور خادم الحرمین الشریفین اور اتحاد اسلامی کے سب سے بڑے داعی شاہ فیصل جس کی سرپرستی فرماتے ہیں۔

افغانوں کی مہمان نوازی اور اکرام ضیف مشہور ہے، چنانچہ قدیم روایات کے مطابق افغانی حکومت نے اصرار کیا کہ وفد سرکاری مہمان ہے، اور وزارت تعلیم کے سپرد کیا کہ وفد کے لئے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرے، مسافروں اور ملاقاتوں کا پروگرام مرتب کرے اور سعودی سفارت خانہ نے شکریہ کے ساتھ یہ کریمانہ پیش کش قبول کر لی۔

سسر زمین کابل میں

ہم دو شنبہ ۲۴ جون ۱۳۷۷ء کو دہلی سے ایک افغانی طیارہ کے ذریعہ روانہ ہوئے، انانڈو نسر نے اعلان کیا، کابل قریب آگیا ہے تو کانوں میں ننگی اور دل میں ششفتگی محسوس ہوئی کہ آج ایک دیرینہ ترنا پوری ہو رہی تھی، مقامی وقت کے مطابق ۵ بجے ہمارا طیارہ کابل ہوائی اڈے پر اترا، موسم مناسب تھا۔

دہلی کے سخت موسم کے مقابلہ میں اعتدال سے زیادہ قریب ہمارے استقبال کے لئے افغانستان میں سعودی سفیر، ہمارے پرانے کرم فرما، ہندوستان میں سابق سعودی سفیر اور ہندوستانی مسلمانوں کی محبوب شخصیت شیخ محمد احمد الشیبلی ہوائی اڈے پر موجود تھے، ان کے ساتھ سعودی سفارت خانہ کے نائب سفیر علی الفوزان، ہمارے وفد کے ممبر شیخ احمد محمد جمال کابل یونیورسٹی میں "کلیۃ الشریعۃ" کے پرنسپل غلام محمد نیازی، افغانی وزارت تعلیم میں دینی تعلیم کے ڈائریکٹر شیخ محمد اسلام تسلیم، دارالاحفاظ کابل کے مدیر سید محمد یعقوب ہاشمی، کلیۃ الشریعۃ کے اتاذ پروفیسر عبدالرسول سیاف اور دوسرے ممتاز علماء و اعیان بھی موجود تھے، پروفیسر سیاف ہی کو وزارت تعلیم نے ہمارے وفد کا رفیق اور مترجم منتخب کیا تھا۔

ہوٹل کابل میں ہمارے قیام کا انتظام تھا، اور حسن اتفاق کہ چالیس سال پہلے علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال اور سر اسر اسر مسعود پرنسٹن وفد کابل کے دورہ پر آیا تھا، تو ای ہوٹل میں قیام پذیر ہوا تھا، اس عرصہ میں اس کی عمارت نئی تعمیر کی گئی، اور بعض اصلاحات بھی کر دی گئی ہیں، میں جس کمرہ میں مقیم تھا، اس کی کھڑکی امیر عبدالرحمن خاں غازی کے مقبرہ کی طرف کھلتی تھی، انگریزوں سے جنگ اور اسلام سے بیگانہ دور دراز علاقوں میں اشاعت اسلام کے

سلسلے میں ان کے عظیم الشان کارنامے مشہور ہیں، اس سے عظمت رفتہ اور اچھے دنوں کی یاد تازہ ہو گئی۔

وزارتِ تعلیم کی صیافت اور رہنمائی میں

ہم کو کابل میں کل چھ دن گزارنے تھے، اور مقامی وزارتِ تعلیم نے سودی سفارتخانہ کے تعاون سے مختلف مقامات کے دوروں، ملاقاتوں، جلسوں اور تقریروں کا تفصیلی پروگرام مرتب کر لیا تھا، اور اس پروگرام کی ترتیب و تشکیل بلکہ وفد سے غیر معمولی دلچسپی اور اس کے اعزاز و کرامت زیادہ تر کلیتہً الشریعہ (کلیہ فاکولتہ شریعیات۔ پوسٹنٹوں کابل) کے پرنسپل ڈاکٹر غلام محمد نیازی کا رہن منت ہے، انھوں نے پہلا مناسب کام تو یہ کیا کہ کلیتہً الشریعہ کے اسٹاڈنٹ پرو فیسر عبدالرسول سیاف کو وفد کا رفیق اور مترجم مقرر کیا، وہ افکار و خیالات ترجمہ پر قدرت اور جوش و جذبہ، ہر اعتبار سے اس نازک اور دشوار کام کے لئے موزوں ترین شخص تھے، میں نے ان کے جیسا ترجمہ پر قادر، اس کا پورا پورا سہی ادا کرنے والا اور تکمیل کی صحیح ترتیب دہانی کرنے والا کم دیکھا ہے، وہاں کے نوجوانوں سے ان کے تعلقات بھی وسیع اور گہرے ہیں،

لے امیر شکیب ارسلان "حاضر العالم الاسلامی" پر اپنے مشہور اور بیش قیمت حواشی میں امیر عبدالرحمن کی سیاسی و انتظامی خصوصیات و امتیازات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں، "مشرقِ جانبِ حد و سلطنت کو وسیع کیا، وادی کفرستان کو اپنے زیرِ نگین کر لیا، وہاں کے باشندوں کو انہیں کے ذریعہ اللہ نے اسلام کی ہدایت دی اور اس کا نام "نورستان" رکھا، مختصر یہ کہ انہی کے زمانہ میں فغانی قوم سکون و آرام سے لذت آٹھا ہوئی اور اتحاد کا مفہوم سمجھا، وہ ملک کی اصلاح میں ہمک ہے، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو ۱۹۱۰ء میں جوارجست میں جاگدی وہ حکومت حسن انتظام اور عوام کی پختگی میں اپنے زمانہ کے بہترین بادشاہوں میں شمار کیے جاتے تھے" (حاضر العالم الاسلامی ج ۲ ص ۲۱۵)

اور صحیح اور صالح بنیادوں پر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی عقلی و فکری تربیت اور
 اور ذہنی رہنمائی کی بڑی فکر رکھتے ہیں، جامع ازہر کے "کلیہ اصول الدین" کے فارغ التحصیل
 ہیں، ملاقات سے پہلے میری بعض کتابیں پڑھ چکے تھے، موصوف اور ان کے رفقاء سید
 قطب شہید، مولانا مودودی اور اقم الحروف کی کتابوں سے بہت متاثر ہیں، اور مقامی
 دونوں زبانوں — فارسی اور پشتو — میں ان کے تراجم کے خواہش مند بھی اس رجحان
 میں وہ اور معزز علماء، — ڈاکٹر محمد موسیٰ توانا اور برہان الدین ربانی — ان کے شریک
 و ہمیم ہیں، مؤخر الذکر کی متعدد تصنیفات اور تراجم زیور طبع سے آراستہ بھی ہو چکی ہیں۔

ہم نے کابل میں جو چھ دن گزارے وہ تعداد میں اور ملک کی وسعت و اہمیت کے
 اعتبار سے تو بہت کم تھے، لیکن پروگراموں اور مشاغل کی کثرت کے اعتبار سے بہت مشغول
 بہت مفید اور قیمتی تھے، اور قیام کے اس اختصار — جس پر ہم بعض اسباب کی وجہ سے
 مجبور تھے، — کی ہمیں قیمت بھی چکانی پڑی ہنوا تکام، گٹھے ہوئے پروگرام اور ٹھکانے
 والی مسلسل مشغولیت برداشت کرنی پڑی، اکثر ایک ہی دن میں چار، چار، پانچ، پانچ پروگرام
 اکٹھا ہو جاتے جن میں بعض بڑے اداروں کو دیکھنا، طلبہ و اساتذہ سے خطاب، اہم شخصیتوں
 سے ملاقاتیں اور دعوتوں میں شرکت وغیرہ شامل ہوتے، ادھر ادھر آنے جانے، لوگوں سے
 ملاقاتوں اور بات چیت میں پورا دن گزر جاتا اور نکلے باسے رات گئے واپس آنے لیکن
 افتخانی علماء و عمائدین کے خیر مقدم، نوجوانوں کے جوش اور ان کی توجہ و دلچسپی کی شکل میں
 ہماری محنت و مشقت اور چین و سکون سے محرومی کا بہترین صلہ مل جاتا۔

تعلیمی و ثقافتی اداروں کا معائنہ

تعلیمی اداروں میں ہم سب سے پہلے کابل کے ایک نواحی محلہ گرامی میں واقع

”مدرسہ اہل حنیفہ“ دیکھنے گئے اور وہاں کے اساتذہ و طلبہ سے گفتگو ہوئی، مدرسہ ابتدائی وسطانی اور ثانوی تین مراحل پر مشتمل ہے، مدرسہ کے ناظم استاذ محمد سیالانی ہیں اس کے درجوں، ہوشلوں اور مطبخ دکھلانے لگے، ہم نے متحدہ طلبہ اور اساتذہ سے گفتگو بھی کی اور مسجد میں عمومی خطاب کیا، طلبہ کے عربی سے واقف ہونے کی وجہ سے فارسی میں ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اس کے بعد ہم مدرسہ ”دار الحفظا“ میں گئے اس کے ناظم سید محمد یعقوب ہاشمی نے ہمارا استقبال کیا، ہمارے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد کیا جس میں مدرسہ کے اساتذہ اور کامل کے علماء و شیوخ کی اہم تعداد نے شرکت کی، اس کے بعد ”دارالعلوم“ دیکھنے گئے، یہ دارالسلطنت میں سب سے بڑا دینی ادارہ ہے، میں نے سنا کہ موجودہ وزیر اعظم ڈاکٹر محمد موسیٰ شفیق بھی اس ادارہ کے تعلیم یافتہ ہیں، اس کا اساتذہ فاضل علماء اور بڑے بڑے شیوخ پر مشتمل ہے، اس کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس مولوی محمد گل ہیں، اس کی صحن میں ایک بڑا جلسہ ہوا، شہر کے علماء، معززین اور اعیان شہر بڑی تعداد میں شریک ہوئے اور وفد کا پرچوش استقبال کیا گیا میں نے اور استاذ احمد محمد جمال نے تقریریں کیں، میری تقریر خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کارناموں، ان کی غیرت ایمانی، مرتدین اور کفرین سے دین کی حفاظت و حمایت اور ان کے یادگار مقولہ ”أینقص الدین وأنا حنی“ (دین میں ترمیم و تفسیح ہو اور میں زندہ رہ کر اس کو دیکھتا ہوں؟) کی تشریح و تفصیل اور اپنے اپنے ممالک اور علاقوں میں علماء کی ذمہ داریوں سے متعلق تھی، اس سلسلہ میں میں نے حضرت مجدد الف ثانی کے کارنامہ کو جو ہندوستان کو اسلامی حصار میں رکھنے کے لئے انجام دیا گیا، تفصیل سے بیان کیا، اس لئے کہ افغانستان کے موجودہ حالات و دور کو مجدد صاحب کے دور سے خاص مناسبت ہے، اور ان کی شخصیت یہاں ہر حلقہ میں معروفا و محترم ہے، چونکہ

فضا علمی و دینی تھی، اکثر حاضرین عربی زبان سمجھتے تھے، اور ترجمہ کی رکاوٹیں اور الجھنیں نہیں تھیں، اس لئے بے تکلفی اور اعتماد کے ساتھ اپنی بات پیش کی۔

ہمیں جن عربی اداروں میں جانے اور وہاں کے علماء اور نوجوانوں سے گفتگو کا موقع ملا، اس میں سب سے اہم اور ممتاز "کلیۃ الشریعہ" تھا، ارکان و قد کے لئے یہ فطرۃ دلچسپی کی جگہ تھی، اس لئے کہ یہاں وہ نوجوان زیر تعلیم ہیں، جن سے اس ملک میں دینی قیادت کی زیادہ سے زیادہ امید کی جاسکتی ہے، یہاں کے اساتذہ بھی اپنی ذہنی، علمی صلاحیتوں، اور علم و مطالعہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، یہی کالج و فدا کا اصل میزان تھا، اس کے پرنسپل ڈاکٹر غلام محمد نیازی کا شمار تحقیقی ذوق رکھنے والے علماء میں ہوتا ہے، اسلامیات پر ان کا مطالعہ گہرا اور وسیع ہے، کالج نے احباب و رفقاء کے تعارف کے لئے ایک عشائیہ کا بھی اہتمام کیا، یونیورسٹی ہال میں منعقد ہونے والے عظیم الشان جلسہ کا انتظام و اہتمام بھی اسی کالج کی طرف سے ہوا تھا جس میں بعض ممالک کے سفراء، ممتاز علماء، اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات، سرکاری ملازمین، تعلیم یافتہ نوجوان اور کالج کے طلبہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اس جلسہ کی تقریریں مقرب نظر سے گذرے گی۔

ہم نے ملالی گرس کالج "بھی دیکھا جو تحریک آزادی کی قائد ایک فغانی خاتون۔ ملالی کی طرف منسوب ہے، اتاذ احمد محمد جال نے یہاں ایک موزوں اور مناسب تقریر کی جس میں انھوں نے شریعت اسلامیہ میں مسلمان عورت کی حیثیت اور مسلم معاشرہ میں اس کے حقوق اس کی اہمیت اور قدر و منزلت پر روشنی ڈالی، اس کالج میں ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے ہم یورپ کے کسی گرس کالج یا مغربی ممالک کے کسی زنانہ ثقافتی مرکز میں پہنچ گئے ہیں، بے پردگی عام تھی، لیکن ساتھ ہی شرم و حیا اور حجاب نظر کے آثار بھی نظر آتے تھے، جس میں

افغانی خواتین کی زمانہ میں صزربا مثل نخبیں، اس جلسہ میں احتیاط اور ذہانت کے ساتھ مقرر سے متعدد سوالات بھی کئے گئے، استاذ احمد محمد جمال نے قابلیت اور سلیقہ کے ساتھ ان کے جوابات دیئے، وہ مسلمان عورت کے حقوق اور اس مسئلہ میں اسلامی قانون اور دوسرے قوانین کے تقابل کے خصوصی ماہرین میں سے ہیں، کالج کی خاتون پرنسپل نے مطالبہ کیا کہ تعداد ازدواج کی حرمت کا منقہ فتویٰ صادر کر دیا جائے، کیونکہ اس میں عورت کی سخت توہین ہوتی ہے، مقرر موصوف نے اس کے جواب میں وہ اسباب و مصالح بتلائے جن کی وجہ سے اسلام نے یہ حق باقی رکھا ہے۔

ہم لڑکوں کا جدید طرز کا ایک کالج "مدرسہ استقلال" بھی دیکھنے گئے، اس پرفر انسیسی رنگ غالب ہے، اس کے پرنسپل استاذ عبدالامادی فرانس کے تعلیم یافتہ ہیں، یہاں مجھ کو نوجوانوں سے کچھ کہنے کا موقع ملا، میری باتیں کسی کامل کو قابل تقلید نمونہ، یا اسوہ (IDEAL) بنانے اور نوجوانوں کی تربیت اور ان کی سیرت و کردار کی تشکیل و تعمیر میں اس کے اثرات کے موضوع پر تھیں۔

تجدد پسند افغانی خواتین سے گفتگو

سعودی سفارت خانہ کی شدید خواہش تھی کہ کابل میں ہمارے مختصر ترین قیام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے، وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر علمی و دینی مجلسوں اور ہر طبقہ کے تعلیم یافتہ اور ممتاز افراد سے تعارف اور ملاقاتوں کا انتظام کر رہا تھا، چنانچہ سفیر کی وسیع اور شاندار قیام گاہ پر دو مخصوص نشستیں ہوئیں، ایک نشست ممتاز، معزز اور دیندار گھرانوں سے تعلق رکھنے والی مسلم خواتین کی تھی، مجلس میں شریک ہونے والی خواتین اللہ کا شکر ہے

اسلامی عقائد سے باغی یا جدید تہذیب و تمدن کے زعم میں دین سے کیسے بگناہ و بیزار
نہیں تھیں۔

افغانی خواتین میں جدید تہذیب و مستشرقین کے افکار کے اثرات

پھر بھی ہم محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکے کہ ملک میں مغربی تہذیب بہت آگے جا چکی ہے
اور اس کے اثرات بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ ۱۹۲۵ء اور ۱۹۴۳ء کے درمیان وسیع خلیج حائل
ہو چکی ہے۔

امیر امان الشراخاں کے دور تک افغانی قوم اسلامی افغانی روایات پر پڑی مضبوطی
سے قائم تھی اسے دانتوں سے پکڑے ہوئے تھی، اس کا نصلب غلو اور مالغی حد تک
پہنچا ہوا تھا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ امیر امان الشراخاں کی بعض قدیم اسلامی روایات کی خلاف ورزی
کی بنا پر ان کے خلاف ہنگامہ برپا ہو گیا، اور ان کو تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا، لیکن
اس وقت صورت حال بالکل مختلف ہے، افغانی قوم اپنے ماضی سے بہت دور جا چڑھی ہے،
اور یہ دوری ماہ و سال کی تعداد کے اعتبار سے تو بہت کم ہے، یعنی صرف سینتالیس سال
لیکن فکری اور تمدنی اعتبار سے یہ مسافت بہت طویل ہے، اکثر قومیں کہیں صدیوں میں اتنی
مسافت طے کرتی ہیں، پر وہ اب پس ماندگی، جہالت اور غربت کی علامت بن گیا ہے، اسی وجہ
سے دیہاتوں، گاؤں میں بعض دیندار علماء اور دارالسلطنت سے دور کسانوں کے گھروں
تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، فرنگی لباس عام ہے، پھر بھی قدیم ماحول اور طبیعتوں میں رچی ہوئی
اسلامی خصوصیات کے اثرات اب تک ان تعلیم یافتہ مسلم خواتین میں کسی نہ کسی درجہ میں موجود
ہیں، اس لئے ان کے سوالات اور گفتگو میں توہین و استہزاء کا انداز نہیں تھا، بلکہ ہم لوگوں کو دوران گفتگو

وہ خاصی محتاط رہیں، ان کی باتوں سے دین اور اہل دین کا احترام جھلکتا تھا، وہ اسلام میں عورت کی حیثیت اور اس کے عطا کردہ مراتب و حقوق معلوم کرنے کا شوق ظاہر کرتی رہیں، لیکن ان کے سوالات سے صاف ظاہر ہو جاتا تھا کہ غیروں کی تہذیب و تمدن کے اثرات کہاں تک پہنچ چکے ہیں اور مستشرقین کی تحریریں اور اسلام، اس کے اصول و مبادی اور اسلامی نظام حیات کے خلاف ان کا منظم اور منصوبہ بند پروپیگنڈا اور یورپ کے پھیلائے ہوئے کال مساواتیاء مرد و زن کے نظریہ کے اثرات کتنی گہرائی تک ترچکے ہیں، اس کے مقابلہ میں اسلام اور اسلامی شریعت کو جدید اور موثر انداز میں پیش کرنے اور تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کو مطمئن کرنے کے سلسلہ میں، مسلمان اصحاب دعوت و ارشاد، اہل قلم اور علمائے کرام کی کوتاہیوں کا بھی ہم کو احساس ہو رہا تھا، بہر حال دونوں طبقوں — دین کے نمائندہ، علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ — کے درمیان پیدا ہونے والی تلخ بہتت و سیخ ہو گئی ہے جس کو پرکنا آسان نہیں ہے۔ اس جلس میں ہمارے فاضل رفیق استاذ احمد محمد جمال نے گفتگو کی اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں، وہ اس موضوع کے ممتاز ماہرین میں سے ہیں اور اس سلسلہ میں خاصا کام بھی کر چکے ہیں، انکی کتاب ”مکانہ محمدی“ اس موضوع پر ایک اچھی کتاب ہے، میں نے بھی مناسب جھاکہ ذہن کو تیار و ہموار کرنے کے لئے عمومی انداز کی ایک بات سامنے رکھ دوں، چنانچہ میں نے کہا۔

بے پردگی اور معاشرتی قدروں کے بغاوت قومی زوال کا پیش خیمہ

”میں نے قوموں اور تہذیب و تمدن کی تاریخ — اور خاص طور سے قوموں اور تہذیبوں کے ارتقاء و انحطاط کی تاریخ کا مطالعہ بڑی توجہ اور اہتمام سے کیا ہے، اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قوموں اور ملتوں کے زوال، ان کی تباہی و بربادی

اور انتہائی ترقی یافتہ اور سچو رکن تمدنوں اور تمدنیوں کے زوال اور فنا کا سبب ہے
 اہم اور بنیادی سبب ہے اللہ کے عائلی نظام کا انتشار، گھریلو زندگی میں اعتدال و
 توازن کا فقدان، مرد و زنانہ کے ارتباط باہمی میں فساد و اختلال، گھریلو زندگی سے
 عورتوں کی بے توجہی اور اس کی ذمہ داریوں سے فرار — تاریخ میں تمہنی بھی
 زوال پذیر تمدن ہیں اور پستی و انحطاط اور تباہی و بربادی کی طرقت تیز قدموں سے
 بھاگتی ہوئی قومیں نظر آتی ہیں، وہاں یہ بیماری مزور پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ
 عورتوں نے گھریلو زندگی سے فرار اور اس کی ذمہ داریوں سے پھلتوتی شروع
 کر دی، وہ مانتا کے جذبہ سے محروم ہو گئیں، اولاد کی پرورش و پرداخت اور
 نئی نسل کی تربیت اور اس کی ذمہ داریوں سے گریز کرنے لگیں اور اپنے گھر کو سکون و
 اطمینان کا گھر بنانے سے غافل ہو گئیں جہاں مرد کو امن و عافیت اور سکون و
 راحت کی دولت میسر آسکے وہ گھر میں داخل ہوتے محسوس کرے جیسے جنت میں
 آگیا ہو، بلکہ اس کے بجائے وہ مردوں کی ذمہ داریوں اور ان کی کارگزاری کے
 میدانوں میں برابر کی شرکت، ان کی ہم سفری اور ہم صفیری، ہر میدان میں ان کے
 دوش بدوش کھڑے ہونے، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں ان کا مقابلہ کرنے کے
 شوق میں پاگل ہو گئیں، اور اس کے نتیجے میں ان معاشروں میں، ذہنی و فکری انتشار
 عام لاقانونیت، انارکی اور اخلاقی بحران پیدا ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاکت کے
 غار کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم اور تیز ہو گئے، یہی قدیم یونانیوں کی کمائی
 ہے اور یہی قدیم رومیوں اور ایرانیوں کے زوال کی داستان ہے، اور مجھے
 خطرہ ہے کہ کہیں مشرقی قومیں بھی اسی دردناک انجام سے دوچار نہ ہوں اور

رنج و فکر کی بات ہے کہ ہمارے مشرقی اسلامی معاشرہ میں اس کے آثار
ظاہر بھی ہو چکے ہیں؟

جزوی ترمیم و اصلاح کے ساتھ یہ میری وہاں کی تقریر کا خلاصہ ہے، (اور تحریر و
تقریر میں کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہی ہے) امید ہے کہ ہماری یہ سطرین معزز انسانی بہنوں تک
پہنچیں گی کاش کہ یہ ان پیش آنے والے خطرات کا احساس دلانے میں کوئی مفید خدمت
انجام دے سکیں۔

اس کے بعد اسٹاذ احمد محمد جال نے ایک عالمانہ تقریر کی اور عورت کے بائے میں
اسلام کے نقطہ نظر معاشرہ میں اس کے حدود، اور زندگی میں اس کے فرائض اور اچھے
خاندان اور صالح معاشرہ کی تشکیل میں عورت کے اہم کردار کی تشریح کی، پھر سوالات کا
ایک سیلاب امنڈ پڑا، اکثر سوالات تو مرد ازدواج، حق طلاق کے لئے مردوں کی خصوصیت
اور شرعی پردہ سے متعلق تھے، مجلس سکون و وقار کی فضا میں ختم ہوئی اور تمام خواتین حضرت
شام کے کھانے اور عشا کی نماز کے لئے اٹھ گئے۔

ہمارے رفیق اسٹاذ احمد محمد جال کابل میں خواتین کا ایک اور نشست میں شریک
ہوئے، میں اس وقت عزتی میں تھا، اس لئے شریک نہیں ہو سکا، واپسی پر بتاؤں گی کہ پردہ
مردوں کے حق طلاق اور تعدد ازواج کے موضوع پر گرگرا کر بحث ہوئی، ان باتوں سے
اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی خواتین ذہنی اور فکری انتشار و اضطراب کی کس منزل سے
گذر رہی ہیں اور غیر ملکی تہذیب و ثقافت کا پروگنڈہ اور اس کے اثرات کس حد تک
پہنچ چکے ہیں؟

علمائے کابل سے گفتگو

دوسری مجلس علماء کے لئے مخصوص تھی، اور چونکہ سعودی سفارت خانہ کو دینی و مذہبی حلقہ میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس لئے علماء و مشائخ کی بڑی تعداد نے سفارت خانہ کی دعوت قبول کی اور ہر طرح کے تکلف و تصنع سے پاک، خالص برادرانہ اور دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوئی، اس رات میری گفتگو کا موضوع تھا، اسلام کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں علماء کی ذمہ داریاں اور قوم سے براہ راست تعلق، میں نے خاص طور سے دو طبقوں — عوام اور نوجوانوں کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور اس میدان میں بعض جماعتوں اور تحریکوں کے تجربات بیان کئے، برصغیر کا تبلیغی جماعت اور اس کے طریق کار کا تذکرہ کیا کہ کس طرح اس جماعت نے ہمارے اس دور میں قوم سے براہ راست تعلق قائم کرنے اور عام مسلمانوں کے گھروں، منڈیوں اور بازاروں تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کی اور اس کی دعوت دور دراز ممالک تک پھیل گئی، اسی طرح اس نے عوام میں مذہبی شعور اور دینی جذبہ بیدار کرنے اور اللہ کی طرف توجہ، اخلاق و اعمال کی اصلاح، ایثار، الشکر کی راہ میں محنت و مشقت پر آمادہ کرنے کی کامیاب کوشش کی، میں نے کہا کہ عوام کو دینی رہنمائی، اسلامی تعلیم و تربیت اور دین کے مکمل شعور کے بغیر چھوڑ دینا بڑا خطرناک ہوتا ہے، ایسی صورت میں وہ کسی بھی مفید و ملحد کے لئے ترنوالہ اور خوش گوار گھونٹ ثابت ہو سکتے ہیں، اور بڑی آسانی کے ساتھ تباہ کن تحریکوں اور اسلام دشمن افکار و خیالات کا شکار ہو سکتے ہیں۔

پھر میں نے نوجوانوں اور خاص طور سے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نوجوانوں

کی طرف توجہ کرنے پر زور دیا کیونکہ وہی موجودہ نسل کی جگہ لینے والی نسل ہے اور وہی ملک کی قیادت زندگی کی تشکیل، قانون سازی اور تعلیم و تربیت کا رخ متعین کرنے کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے، تمام امور و معاملات کی کلید اور حکومت کی باگ ڈور انھیں کے ہاتھوں میں ہوگی، ان کی اصلاح ملک و قوم کی اصلاح ہے، اور فضائل اسلام پر ان کا پختہ یقین اسلامی اصولوں اور تعلیمات پر ان کا راسخ ایمان اور دین کے لئے ان کا ہوش و جذبہ ہی اس علاقہ میں اسلام کی بقا اور اس کی قوت و شوکت کی ضمانت ہے، اور اسلام کی صلاحیتوں سے ان کی بے اعتمادی، عقیدہ و ایمان کی کمزوری، اسلام کے مستقبل اور اس کی قائدانہ صلاحیت سے مایوسی، مغربی تہذیب ہی کو انسان کی ترقی، آزادی اور عزت و سعادت کی انتہا اور ناقابل تردید حقیقت سمجھنا جس سے انکار و اعراض کی گنجائش نہیں، یہ درحقیقت اسلام کے زوال، زندگی کی رزمگاہ سے اس کے انخلا کا پیش خیمہ اور فکری اور تہذیبی ارتداد ہے، جب یہ طرز فکر کسی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کی تیز و تند موج چلتی ہے تو نہ عالی شان محلوں کو چھوڑتی ہے، نہ پامال جھونپڑیوں کو، نہ کسان کے کھیتوں کو، نہ کسی عالم کے مدرسہ کو نہ کسی گوشہ نشین عابد و زاہد کی خانقاہ کو میں نے بعض اسلامی ممالک کے دردناک انجام کی مثالیں بھی بیان کیں جہاں علماء نے نوجوانوں پر توجہ دینے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے میں پہلو تہی کی، ان کو متاثر کرنے میں ناکام رہے، اور ان کو بے ہمار چھوڑ دیا کہ اتحاد، فساد، کمیونزم، وجودیت اور اباحت کے داعیوں میں سے جو چاہے، ان کو اپنا شکار بنالے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان نوجوانوں کے ذہن و دماغ پر ملحد، زندقہ، جارحانہ قوم پرستی کے داعی یا دین کے دشمن کمیونسٹ چھانکنے، انھوں نے اپنی سرگرمیوں کے لئے دو میدان منتخب کئے، تعلیم کا ہیں اور

فوج اور چند ہی سالوں میں اتنی طاقت حاصل کرنی کہ پورے ملک کو اپنے ڈنڈے سے جبراً چاہیں ہانکتے رہیں، حکومت و اقتدار کی کلید اپنے ہاتھ میں لیں اور طاقت و قوت کے ہراس سرخسپہ پر اپنی گرفت مضبوط کر لیں، جس سے ملک کی سیاست و حکومت کے طریق کار اور اس کی رفتار پر اثر انداز ہوا جاسکتا ہے۔

میں نے اس کی بھی وضاحت کی کہ نوجوانوں میں کام کرنے کے لئے، جدید اسلوب، جدید زبان، نوجوانوں کی نفسیات کے گہرے مطالعہ اور ان کو رہنمائی کے مسائل و مشکلات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے، اور اس سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب یہ وصیت پیش نظر رکھنی چاہئے:-

كَلِمَةُ الْمَنَاسِ عَلَى قَدْرِ عَقُولِهِمْ لَوْ كُنْتُ سَأَلْتُكَ عَنِ الْمَطْلُوبِ لَأَعْلَمُ
اتريدون ان يكذب الله ورسوله کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے
رسول جھٹلا دیئے جائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ ان کے ذہن و دماغ میں حقیقت از سر نو اچھی طرح راسخ کر دی جائے کہ اسلام زندگی اور قائدانہ صلاحیت سے بھرپور ہے، اور صرف یہی نہیں کہ اسلام زمانہ کا ساتھ دے سکتا ہے، بلکہ زمانہ کی قیادت و رہنمائی کر سکتا ہے، ”صُنِعَ اللهُ الَّذِي أَنْقَرَكُلَّ شَيْءٍ“

اس مقصد کے لئے ایسا اسلامی لٹریچر مفید ثابت ہو سکتا ہے، جو ان کے ذوق کے مطابق ہو، جو ان کے دماغ کی گہری کھول دے مستقل کتابی تصنیف کے

لے شام کسی زمانہ میں جس کی دینی پختگی اور اسلامی روایات سے وابستگی بطور مثال پیش کی جاتی تھی، اس مصیبت کی بہترین مثال ہے۔

شائع کی جائیں یا ملک میں رائج زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا جائے۔
 اس مجلس میں استاذ احمد محمد جبال نے بھی گفتگو کی اور بعض اہم پہلو اجاگر کئے، اس کے بعد
 مذکورہ شروع ہوا اور بعض ممتاز حاضرین نے تقریروں پر اپنے تاثرات بیان کئے۔۔۔۔۔
 ان میں وزارت اطلاعات و نشریات میں شعبہ اوعظا وارشاد کے چیف ڈائریکٹر استاذ بشار
 اور شیخ محمد ہاشم مجددی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، انھوں نے ہماری معروضات پر اپنے
 خیالات کا اظہار کیا، اور بعض اہم نکتے واضح کئے پھر مجلس برخاست ہو گئی اور سر ڈاٹھان
 کا تاثر لئے لوگ واپس ہوئے۔

وزراء اور دوسرے ذمہ داروں سے ملاقاتیں

جن ذمہ داروں سے ملاقات ہوئی ان میں سب سے اہم وزیر تعلیم جناب محمد حسین عظیم
 اور نائب وزیر ڈاکٹر محمد صدیق ہیں، ان حضرات سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی اور
 اسلامی ممالک میں تعلیمی رجحانات اور وہاں کی سیاست پر گفتگو ہوتی رہی، وزیر تعلیم نے ہماری
 باتیں توجہ سے سنیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انھیں اپنا عظیم ذمہ داریوں کا احساس ہے، چونکہ
 ہمارے دورہ کا پروگرام مرتب کرنے اور وفد کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کرنے کا انتظام
 اصلاً وزارت تعلیم ہی نے کیا تھا، اور یہی وزارت حکومت افغانستان کی طرف سے ہماری
 میزبان تھی، اس لئے ہم نے وزیر تعلیم اور نائب وزیر تعلیم کا خصوصی طور پر شکریہ ادا اور اپنی
 ممنونیت کا اظہار کیا، وزارت تعلیم نے ہمارے اعزاز میں ایک دعوت کا بھی اہتمام کیا،
 جس میں کلیۃ الشریعہ کے اساتذہ نمایاں نظر آتے تھے۔

صدر اعظم (وزیر اعظم) کے خصوصی مشیر استاذ عبدالسار سیرت سے بھی ملاقات

ہوئی وہ مصر کے تعلیم یافتہ اور جامع ازہر کے فارغ ہیں، وہ اہل زبان کی سنی تیزی اور روانی کے ساتھ عربی میں گفتگو کرتے رہے، وزارت عدل کے انڈر سکرٹری جناب سمیع الدین زوندا اور نیابت عامہ کے انڈر سکرٹری عبدالعادی، ہدایت سنٹرل وقف بورڈ کے ڈائریکٹر اساتذہ کامل شنواری، افغان جمعیتہ العلماء کے صدر مولانا محمد صدیق کباری وغیرہ سے بھی ملاقاتیں ہوئیں ان حضرات کے ساتھ وزارت عدل کے عہدہ داروں اور اس کے بعض شعبوں کے سربراہوں میں سے کچھ منتخب افراد بھی تھے، اساتذہ احمد محمد جمال میرے کابل پہنچنے سے پہلے وزیر اطلاعات سے بھی مل چکے تھے، اساتذہ عبدالرسول سیاف تمام ملاقاتوں اور اجتماعات میں فارسی زبان میں قدرت اور مہارت کے ساتھ ہماری باتوں کی ترجمانی کے فرائض انجام دے رہے تھے، یہ بات ہم نے خاص طور سے محسوس کی کہ تمام پڑھے لکھے افراد، وزراء اور اعلیٰ عہدہ داران سب فارسی زبان میں بات چیت کرتے ہیں، حالانکہ وہاں کی سرکاری زبان پشتو ہے، سرکاری احکام و اعلانات اسی زبان میں شائع ہوتے ہیں، سرکاری مراسلات میں یہی زبان استعمال کی جاتی ہے، دعوت نامے بھی اسی زبان میں جاری ہوتے ہیں، لیکن فارسی زبان سب ہی لوگ سمجھتے ہیں اور علمی اجتماعات اور ادبی جلسوں میں فارسی ہی استعمال کرتے ہیں، ہمیں بتلایا گیا کہ تحریک پنجتوستان کے مرکز اور بلوچستان کی سرحد سے ملے ہوئے علاقہ قندھار میں بھی فارسی ہی زیادہ رائج ہے۔

اس دورے میں جن ممتاز شخصیتوں سے تعارف حاصل کر کے خوشی ہوئی اور ان کے ساتھ زیادہ وقت گزارا ان میں مولانا محمد اسلام تسلیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ ان علماء کا نمونہ ہیں، جو دین میں رسوخ و استقامت کے ساتھ ہی جدید افغانستان میں اپنی عزت و احترام اور قدر و منزلت کو بھی باقی رکھے ہوئے ہیں۔

وزارت تعلیم کے بڑے بڑے ذمہ داران اور عمدہ داران ان کا احترام کرتے ہیں، اور مولانا کو ان کا اعتماد حاصل ہے۔

قوم میں علماء کے اثرات کی روز افزوں کمی اور اس کے نتائج

افغانستان کچھ دنوں قبل علما اور مشائخ کا ملک تھا، اور اس حد تک علماء کے زیر اثر تھا کہ دوسرے شرقی ممالک میں اس کی مثال نہیں ملتی، کسی بھی شخصیت یا حکومت کے لئے علماء کی تصویب و تائید اسی طرح ان کی ناراضگی و ناپسندیدگی کی بڑی قیمت تھی، اور اس کے دور رس اثرات مرتب ہوتے تھے، اور حکومت اور قوم دونوں کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت تھی، علماء کے نعرہ جہاد جس کو وہ عام طور پر "غزاً" کہتے تھے، کی صدائے بازگشت سے شہر قصبات اور دیہات گونج اٹھتے اور وہ عوام و خواص کے دلوں اور دماغوں میں نشہ پیدا کر دیتا، انگریزوں سے جنگ، ملک کی آزادی و استقلال، حفاظت، دینی و ملی غیرت کے نفاذ، بہت سے اسلامی اخلاق و آداب پر قائم رہنا اور اسلام دشمن تحریکوں اور عقولوں کا مقابلہ انھیں علماء کے اثرات کا رہن منت ہے، اور شاید افغانستان میں شرعی عدالتوں اور اسلامی قوانین کے باقی رہنے کا بھی یہی سبب ہے، جبکہ اکثر اسلامی ممالک میں ان کا خاتمہ ہو گیا ہے، اور بلاشبہ افغانی حکومت اس مسئلہ میں مبارک باد کی مستحق ہے۔

ابھی کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے کہ سیکڑوں افغانی طالب علم ہمارے یہاں ہندوستان کے بڑے بڑے مذہبی مدارس اور خاص طور سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے، کیوں کہ افغان بھی ترکوں کی طرح سو فی صدی سنی حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، لیکن یہیں اس دورہ سے اندازہ ہوا کہ اب وہ نسل ختم ہو چکی ہے، یا ختم کے قریب ہے۔

زمانہ کی رفتار اور حالات کے انقلاب کے ساتھ ساتھ علمائے اپنا اثر و نفوذ بھی بہت کچھ کھودیا ہے، اس میں حکومت کے مدبرانہ طرز عمل کا بھی بڑا دخل ہے اور یہ بات اس کے حق میں جاتی ہے، حکومت نے گذشتہ تجربات سے یقیناً سبق حاصل کیا ہوگا، اس نے دیکھا کہ علماء امیران الشرفاء کے خلاف کھڑے ہو گئے، تو ان کے خلاف بغاوت ہو گئی، یہاں تک انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، اور شاید علامہ اقبال کی بیان کردہ اہلیس کی وہ حکیمانہ وصیت بھی ارباب حکومت کے علم میں آئی، جس میں اس نے اپنے مطیع و فرمانبردار رہنماؤں سے کہا ہے۔

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے عیلاج

ملا کو اس کے کوہِ زردمن سے نکال دو!

چنانچہ اب یہ دینی غیرت اور افغانی خودداری محسوس حد تک کم ہو گئی ہے، افغانی معاشرہ میں زبردست تغیرات رونما ہوئے اور قوم ان کو ہضم کر گئی، ان میں کوئی حرکت نہیں پیدا ہوئی، وہاں بے پردگی کا سیلاب آگیا، مغربی تہذیب کی تقلید اور فرنگیت عام ہو گئی، اور وہاں کی زندگی میں کوئی حرکت یا کوئی اضطراب نہیں پیدا ہوا، اس وقت افغانستان ہیلیوں کا بہت بڑا مرکز بنا ہوا ہے، کیونکہ حشیش اور دیگر نشیلی اشیاء وہاں بافراط ملتی ہیں، ہم نے خود ان کی بڑی تعداد کو دیکھا وہ جہاز پر ہمارے ساتھ تھے، کابل میں اترے اور ادھر ادھر پھیل گئے، قوم کے اخلاق اور اختلاط دوزن پر پڑنے والے ان کے اثرات صاف ظاہر ہیں، لیکن یہ تمام باتیں اب وہاں کوئی محسوس کی جانے والی ناپسندیدگی یا بے چسپی نہیں پیدا کرتیں اور یہ دینی غیرت اور اسلامی نخوت کے زوال ہی کی دلیل ہے، اس کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ قیادت علماء کے ہاتھوں سے نکل کر سیاستدانوں کے ہاتھوں میں

چلی گئی ہے، جو ہر معاملہ کو اقتصادیات اور سیاست کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور صورت حال کے سامنے سر جھکا دینا ہی تحقیقت شناسی کا تقاضا سمجھتے ہیں۔

میں نے سنا کہ ہرات اب تک علم و علما اور مدارس و مساجد کا شہر ہے، وہاں اب بھی علم دین اور علماء بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، اور صلاح و تقویٰ کے آثار موجود ہیں، شدید فحشاہش کے باوجود میں اس تاریخی شہر اور دینی علمی مرکز کی زیارت نہیں کر سکا یہاں سے بہت سے علماء و مصلحین پیدا ہوئے، مثلاً مشہور عارف و محقق امام عبدالشہ انصاری جن کی کتاب "منازل السائرين" کی شرح میں علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب "مدارج السالکین" لکھی، اور مشہور محدث، فقیہ اور محقق علامہ نور الدین علی بن سلطان چھ جو ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہیں۔ (م ۱۴۰ھ)۔

کابل میں مجددی خاندان

دارالسلطنت اور اس کے مضافات میں قدیم علماء و مشائخ کے خانوادہ کے کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں، اور درس و تدریس، اصلاح و ارشاد اور دعوت الی اللہ میں مشغول ہیں، کابل کے مضافات میں مجددی بزرگوں کی ایک خانقاہ "قلعہ جواد" کے نام سے مشہور ہے، اس کے بعض مشائخ کی شہرت افغانستان کے حدود سے باہر تک پھیلی ہوئی تھی، اسی خانوادہ کے ایک بزرگ نور المشائخ شیخ فضل عمر مجددی تھے، جو شیراز کے نام سے مشہور تھے، ان کے مریدوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، جو ہندوستان و پاکستان تک پھیلے ہوئے تھے، ان کے بھائی شیخ محمد صادق مجددی، مشرق وسطیٰ میں افغانستان کے

۱۵ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ میں انتقال ہوا، رقم الحروف نے لاہور اور کراچی میں ان کی زیارت کی ہے۔

سابق سفیر اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن اپنے علم و صلاح و تقویٰ اور اسلامی سائل سے دلچسپی کی وجہ سے عرب ممالک میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، اس عوامی تحریک میں ان دونوں بھائیوں نے مرکزی اور قائدانہ کردار ادا کیا تھا، جس کے نتیجے میں امیر امان اللہ شاہ کو تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا اور نادر شاہ تخت نشین ہوئے۔ ہم نے قلعہ بچواد کی بھی زیارت کی اور دیکھا کہ خانقاہ طالبین و معتقدین سے بھری ہوئی ہے، مسجد نازیوں سے آباد ہے، اور مدرسہ میں طلبہ کی کثیر تعداد تحصیل علم میں مصروف ہے، حضرت نورالمنار کے خلیفہ اور ان کے صاحبزادے شیخ محمد ابراہیم مجددی کئی بار ہمارے ہونٹ تشریف لائے اور ہم لوگوں پر بڑا کرم فرمایا، اسی طرح اس خاندان کے اور بھی بزرگوں مثلاً شیخ عبدالسلام مجددی وغیرہ سے ملنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور برادر عزیز صبنۃ اللہ مجددی کو تو ہم بھول ہی نہیں سکتے، ان کی نوعمری ہی میں ۱۹۵۱ء میں ان سے قاہرہ میں تعارف ہوا تھا، اسجد اقصیٰ میں ان کے دادا شیخ محمد صادق مجددی کی خلوت گاہ میں چند دن گذرے تھے، کابل میں ان سے کئی ملاقاتیں ہوئیں، لمبی لمبی نشستیں رہیں، خوب خوب باتیں ہوئیں اور بیٹے دنوں کی یاد تازہ کی جبکہ مسلمان زیادہ باعزت تھے، اور ہمارے اعمال نامے زیادہ پاکیزہ اور روشن تھے، شیخ صبنۃ اللہ مجددی افغانستان جمعیتہ العلماء کے بانی اور اس کی مجلس تاسیسی کے رکن ہیں، بعض وزراء کے زمانہ میں عقیدہ و ایمان میں پختگی اور دعوت اسلامی کی وجہ سے انھیں سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا ہے، اسی طرح بزرگ و محترم دوست شیخ محمد صادق مجددی کے صاحبزادے شیخ محمد ہاشم مجددی بھی بہت مانوس ہو گئے تھے، اور ان سے بڑی مفید معلومات حاصل ہوئیں، یہ دونوں وزارت تعلیم سے متعلق ہیں۔

چند اور علمی و دینی شخصیتیں

مجاہد کبیر مولانا سیف الرحمن ٹونکی مہاجر کابل کے صاحبزادے مولوی عبدالعزیز اور ان کے بھتیجے مولوی عزیز الرحمن کی ملاقات سے بھی بڑی مسرت ہوئی کہ مسجد چشتی کے امام مولوی غلام ربانی سے بھی ملاقات کا موقع ملا یہ دارالسلطنت کی سب سے بڑی جامع مسجد ہے، اور امام صاحب بڑے دلچسپ اور خوش اخلاق آدمی ہیں، اسی طرح دارالعلوم کے شیخ الحدیث مولوی محمد گل کی خدمت میں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، افسوس ہے کہ بعض اور بزرگوں کے نام یاد نہیں رہے، انتہائی مشغول پروگرام اور مسلسل آمد و رفت میں لوگوں کے نام نوٹ کرنے اور یادداشت لکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

لے مولانا سیف الرحمن صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے، اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان کا رخ کیا، علوم ریاضی کی تعلیم مولانا ناطف اللہ علی گڑھی اور حدیث کی تحصیل مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے کیا، سالہا سال ریاست ٹونکی میں مدرسہ ناصر میں تدریس کی خدمت انجام دی، اور وہیں سکونت اختیار کر لی کچھ عرصہ فتح پور میں بھی مدرس رہے، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے خصوصی تعلقا تھے، اور وہ ان کی مجاہدہ تحریک کے خاص مددگار تھے، مولانا نے اسی مقصد کے ماتحت ہندوستان سے ہجرت کی، اور سرحد کے مشہور مجاہد حاجی ترنگزی کی قیادت میں انگریزوں سے جنگ کی، اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد وہ کابل ہجرت کر گئے، جہاں وہ بعض اہم مناصب پر فائز رہے، پاکستان بننے کے بعد وہ پشاور واپس آ گئے، ۱۳۶۹ھ کو اپنے گاؤں مٹھرا نوس و فات پائی، جو پشاور کے شمال میں واقع ہے، مولانا بڑے عالی ہمت، بلند نگاہ، ذہین و ذکی عالم تھے، انگریزوں کی دشمنی میں بہت بڑھے ہوئے تھے، ہندوستان میں ان کے شاگردوں کی اچھی تعداد تھی۔

کابل کی جامع مسجد میں

کابل میں ہمیں ایک ہی جمعہ مل سکا، اور وہ ہم نے جامع مسجد پلخشتی میں ادا کیا، اس میں سعودی سفیر بھی تشریف لائے مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی کھٹی، یہاں کے رسم کے مطابق ہم نے اور شیخ احمد محمد جمال نے نماز جمعہ سے پہلے تقریریں کیں، میں نے اپنی تقریریں مشہور حدیث:-

بدأ الاسلام غريبا وسعود غريبا اسلام کا آغاز عالم سبکی سے ہوا، اور پھر
مکابداً فطوبى للغرباء۔ عالم سبکی میں پہنچ جائے گا تو بکیوں کو مبارکباد
کی تشریح کی اور تشریح کے دوران قدیم ترین اسلامی ممالک کو درپیش مصائب و مشکلات کی
جانب بھی لطیف اشارہ کرتا جا رہا تھا کہ دین و مذہب جن کے رگے ریشہ میں سرایت کر گیا تھا
وہ بھی اس وقت عقیدہ و ایمان کے سخت امتحان سے گزر رہے ہیں، اور ان کی جان کے لئے
پیسے ہوئے ہیں، دوسری قوموں کی تقلید اور اسلام بیزاری کے رجحانات نے ان ممالک پر
دھاوا بول دیا ہے، دوران تقریر اچانک ایک صاحب نے مسجد کے ایک گوشہ میں زور سے
نعرہ لگایا اور ان کو حال آگیا، اس سے عالم اسلام کی موجودہ صورت حال پر غیرت مند مسلمانوں
کے رنج و غم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اتاذ احمد محمد جمال نے حدیث "اندرون من المفلس"..... احادیث اور
"الدنيا سوق قامت ثم انقضت"..... احادیث کی تشریح کی۔

آثار قدیمہ اور باغات

آثار قدیمہ میں سے ہم نے ہندوستان میں نخل سلطنت کے اولوالعزم بانی ظہیر الدین بابر

کی قبر کی زیارت کی، وہ ایک خوبصورت مقام پر گھنے باغ کے درمیان کابل کے قریب ہی ہے۔ بابر کو کابل بہت پسند تھا، تو اٹھرنے اس کی آخری آرام گاہ کے لئے کابل ہی کو منتخب کیا، ہم پیمان کا مشہور باغ بھی دیکھے گئے، وہ صحیح معنوں میں دنیا کے مشہور اور بڑے باغات میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، ہولانا سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ اسی انداز پر کشمیر اور لاہو کے شالار باغ لگائے گئے ہیں، یہ سب ہی مختلف تختوں اور روشوں میں منقسم ہیں، کاریز میر باغ بھی دیکھا یہ بہت لمبا چوڑا اور گھنا باغ ہے، پانی وافر ہے، درخت گھنے ہیں، اور سیچ سیچ میں پختہ سڑکیں ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کے دارالسلطنت میں

ہمارا یہ دورہ کابل اور اس کے مضافات کے اداروں شخصیتوں اور تعلیمی و ثقافتی مراکز تک محدود تھا، کیوں کہ وقت کم تھا اور پروگرام بہت، لیکن میں نے وزیر تعلیم اور ان کے سکریٹری سے درخواست کی کہ ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا اٹھانے اور اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے والے، سکندر اسلام، امین الدولہ، غازی سلطان محمود غزنوی کے دارالسلطنت "غزنی" کی زیارت کی بھی اجازت دیں، جہاں تہذیب و تمدن، علوم و فنون اور شعر و ادب کی نئی تاریخ وجود میں آئی، جو چوتھی صدی ہجری کے آخری اور پانچویں صدی کے ابتدائی ایام میں ترقی اور عظمت و شان میں اندلس کے قرطبہ اور غرناطہ کی بلند یوں تک پہنچ چکا تھا، اور اب عالیشان محلات بازاروں، آبادی کی کثرت اور جدید تمدن کے مظاہر سے زیادہ تاریخوں، کہانیوں، کھنڈرات اور نکتہ درو دیوار میں زندہ ہے، اگر میں محمود غزنوی اور حکیم سنائی کا شہر نہ دیکھ سکا، اور اپنے ملک لوٹ گیا تو میرا دورہ افغانستان نامکمل رہ جائیگا

اور ایک دیرینہ تمنا دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گی، وزیر تعلیم نے میری تجویز بڑی خوشی سے منظور کر لی، اور نائب وزیر تعلیم نے غزنی کے حاکم شہر اور محکمہ تعلیم کو وفد کے استقبال کی ہدایتیں دیں اور تاکید کی کہ باخبر رہنا اور آثار قدیمہ کے ماہر ساتھ کر دے جائیں، جو شہر کے قدیم آثار تاریخی مقامات دیکھنے میں مدد دے سکیں۔

علمی و تمدنی تاریخ میں غزنی کا حصہ

سنچر ۹ء جون کی صبح کو ہم غزنی کے لئے روانہ ہوئے، وہ کابل سے ۱۲۰ کیلو میٹر (۷۵ میل) کے فاصلہ پر ہے، وہاں حاکم شہر اور وزارت تعلیم کے افسران نے ہمارا استقبال کیا تجربہ کار اور باخبر رہنما اور محکمہ آثار قدیمہ اور کھدائی میں کام کرنے والے چند افراد کو ہمارے ساتھ کر دیا، اور ہم فوراً پرانے شہر کی طرف ہوئے، وہ موجودہ شہر سے مشرقی جانب چند کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، یہاں اب صرف کھنڈر اور شکستہ درو دیوار رہ گئے ہیں، یہاں کسی زمانہ میں غزنوی سلطنت کا دارالسلطنت تھا، جو اس وقت آبادی کی کثرت شہر کی وسعت اور تمدن کی ترقی میں عالم اسلام کے سب سے بڑے مرکز اور سلطنت عباسیہ کے پایہ تخت دارالسلام بغداد کا مقابلہ کر رہا تھا، اور پوری دنیا سے اہل فضل و کمال، علم و ادب کے ماہرین، نادرہ کار و دستکار و مہار، فصیح و بلیغ شعرا، تبحر علماء و محققین اولیاء صلحاء، ذہین و ذکی اور حاضر جواب درباری، حاذق اطبا اور تجربہ کار جنگ جو اور فاتحین اس کی طرف اس طرح کشاں کشاں چلے آ رہے تھے، جیسے لوہے کے ٹکڑے مقناطیس کی طرف کھینچتے ہیں، یہاں کے بازار نئی مصنوعات سے بھرے ہوئے تھے، مشہور ممالک سے مال غنیمت وہاں کی قیمتی اور نایاب اشیاء اور نفیس ترین ساز و سامان

اس طرح وہاں پہنچ رہا تھا، جیسے ندی نالوں کا پانی سمندروں میں گرتا ہے، اس کی وجہ سے وہاں ایسی چیزیں جمع ہو گئی تھیں، جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں آتیں۔

آستانہ غزنوی سے وابستگان و متوسلین میں بدیع الزماں ہمدانی جیسے ادیب شاعر، ابوریحان البیرونی جیسا ریاضیات و فلکیات کا امام، الافانی شاعر فردوسی اور اس کے علاوہ عسجدی، عنقری، اسدی، غضاری، قرظخی، منوچھری جیسے ممتاز فارسی شعرا شامل تھے، سلطان جن شعرا کی کفالت کرتے تھے، ان کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے۔

غزنی کی بربادی

غزنی پوری ایک صدی تک شان و شوکت اور تمدن کی بلند یوں پر رہا، بہم و رجا، امر و نہی اور نفع و ضرر کا اصل مرکز بنا رہا یہاں تک کہ ابھرتے ہوئے عالی ہمت غوری خاندان (جس میں بعد میں شہاب الدین غوری جیسا مجاہد پیدا ہوا) کے پے در پے حملوں کا شکار ہو گیا اس خاندان کا ایک فرد — علاء الدین حسین بن سن — اپنے زمانہ کے غزنوی حکمران بہرام شاہ سے خار کھائے ہوئے تھا، کیونکہ بہرام نے اس کے بھائی سیف الدین کو سولی پر چڑھایا تھا، چنانچہ اس نے غزنی پر فوج کشی کی، غزنویوں کو شکست دے کر شہر میں داخل ہوا اور تین دن تک لوٹ مار کا بازار گرم رکھا، شہر میں آگ لگوادی جو پورے شہر میں پھیل گئی، اور خشک و تر سب جل کر رکھ ہو گیا، اسے گلہ از شہر کھنڈ میں تبدیل ہو گیا، اور علاء الدین جہاں ہوز کے لقب سے مشہور ہوا، یہ ۵۴۷ھ کا واقعہ ہے، اللہ نے سچ کہا ہے إِنَّ كَارِضَ دِلَّةٍ يُجْزِي نَهْمًا مِّنْ بَيْتَاءَ (زمین اللہ ہی کی ہے، جسے چاہتا ہے، اس کا والی و وارث بناتا ہے)

لہ لافظ ہو البدایہ و النہایہ - جلد ۱۲

ان کھنڈرات سے گذرتے ہوئے ابو العلاء معری کے یہ اشعار ہمارے ورد زبان تھے۔

خفت الوطن ما أظن اذ يم الأ
رضي إلا من هذه الأجساد
وقبم بنا وان قدم العهد
هوان الآباء والأجداد
سمران استطعت في الهدوء وبيدا
لا اختيا لعل رفات العباد
(زمین پر چلنے والوں! ذرا آہستہ چلو، کیوں کہ میرے خیال میں روئے زمین ان خفتگان خاک کے
جسموں کے علاوہ کچھ بھی نہیں، آبا و اجداد کو زیر زمین گئے ہوئے اگرچہ ایک زمانہ گزر چکا ہے
پھر بھی ان کی توہین و تذلیل کوئی اچھی بات نہیں، اگر ہو سکے تو ان فضائوں میں ہلکے قدموں
چلو، اللہ کے بندوں کی بوسیدہ ہڈیوں پر سپر سکتے ہوئے تو نہ چلو۔)

وہاں کھدائی میں بعض ایسی عمارتوں کے آثار بھی ملے ہیں، جن کی تاریخ سلطان مسعود بن
عمود اور ان کے بعد کے لوگوں تک پہنچتی ہے، کھدائی کا کام ابھی جا رہی ہے، اور بعض ماہرین
نے بتلایا کہ کہیں دس سال میں اس مدفون اور تباہ شدہ شہر کے آثار سامنے آسکیں گے۔

حکماء، حکام، زاہدوں اور شہنشاہوں کے مزارات پر!

حکیم سنائی کی قبر پریم لوگ تھوڑی دیر ٹھہرے ان کے لئے دعا کی اور فاتحہ پڑھی

لے حکیم سنائی کا نام مجدد تھا، اور کنیت ابوالمجدھی، بہرام شاہ غزنوی کے زمانہ کے ہیں، سن وفات میں اختلاف
ہے ۵۲۵ھ، ۵۲۶ھ اور ۵۴۶ھ کی مختلف روایتیں ہیں، فیضوفانہ شاعری میں صفت اول کے شاعر میں
شمار کئے جاتے ہیں، سب سے پہلے انہی نے حسن اخلاق، تہذیب نفس اور انسانیت کی عظمت و افتخار کو موضوع سخن
بنایا اور اس پر زور دیا، جوش، ہوس، برستی اور اثر انگیزی ان کے کلام کا امتیاز ہیں۔

یہاں یاد آ گیا کہ علامہ اقبال نومبر ۱۹۳۳ء میں ان کی قبر پر آئے تو وہاں پھوٹ پھوٹ کر بوسے اور اسی سے متاثر ہو کر اپنا بلند پایہ قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے

سہا سکتا نہیں پنہائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا

اور اس کا آخری شعر ہے

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

ہم نے چند اولیاء اللہ اور صالحین مثلاً سید بہلول دانا، سید علی لالا، خواجہ بلغار، اور شمس العارفین کے مزارات کی زیارت بھی کی۔

مجاہد اسلام، فاتح ہندوستان سلطان محمود غزنوی کی قبر پر بھی جا حاضری دی جن کے لئے بڑی بڑی فوجوں کی قیادت، دوسرے ممالک میں دور تک بے خطر گھسنے چلے جانا۔ پے در پے حملے اور جنگیں ایسی بے حقیقت اور آسان تھیں، جیسے آج کے نوجوانوں کے لئے پک ناک یا صبح و شام پہل قدمی انھوں نے ہندوستان میں اسلام کے قدم جما دیئے اور مسلم حکومت کی بنیادیں مستحکم کر دیں، جو مختلف خاندانوں کی شکل میں تقریباً آٹھ سو سال تک باقی رہی، ہم مزار شاہی پر تصویر حیرت بنے کھڑے رہے، یہاں وہ شیر سوراہے جس کی سہیبت سے افغانستان و ہندوستان کے بادشاہوں اور سپہ سالاروں کی نینداڑ جاتی تھی، آج وہ خود موجود خوب ہے، محمود کے درباری شاعر فرخنی نے اس کی موت پر چودل دوز مرثیہ کہا تھا، اس کے یہ چند شعر صورت حال کی پوری تصویر لے یہ قصیدہ اقبال کے مجبورہ کلام بال جبریل کے ابتدائی قصائد میں شامل ہے اور اس کی مختصر تشریح اور عمومی تبصرہ اقبال غزنی میں کے عنوان سے نقوش اقبال میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کھینچتے ہیں۔

خیز شاہا کہ رسولان شہاں آمدہ اند
 ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نشار
 کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا
 خفتی خفتی، کہ خواب نگر دی بیدار
 خفتن بسیار اے خواجہ خوسے تو بنود
 بیچ کس خفتہ ندید است ترازیں کردار
 (ترجمہ) اے بادشاہ اٹھ! بادشاہوں کے قاصد آئے ہیں، جو کثرت سے
 ہر قسم کے ہدیے اور تحفے لائے ہیں۔

کس کی طاقت ہے کہ تجھ کو اس نیند سے جگا سکے، تو ایسی نیند سو گیا کہ اب پھر
 نہ جاگے گا۔

اے آقا! دیر تک سونا تو تیری عادت نہ تھی، کسی نے اس طرح تجھ کو سوتے
 نہ دیکھا تھا۔

عبرت کا مقام

میں اس دورہ سے شکستہ خاطر اور ملول و غمگین لوٹا، اللہ کی عظمت اور اس کی ابدیت پر
 ایمان مزید مستحکم ہو گیا، اور انسان کی کمزوری اس کی کوتاہ نظری اور مظاہر سے فریب خوردگی پر
 یقین تازہ اور نچینہ ہو گیا۔ بڑے بڑے دارالسلطنتوں سے اعتماد اٹھ گیا، جو آج آبادی کی کثرت
 لے ترجمہ ماخوذ از "شعرا بجم"

عمارتوں کے استحکام اور بنیادوں کی مضبوطی پر ناز کرتے ہیں اور جن پر ان کے سربرہاں وہاں کے بسنے والوں اور ان سے متاثر و مرعوب ہونے والوں کو بڑا اعتماد ہے، اسی طرح بڑی کن بان کروفر، شان و شوکت، الاؤ لشکر، علم و فن، اثر و اقتدار مضبوط قلعوں، محفوظ برجیوں، عالی شان عمارتوں اور بڑے بڑے کارخانوں والے طاقتور اور وسیع و عریض ممالک پر سے بھی عقیدہ اٹھ گیا میں نے سوچا کہ بغداد، غزنی، قرطبہ، غرناطہ، سمرقند اور بخارا کی تباہی و بربادی کے بعد ان موجودہ دارالسلطنتوں، شہروں، تہذیب و ثقافت کے مرکزوں اور ان حکومتوں کی کیا ضمانت دی جاسکتی ہے، بادشاہوں کے جاہ و شہم کے اس انجام کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سب بچوں کا کھیل اور ایسٹج کی نقالی ہے۔

سرورِ زبیا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے

حکراں ہے بس وہی باقی بتان آذری

اللہ نے سچ کہا ہے "وَتِلْكَ آيَاتُ مَا نُنذِرُ لَهَا بَيْنَ النَّاسِ"

بیش قیمت کثیر معلومات، مشاہدات اور گونا گوں تاثرات و احساسات لئے ہم واپس آگئے، گیسٹ ہاؤس میں دوپہر کا کھانا کھایا، تھوڑی دیر آرام کیا، اور ظہر کی نماز ادا کی، موجودہ شہر کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اب یہ صرف دس ہزار سے پندرہ ہزار کی آبادی پر مشتمل ایک قصبہ رہ گیا ہے، کہاں یہ چھوٹا سا قصبہ اور کہاں وہ عظیم الشان شہر؟ رہے نام اللہ کا، رات اور دن کا الٹ پھیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور گردش روزگار اسی کا تابع فرمان!

ملک محمد ظاہر شاہ اور سردار داؤد خاں

امید تو یہ تھی کہ وفد کو شاہ سے بھی ملاقات کا موقع دیا جائے گا، رابطہ عالم اسلامی کے

و فوراً جن ممالک کے دورے کئے وہاں کے بادشاہوں یا سربراہان مملکت سے ملاقاتیں کیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ تشریفات کے ذمہ داروں نے اسے پسند نہیں کیا، ہم نے ناکرا شاہ کو بالکل اخیر میں وفد کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے کہا کہ پہلے سے کیوں نہیں بتلایا گیا جب وقت میں گنجائش تھی؟ شاہ قوم سے بالکل الگ تھلگ اپنے محل میں زندگی گزارتے ہیں، باہر بہت کم نکلتے ہیں، دوسرے ممالک کے بعض مسلمان بادشاہوں کی طرح ان کی زندگی قومی اور عوامی بالکل نہیں، سعودی سفیر شیخ محمد شعیبی نے بتلایا کہ انھوں نے شاہ کو صرف ایک بار دیکھا ہے جبکہ انھوں نے اپنے اسناد سفارت پیش کئے تھے۔

میں نے اپنے دوستوں سے پوچھا کہ مغربی تہذیب کے خول اور اس کا جذبہ اہری چمک مک کی طرف ملک کے بے تحاشا بھاگنے، افغانی عورت کے بے پردہ ہونے اور ملک کے پورے طور سے کمیونسٹ بلاک میں شامل ہونے کے پس پردہ کس کا ذہن کا فرما ہے؟ تو ان لوگوں نے شاہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی سردار محمد داؤد خاں کا نام لیا، ہم پچان گئے تو لوگوں نے ان کے محل کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ یہاں ایک مذہبی مدرسہ تھا، داؤد خاں نے دوسری جگہ منتقل کرادیا، اور خود وہ جگہ اپنے محل کے لئے منتخب کر لی، میں نے محسوس کیا کہ مذہبی رجحان رکھنے والے اور دین پسند لوگ ان کے رجحانات اور سرگرمیوں کو پسند نہیں کرتے، یہ بھی معلوم ہوا کہ تحریک پختونستان کے اصل روح رواں اور سب سے زیادہ سرگرم و پرجوش رہائی یہی ہیں۔

لہٰذا کابل سے گئے ہوئے صرف پانچ ہفتے ہوئے تھے، اور ہم لوگ کہہ رہے تھے کہ اچانک کابل میں انقلاب کی خبر ملی، شاہ سرکاری دورہ پر آئی گئے ہوئے تھے، ان کا عدم موجودگی میں فوج نے ان کو بغیر قوت کر دیا، معلوم ہوا کہ اس انقلاب کے بانی بانی سردار محمد داؤد خاں تھے اور وہی سب سے پہلے صدر جمہوریہ منتخب کئے گئے۔

مسلم ممالک کی ذمہ داری

کیونکہ دنیا یا لاڈنیت کی گود میں پناہ لینے، مغربی تہذیب اور اس کے مظاہر پر پٹوٹ پڑنے اور مغربی قوموں کی ہمبر کابی اختیار کرنے کی ذمہ داری صرف افغانستان ہی پر نہیں، بلکہ افغانستان کے ساتھ ہی پورا عالم اسلامی اس سے بری نہیں ہو سکتا، سب جانتے ہیں کہ افغانستان کے ذریعہ آمدنی محدود ہیں، یہ کثیر وسائل، معدنی دولت یا سیال سونے والا کوئی سرمایہ دار ملک نہیں، اس کے پاس کوئی بندرگاہ نہیں، جس کی وجہ سے درآمد برآمد کی آزادی سے بھی محروم ہے، ملک کی معاشیات کی بنیاد خشک میوہ جات، بھیرکے اون اور اس کی کھالوں کی برآمد ہونے والی محدود آمدنی پر ہے، اور فطری طور سے وہ اچھی مالی دشواریوں پر قابو پانے اور ترقیاتی، تعلیمی اور دفاعی منصوبوں کے لئے ایسے ترقی یافتہ اور دولت مند ممالک سے امداد طلب کرنے پر مجبور تھا، جن کے پاس دولت کی فراوانی اور برآمدی مصنوعات کا وافر ذخیرہ ہے۔ اگر اللہ نے بڑے اور دولت مند اسلامی ممالک کو توفیق دی ہو تو کہ وہ افغانستان کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاتے اور اس کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے مدد دیتے تو اسے بڑی طاقتوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی بلکہ اپنے اسلامی کردار کی حفاظت کرتا اسے مزید فروغ دیتا، پورے عالم اسلامی کو مدد دیتا، اس کی قوت و طاقت اور عزت و سربلندی کا سرچشمہ ثابت ہوتا، اور اسلامی غیرت اور دینی جوش و جذبہ سے ملال مال یہ قدیم مسلم قوم فکری تہذیبی حلوں کا شکار ہونے سے محفوظ رہ جاتی۔

لیکن افسوس ہے کہ دولت مند مسلم ممالک ترقی پذیر ممالک کی امداد و تعاون سے اب تک غافل ہیں، سویت روس اور سرخ چین صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے لئے

سامنے آگئے، افغانستان کے منصوبوں کی تکمیل اور ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے گراں قدر امداد کی پیشکش کی، لازمی بات تھی کہ فکری، ثقافتی اور سیاسی تمام میدانوں میں اس امداد و تعاون کا موافق رد عمل سامنے آنا، چنانچہ افغانستان زندگی کے تمام شعبوں میں انہی ممالک کے تعاون سے فائدہ اٹھانے لگا۔

افغانستان علمی اور ثقافتی اعتبار سے عالم اسلام سے بالکل الگ تھلگ رہا، مگر سیاسی اسباب کی بنا پر ہمسایہ مسلم ملک پاکستان سے اس کے تعلقات کشیدہ رہے، راستہ میں پاکستان کے حائل ہونے کی وجہ سے ایک بڑے تہذیبی مرکز ہندوستان سے الگ رہا، مجبوراً اسے قدیم علمی ورثہ پر قناعت کرنا پڑا، جدید علمی و دینی سرگرمیوں اور پیش رفت سے اس کا مضبوط اور براہ راست تعلق قائم نہیں ہو سکا، اور اگر مصر اور اس کا جامع ازہرنہ ہوتا (جہاں آج بھی افغانی نوجوان جاتے ہیں، اور فیض حاصل کرتے ہیں) اور مصر میں قیام کے دوران ادب اسلامی اور فکر اسلامی کے جدید افکار و رجحانات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں) تو اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی تحریکوں سے افغانستان کا تعلق بالکل ہی منقطع ہو جاتا اور وہ آہنی دیوار کے پیچھے بہت ہی تنگ اور محدود دائرہ میں زندگی گزار رہا ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اس وقت جو بھی پختہ فکر و خیال کے نوجوان نظر آتے ہیں، وہ ازہر ہی کے تعلیم یافتہ ہیں، اور مصر میں ایک عرصہ تک قیام کر چکے ہیں۔

لے باخبر لوگوں سے معلوم ہوا کہ افغانستان نے اول اول امریکہ سے امداد کی درخواست کی تھی، لیکن اس نے حد سے زیادہ پس ماندگی کا غدار کر کے امداد سے انکار کر دیا، روس اس موقع سے فائدہ اٹھایا، اور امداد کیلئے پہنچ گیا، اسی طرح امریکہ نے اور بھی مشرقی ممالک کو ردی بلاک میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔

سعودی سفارت خانہ کی طرف سے اعزازی دعوت

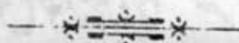
افغانستان میں سعودی عرب کے سفیر شیخ محمد احمد اشبیلی نے ہٹول کابل میں۔ جہاں ہم مقیم تھے۔ وفد کے اعزاز میں انوار ۹ جون کی رات کو ایک پرتکلف عشاء دیا مقصد یہ تھا کہ شہر کے معزز و ممتاز افراد سے ملاقات و تعارف ہو سکے، اس میں کابل میں مقیم عرب ممالک کے تقریباً تمام سفراء، افغانی کابینہ میں شامل چند وزراء، کابل کے گورنر شاہی خاندان کے بعض افراد، کابل یونیورسٹی کے پروفیسر، دیگر علماء و مشائخ، سفارت خانوں سے متعلق بعض عرب عیسائی فضلا اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات مدعو کئے گئے تھے، محترم سفیر نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں مہمانوں کا استقبال کروں، ان سے خطاب کروں اور موقع کی مناسبت سے وفد کے احساسات اور اس کے پیغام کی وضاحت کروں، حسب توفیق الہی اپنی باتیں پیش کریں اور سبھی شکر یہ ہی پراکتفا نہیں کیا، بلکہ اس قیمتی اور ہر صاحب دعوت انسان کے لئے یادگار موقع سے فائدہ اٹھایا، اس گفتگو میں شکر و سپاس اور جذبات و احساسات کے اظہار کے ساتھ بعض اس سے زیادہ اہم نتیجہ نیز اور مفید باتیں بھی شامل تھیں، اپنی یادداشت پر اعتماد کر کے بعد میں یہ تقریر لکھوادی اور چند صفحات کے بعد قارئین کی نظر سے گزرے گی۔

سیرے بعد استاذ احمد محمد جمال کھڑے ہوئے اور مختصر مگر جامع اور مبلغ تقریر کی، افغانی قوم اور حکومت کی جانب سے وفد کے استقبال، مہمان نوازی اور پر خلوص توجہ کا شکر یہ ادا کیا، اسی طرح دعوت قبول کرنے والے مہمانوں کا شکر یہ ادا کیا، رابطہ عالم اسلامی کے اغراض و مقاصد واضح کئے، اتحاد اسلامی کے لئے شاہ فیصل کی مراسمی جیسلمہ کا تذکرہ کیا، اور تبلیغ اسلام اور شہادت حق کے لئے علماء کی ذمہ داریاں

بیان کریں۔

پھر لوگ شام کے کھانے سے فارغ ہو کر مشکور و مسرور اپنے گھروں کو لوٹ گئے،
یہ کابل میں آخری ملاقات تھی، اگلی صبح ۱۱ جون ۱۹۷۳ء کو ایران کی طرف سفر
کرنا تھا۔

یہاں کابل کی دو تقریریں شامل اشاعت کی جا رہی ہیں، جن کی طرف اشارہ
کیا جا چکا ہے، اور اب اگلی ملاقات تہران میں ہوگی۔



افغانی قوم کے انقلاب اور ان کی قوت کا سرچشمہ

(یہ تقریر کابل یونیورسٹی کے ہال میں اساتذہ اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور
سعودی سفیر کی موجودگی میں کی گئی، ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا)
حمد و صلوة کے بعد:-

محترم سفیر صاحب سعودی عرب، اڈالس چائنسلر، سربراہان شعبہ جاتا
اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ!

اس وقت میرا دل مسرت کے جذبات سے لبریز ہے کہ ان روشن اور تابناک
پہروں اور عزیز و محترم حضرات کے سامنے کھڑے ہونے کا زریں موقع نصیب ہوا،
عرصہ سے میرے دل میں یہ تینا کروٹیں لے رہی تھی کہ اس عزیز و محبوب ملک کو قریب سے
دیکھنے کی سعادت حاصل کروں جس کے بارے میں، میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا، بہت کچھ
پڑھ چکا تھا، اور میں کہہ سکتا ہوں۔ جیسا کہ بعض مواقع پر کہا بھی ہے۔ کہ اس کی تالیخ
میں، اس کے غزوات اور اس کی فتوحات کی داستانوں میں، میں نے زندگی گزارا ہے،

اس کی جینیس اور بقری شخصیتوں، فتح و ظفر سے بہرہ مند سوراؤں اور غیر معمولی افراد کے حالات و تراجم میں اپنی عمر کا بڑا حصہ من کیلے، جنہوں نے علم اور اسلام کے نور سے ان سر بفلک پہاڑوں کے اس پار ہندوستان اور اس کے پڑوسی ملکوں کو منور کیا، اس لئے سعادت و مسرت کا احساس نہ غیر فطری ہے نہ اس میں کوئی تعجب کی بات ہے، یہ ایک مسلمان کے دلی جذبات ہیں، جوان پہاڑوں کے دامن میں بسنے والے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کے وقت اہل رہے ہیں، چل رہے ہیں، دو گونہ مسرت اس پر ہے کہ آپ حضرات نے اس مجلس میں شرکت اور خطاب کا موقع عنایت فرمایا، میں اپنے دورہ افغانستان، اس ملاقات اور اس مجلس میں شرکت کا موقع دینے پر صمیم قلب سے آپ حضرات کا شکر گزار ہوں۔

محترم حاضرین! آپ حضرات اور خاص طور سے ادب اور تاریخ کا ذوق رکھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ افغانی قوم ان قدیم اقوام میں سے ہے جو سیکڑوں اور ہزاروں سال سے آزادی اور عزت و سر بلندی کی زندگی گزار رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے قدیم زمانہ ہی سے اسے غیر معمولی انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے، دوستو! میرا ذوق تاریخی رہا ہے اور میں اس کے اظہار میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا کہ تاریخ ہی کے مطالعہ و تحقیق میں میری عمر گزری ہے، یہی میرا محبوب ترین موضوع رہا ہے، میں اپنے تاریخی ذوق سے مجبور ہو کر آپ حضرات کے سامنے یہ سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ صدیوں تک افغانی قوم دنیا سے بالکل الگ تھنک رہی، دنیا میں گزرنے والے خیر و شر، نیک و بد، فتح و شکست اور ظلم و ستم سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، اس جسور و عجزور قیادت کی مستحق زندگی سے بھرپور،

دست و بازو کی طاقت اور جذبہ کی فراوانی سے بہرہ ور باصلاحیت اور باعزت قوم کے طویل عرصہ تک دنیا سے کنارہ کش رہنے، اپنے خول میں بند رہنے اور ایک گوشہ میں محدود رہنے کا راز کیا ہے؟ کیا اس عزت اور گوشہ نشینی کی وجہ یہ تھی کہ افغانستان اڑو دنیا کے دوسرے ممالک کے درمیان بلند اور دشوار گزار پہاڑوں کی ناقابل عبور دیوار حامل تھی؟ نہیں میرے دوستو! تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے برف پوش اور دشوار گزار پہاڑ کبھی بھی غازیوں اور اولو العزم فاتحین کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکے، آپ حضرات واقف ہیں کہ یہ ناقابل عبور اور تیج در پیج راستے جن میں انسان کی عقل جواب دے جاتی ہے، جو افغانستان کو ہندوستان اور پاکستان سے الگ کرتے ہیں، جب اللہ نے اس امت میں سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری اور احمد شاہ ابدالی جیسے صاحب عزم و ہمت پیدا کئے تو یہ اونچی اونچی چوٹیاں خطرناک گھاٹیاں اور یہ دشوار راستے اسلام کے سیل رواں کے سامنے حقیر تکے ثابت ہوئے۔

پھر کیا یہ قوم قید و بند کی زندگی گزار رہی تھی، اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں، بارہا یہ قوم اپنی شجاعت کے جوہر دکھائی تھی۔ اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکی تھی، لیکن اس کے باوجود سرسبز و شاداب چراگاہوں، مویشیوں اور زرخیز کھیتوں جیسے محدود وسائل زندگی پر قانع کیوں تھی؟ اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب اسلام اس علاقہ میں آیا تو اچانک یہ قوم ہزاروں سال کی نیند سے بیدار ہو گئی، اور اتنی لمبی پھلانگ لگائی جس کی دوسری قوموں میں مثال نہیں ملتی، اسلام کے زیر سایہ آتے ہی یہ لوگ سب سے

زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ بلند ہمت، دور میں، اور فلاحی عزائم کے مالک نظر آنے لگے، یہ قوم بزم کائنات میں شامل ہوئی تو ایسا معلوم ہوا، جیسے کوئی مدون خزانہ یا کوئی سرسبزہ راز تھا، جو اچانک منکشف ہو گیا، کیا ان کے جسموں سے بجلی کا کرنٹ چھو گیا تھا، یا کوئی جادو کی چھپڑی تھی جس نے آن کی آن میں اس قناعت شعرا، ٹھہری ہوئی پرسکون اور عزت گزین قوم کو غیور و جسور، ظفر مند اور رواں دواں قوم میں بدل دیا، کیا اس طوفانی ندی کے دہانے پر کوئی بڑی سی چٹان پڑی ہوئی تھی، جو اس کے زور اور روانی کو روکے ہوئے تھی؟

انفانیوں کی زندگی کے انقلاب کا حقیقی سبب اور اس کی شاہ کلید یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اسلام کی برکت سے تین بنیادی اور اہم جوہروں سے نوازا۔

۱۔ طاقتور پیغام اور اس کے اغراض و مقاصد۔

۲۔ نوع انسان، خارجی دنیا اور حقائق اشار کے بارہ میں وسیع نقطہ نظر۔

۳۔ اللہ کی مدد و تائید پر کامل اعتماد اور جدوجہد کے نتائج پر یقین۔

یہ وہ تین عناصر ہیں جن سے قوم کے کردار کی جدید تشکیل ہوتی ہے، اس کو نئی زندگی ملتی ہے، اور وہ نئی تاریخ بناتی ہے، اور اپنی مخفی طاقتوں اور نامعلوم وسوسوں سے دنیا کو حیران و ششدر کر دیتی ہے۔

پہلے اس قوم کے پاس کوئی پیغام یا کوئی بلند مقصد نہیں تھا، ایک چھوٹے سے علاقہ تک محدود تھی، اپنے جانوروں اور مویشیوں میں گن رہتی تھی، اکثر آپس ہی میں برسریکھا رہتی تھی، اور جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا ہے

و احمیانا علی بکر احمینا

اذا ما لم نجد الا احمانا

(اور جب جنگجو فطرت کو جوہر دکھانے کے لئے کوئی دشمن نہیں ملتا تو ہم

اپنے بھائی بندوں ہی کو تاکتے ہیں)

اور جنگوں اور آویزشوں کا انجام اخلاقی اور روحانی بے ماگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، زمانہ جاہلیت میں عرب خانہ جنگی میں مصروف رہتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو تاخت و تاراج کرتا، ایک شاخ دوسری شاخ پر دھاوا بولتی، اور ایک خاندان، دوسرے خاندان کی تاک میں رہتا، اسی طرح افغانیوں کے سامنے بھی اپنی خون آشام فطرت کی تسکین، اپنی جنگ کی پیاس بجھانے، اور خطر پسند طبیعت کو مطمئن کرنے کے لئے خانہ جنگیوں، چوراگا ہوں اور جانوروں کے لئے لڑائیوں، قبائلی یا انفرادی غیرت و نخوت کے اظہار یا نام نہاد اور خیالی اہانتوں کا بدلہ لینے کے لئے برسریکا رہونے کے علاوہ اور کوئی میدان نہیں ملتا تھا، ایک عرب شاعر نے حقیقت کی صحیح ترجمانی کی ہے۔

النار تاكل نفسها

ان لم نجد ما تاكله

(آگ کو جلانے کے لئے کچھ نہیں ملتا تو خود اپنے آپ کو جلا دیتی ہے)

لیکن جب اسلام آیا تو عربوں کے سامنے ایک بلند مقصد اور انسانیت کے لئے ایک طاقتور پیغام آگیا، یہی حال افغانیوں کا ہوا، اسلام سے پہلے یہ صرف اپنے لئے زندگی گزار رہے تھے، اور اب اللہ کا یہ فرمان ان کے کانوں کی راہ سے دل میں اترا ہوا تھا

لَنْ نَمُوتَ حَتَّىٰ نُرَاقِبَ الَّذِي نُنَادِيكُمْ بِذِكْرِهِمْ

تم بہترین امت ہو، انسانوں کیلئے خاص طور پر

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ
 بنائے گئے ہو، بھلائیوں کا حکم دیتے ہو،
 برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(ال عمران - ۱۱۰)

اور ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات جاگزیں ہو گئی کہ وہ باغوں اور کھیتوں میں آپ سے آپ آگ جانے والے خورد و گھاس پھوس نہیں ہیں، بلکہ بجائے خود مقصود و مطلوب ہیں، ان کے ساتھ بلند مقاصد ہیں، ان کی ذمہ داریاں ہیں جدوجہد اور کارکردگی کے نشانے متعین ہیں، ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ وہ ایسی امت ہیں، جو انسانوں کے لئے خاص طور سے بنائی گئی ہے، جو لوٹ مار اور خونخواری کے جذبہ کو تسکین دینے کے لئے آپسے آپ نہیں پیدا ہوئی ہے، تو ان کی زندگی، ان کے خیالات اور رجحانات میں زبردست انقلاب آگیا، اب وہ اپنا مقصد وجود اور اپنی زندگی کی غرض و غایت یہ سمجھنے لگے کہ دنیا کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے کے لئے جدوجہد کریں، اور اس راہ میں قربانیاں دیں، یہاں تک کہ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے، اور انسانوں کو تارکیوں سے نکال کر اجلے میں لائیں، بندوں کی غلامی سے نجات دلائیں اور خدا سے واحد کے آستانہ عالی پر پہنچائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت سے روشناس کرائیں، اور دوسرے مذاہب کی زیادتیوں سے آزاد کر کے اسلامی عدل و مساوات کے زیر سایہ لائیں۔

حضرات! اس قوم کے پاس کوئی پیغام نہیں تھا، اسلام آیا تو ایک بلند پیغام اور زندگی کا بلند مقصد اس کے سامنے آگیا، اس نے اسلام کے ابدی پیغام کو اپنے سینے سے لگایا۔ اور اسی نے ان میں نئی روح پھونک دی، وہ بدترین جہالت اور گھنگھو

تاریکی میں زندگی گزار رہی تھی، خرافات اور حماقتوں میں بھٹک رہی تھی، ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا تھا، طاقتور، کمزور کو نگل جانے کی کوشش کرتا تھا، حقوق پامال ہو رہے تھے، عزتیں لٹ رہی تھیں، اور ہر طرح کے جذبات و خواہشات پوری کی جا رہی تھیں کہ اچانک ان کے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی، ان کے افکار و خیالات، احساسات اور اعصاب پر چھا گئی اور اب وہ نئی قوم تھے، نئے انسان تھے، ان کی زمین وہی تھی، آب و ہوا وہی تھی، دست و بازو وہی تھے، لیکن اس جدید پیغام نے انہیں جدید امت بنا دیا۔

دوسرا عنصر یہ ہے کہ افغانی بہت تنگ اور محدود زندگی گزار رہے تھے، کائنات اور انسان کے بارہ میں ان کا نقطہ نظر بہت محدود تھا، انسان کون ہے؟ افغانی انسان ہیں، جو اس علاقہ میں رہتے رہتے ہیں! یہاں کی زبان بولتے ہیں، اس ملک کا لباس پہنتے ہیں، اس کی محبت کے گیت گاتے ہیں، اسی تنگ نقطہ نظر نے انہیں اس تنگ دائرہ میں محدود کر رکھا تھا۔

اسی طرح زندگی کیا ہے؟ کھانا، پینا، عیش و آرام، قوت و شوکت، حکومت و ریاست، وہ اسی طرح زندگی گزارتے تھے، جیسے مچھلیاں یا مینڈک تالابوں میں جلتے ہیں، اسلام سے پہلے عرب، ترک اور ایرانی سب کا یہی حال تھا، اسلام ہی نے ان سب کو اس تنگ و تاریک قید خانہ سے نکالا جیسا کہ ایک عرب قاصد نے شاہ ایران سے کہا تھا:-
 لنخرج من شاء الله من ضيق الدنيا
 من كوارث توفيق دے اسے ہم دنیا کی تنگی سے
 نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت میں پہنچادیں۔
 الى سعة الله نيا والآخره۔

حضرات! آپ کے آباؤ اجداد انسان کے بارہ میں بہت تنگ نقطہ نظر رکھتے تھے اس میں اعلیٰ نظر نہیں تھی، بلند نگاہی نہیں تھی، اس میں گہرائی نہیں تھی، اسلام نے ان کو

وسیع نقطہ نظر عطا کیا، تو ان کی نگاہوں میں تمام انسان ایک خاندان اور پوری دنیا ایک گھر ہو گئی، اور رسول اللہ کا یہ فرمان ان کا عقیدہ بن گیا۔

کَلِمَ مِنْ آدَمَ وَآدَمَ مِنْ تَرَابٍ تم میں کا ہر ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم
لا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی عَجْمِيٍّ وَلَا لِعَجْمِيٍّ مٹی سے بنے ہیں، نہ تو کسی عربی کو کسی عجمی پر
عَلٰی عَرَبِيٍّ اِلَّا بِالْتَّقْوٰی۔ فضیلت ہے نہ عجمی کو کسی عربی پر مگر تقویٰ کے

اعتبار سے۔

پھر ان کا نقطہ نظر اتنا وسیع ہو گیا کہ وہ نہ جغرافیائی حدود کو تسلیم کرتے تھے، نہ خود ساختہ اور بے دلیل تقسیمات کو۔ مسلمان ان حدود سے نکل کر وسیع کائنات میں آگئے، اور اگر یہ وسیع نقطہ نظر نہ ہوتا تو وہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح صدیوں تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔

تیسرا عنصر ہے مضبوط و مستحکم اعتماد، جب وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے، اس کے رسول اور آخرت پر ایمان لے آئے، قضا و قدر پر ایمان لے آئے اور یہ سمجھ گئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے، اس سے نہ ایک لحظہ پہلے آسکتی ہے، نہ مؤخر ہو سکتی ہے، اور انھوں نے اللہ کا فرمان سنا اور اس کو دل میں بسایا کہ:-

اَيُّمَّا تَكُوْنُوْنَ اِيْدٍ رَّكُمُ الْمَوْتُ تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت
وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوجٍ مُّشَيِّدَةٍ آدباوے گی اگرچہ تم قلعی چونے کے قلعوں
(النساء- ۷۸)

اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا جب ان کا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں

وَلَا يَسْتَقْدِرُ مَوْتًا ۝ (یونس-۳۹) اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

اس ایمان نے ان کو خود شناسی اور خود اعتمادی عطا کی وہ یہ سمجھ گئے کہ انسان کی موت اسی وقت آسکتی ہے، جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے، تو انہوں نے اس کا بھی یقین کر لیا کہ دنیا میں ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے، اور ہر چیز اللہ ہی کے دست قدرت و اختیار میں ہے۔

پھر انہوں نے مزید خود اعتمادی اس آسمانی پیغام سے حاصل کی کہ ان کی حیثیت خدا کی نوح کی ہے، اور وہ اللہ اور اس کے دین کے معین و مددگار ہیں، انہوں نے اللہ کا یہ فرمان سنا:-

إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (الصَّفَّتْ-۱۴۲-۱۴۳)

بے شک وہی غالب کئے جاویں گے اور ہمارا تو قاعدہ عام ہے کہ ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔

خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ ظالم پانے والا ہے۔ (المجادلہ-۲۲)

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقْدُمُ الْأَشْهَادُ ۝ (المومن-۵۱)

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی ذیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز پہنچیں میں گواہی دینے والے (یعنی فرشتے جو کہ اٹھنے لکھتے تھے) کھڑے ہوں گے۔

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلَّذِينَ آمَنُوا (بلکہ اللہ کی ہے عزت بالذات) اور اسکے رسول کی (پہلے تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی (پہلے تعلق مع اللہ اور رسول کے)

(الانفال-۸)

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْكَافِرُونَ
 اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور
 إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران-۱۳۹)
 غالب تم ہی رہو گے اگر تم پوسے مومن رہے۔
 اور اسی طرح کی دوسری آیتیں ان کے کانوں میں پڑیں تو اس سے ان کے یقین و
 اعتماد میں مزید قوت و استحکام پیدا ہو گیا۔

اس موقع پر میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے
 ساتھ موہیں مارتے ہوئے دجلہ کے سامنے پہنچے تو ایک لمحہ کے لئے رکے موج بدماں اور
 طوفان درآغوش دریا کا جائزہ لیا، گرد و پیش پر نظر ڈالی پھر حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف
 متوجہ ہوئے، اور ان سے مشورہ کیا کہ: پھیرے ہوئے دریا میں گھس پڑیں یا ٹوٹیں اور اسے
 عبور کرنے کے لئے پل کا انتظام کریں؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے اس وقت جو لافانی جملہ کہا
 تاریخ نے اسے محفوظ کر لیا ہے، انھوں نے کہا:-

”یہ دین تازہ اور نیا ہے، اور مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ اس دین کو ضرور
 غالب کرے گا، اور ابھی اس حد تک نہیں پہنچا ہے، جہاں تک پہنچا اس کے لئے
 مفید کیا گیا ہے، پھر میں کیسے یہ سمجھ لوں کہ اس پیغام کے حامل غرق ہو جائیں گے؟“

حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ جملہ اپنے اندر بڑے گہرے معانی و حقائق رکھتا ہے کہ
 جب یہ دین بالکل نیا اور تازہ ہے تو یہ ضروری ہے کہ دنیا کی تعمیر، کائنات کی قیادت
 اور انسانیت کی ہدایت و رہنمائی میں اپنا کردار ادا کرے، چنانچہ امیر شکر حضرت سعد بن ابی
 وقاصؓ نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں اور حدیثاً پاد کر جائیں، مورخ
 طبری کی روایت ہے کہ ایرانیوں نے ان کو دیکھا تو حیح پڑے ”دیوان آمدند، دیوان آمدند“
 کہ یہ انسان نہیں جن اور بھوت ہیں، یہ اعتماد اور یقین تھا، جو ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا

اور ان میں نئی روح ڈال دی تھی۔

افغانی نوجوانوں اور دوستوں کو اور اپنی تاریخ پر نظر ڈالو! سلطان محمود غزنوی کی طرح وسیع و عریض ممالک کو فتح کرتا چلا گیا، تاریخ بتلاتی ہے کہ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور اندرون ملک گھستا چلا گیا، یہاں تک کہ مشرق اور جنوب کی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا، حالانکہ اس کے پاس نہ رسد کا انتظام تھا نہ ملک کا امکان، اس کا مرکز بہت دور تھا اور میاں سر بفلک پہاڑ، دشوار گزار راستے اور زنگ گھاٹیاں حاصل تھیں، وجہ یہ ہے کہ ان جنگوں اور حملوں کی اس کے نزدیک اتنی ہی اہمیت تھی جتنی اہمیت ایک ماہر اور مضبوط کھلاڑی پیچ یا کھیل کے میدان کو دیتا ہے، وہ الشہر پر کامل اعتماد رکھتا تھا، پھر یہ سمجھتا تھا کہ جہاد عبادت ہے، اور اس راہ میں موت شہادت، اور شہداء مرنے نہیں، بلکہ انھیں حیات جاودانی حاصل ہو جاتی ہے، اور ان کے رب کی جانب سے ان کو روزی ملتی رہتی ہے، وہ اس پر سچا اور پختہ ایمان رکھتا تھا کہ وہ الشہر کے پیغام کا حامل اور امین ہے، اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔

حضرات! جن عناصر کا میں نے تذکرہ کیا ہے، وہ افراد ہی کی تعمیر میں نہیں بلکہ قوموں کی تشکیل میں بھی زبردست رول ادا کرتے ہیں، شخصیت کی تعمیر کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور نفسیات اور تعلیم و تربیت کے ماہرین نے اسے اپنا موضوع بحث بنایا ہے، لیکن میں اس وقت قوموں کے کردار سے متعلق گفتگو کر رہا ہوں، انھیں عناصر نے افغانی قوم کو بلند بالا حیثیت دی جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، جسے شکست نہیں دی جاسکتی، اور جب قومیں شخصیت کی تعمیر کرنے والے ان عناصر سے محروم اور ان قوموں سے خالی ہو جاتی ہیں، تو انجام شکست و ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور مجھے اندیشہ ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر

افغانی قوم اپنی ان طاقتور اور قائدانہ خصوصیات سے محروم نہ ہو جائے اور خدا نخواستہ وہ دور پھر واپس نہ آجائے جب وہ اسلام سے نا آشنا اور اسلامی دعوت سے بے بہرہ تھی۔

میں نوجوانوں سے خاص طور سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کے دلوں میں ان عناصر کی جوت جگا دو اور ان کو پروان چڑھاؤ ان کی حفاظت کرو، ضائع نہ ہونے دو، کیوں کہ قدیم ترین زمانہ سے قوم وہی ہے، پہاڑیاں اور گھاٹیاں وہی ہیں آسمان وہی، دریائے کابل ہزاروں سال سے اپنی گذرگاہ پر بہ رہا ہے، یہاں کی سرزمین جسے اللہ نے بے بہا نعمتوں سے نوازا ہے، وہ بھی وہی ہے، خوش ذائقہ پھل، لذیذ میوہ جات، شیریں پانی یہ ساری نعمتیں اور نوازشیں ہزاروں سال سے بدستور ہیں، لیکن اصل مسئلہ قوم کی تعمیر کے عناصر کا ہے، پیغام مقصد زندگی، خود اعتمادی اور کارگزاری کے نشانہ کا ہے تاکہ زندگی کا مقصد متعین ہو سلاحتوں کے ظہور کے لئے میدان میسر آسکے، حسن و خوبی کا کوئی قابل تقلید نمونہ مل جائے، علامہ قبائل نے اس حقیقت کو پایا تھا، اور خدا کے حضور میں مسلمانوں کی بے حس، جمود، مصیبت اور بد حالی کی شکایت کی تھی، تو جواب ملا کہ یہ لوگ انیسویں صدی اور پیغام کے زندگی گزار رہے ہیں ان کے سامنے کوئی "اسوہ" کوئی نمونہ کامل اور کوئی محبوب نہیں جس کے عشق سے اپنے دلوں کو آباد کریں جس کے حسن و خوبی کے گیت گائیں جس کے نقش قدم کو اپنا نشانہ راہ بنائیں۔

شبے پیش خدا بگریستم زار مسلماناں چرازارند و خوارند

ندا آمد نمی دانی کہ این قوم رلے دارند و محبوبے ندارند

افغانی نوجوانو! خدا نے تمہارے اوپر بڑا فضل فرمایا، تمہارے لئے کسی چیز کی

کی نہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ

اللَّهُ تَعَالَىٰ كَيْسِي قَوْمِي كَالْحَالِثِ نَهِيں بَدَلتا تا آنکہ

يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ - (الرعد - ۱۱) وہ خود اپنے آپ کو بدل ڈالیں۔
 اللہ اس سے بہت بلند ہے کہ کسی قوم کو عطا کردہ نعمتیں اس سے چھین لے سوائے اس کے کہ
 قوم ناشکری کی ترکیب ہو۔

الْمُرِّي إِلَى الَّذِينَ بَدَّؤُوا الْخِطْمَةَ اَللّٰهِ
 کُفْرًا وَاَحْلَاؤُا قَوْمَهُمْ ذَارِ الْبُجَارِ -
 تونے نہ دیکھا؟ جنھوں نے بد لایا اللہ کے
 احسان کا، ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی
 کے گھر میں۔ (ابراہیم - ۲۸)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اصل سلسلہ خود شناسی
 کا ہے، اپنی قدر و قیمت پہچاننے کا ہے، آپ اپنی قدر و قیمت پہچان لیجئے۔
 علامہ اقبال کہتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
 تو اگر میر انہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن



قوموں کی زندگی شخصیت اور

پیغام کی زمین منت ہے

(یہ وہ تقریر ہے جو سعودی سفارتخانہ کے استقبالیہ جلسہ منعقدہ ٹولڈا کابل

۹ جون ۱۹۷۳ء کی شب میں کی گئی)

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله۔

معزز حضرات! آج کے اس اجتماع اور اس قیمتی موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، سب سے پہلے میں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے اور اس عزیز و محبوب ملک کا دورہ کرنے والے رابطہ کے وفد کی جانب سے اس پاکیزہ بہترین اور منتخب ترین مجمع کو خوش آمدید کہتا ہوں، اور یہاں کی حکومت اور عوام کا شکریہ ادا ہوں کہ انھوں نے ہمارا پر خلوص اور شاندار استقبال کیا، اور ہمارے ساتھ اعزاز و اکرام اور خوش اخلاقی سے پیش آئے، اور اس میں کوئی ندرت یا جبریت و استعجاب کی بات بھی نہیں کیوں کہ شرافت اور حسن اخلاق ان کا پرانا جوہر ہے، اور عربوں کا بہت پرانا مقولہ ہے، "الشئ من معدن لا يستغرب" (کوئی چیز اپنے منبع و مخرج میں تعجب خیز

نہیں سمجھی جاتی) اور یہ پاکیزہ روح اپنے وسیع و عمیق مفہوم کے ساتھ اس قوم کے قابل فخر کارناموں، اس کی سرفروشی و جانبازی اور اس کی سلطنت و حکومت ہر چیز میں جلوہ گر رہی ہے، اور اسی نے ان کو اپنے ملک کے حدود سے باہر نکلنے، سر بلبلک پہاڑوں کا سینہ چیرنے پر آمادہ کیا، اور اسلام کی مشعل اور تہذیب و ثقافت اور حسن انتظام کی صلاحیتیں لئے ہندوستان تک پہنچی، میں نے اس قوم کی تاریخ میں اس کی عظمت کی داستانوں میں طویل مدت گزاری ہے، افغانستان کے پڑوسی ملک ہندوستان کا شہری ہونے کی وجہ سے ممکن تھا کہ اس سے بہت پہلے میں اس ملک کا دور کرتا، لیکن مشیت ایزدی نے اسے تاحال موقوف و مؤخر رکھا شاید اس میں خدا کی کوئی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہو۔

محترم حاضرین! زمانہ قدیم میں عرب اس ملک کو بہت دور دراز کا ملک سمجھتے تھے، اسے مسافت کی دوری اور راستوں کی دشوار گزاری کے لئے بطور مثال پیش کرتے تھے، اور اس سائے علاقہ کو خراسان کہتے تھے، ایک عرب شاعر کہتا ہے

قالوا خراسان اقصی ما یراد بنا

ثم القفول فقد جئنا خراسانا

(لوگوں نے کہا خراسان ہماری آخری منزل ہے، پھر اس کے بعد واپسی ہوگی،

تو یہ لو، ہم خراسان پہنچ گئے)

یہی ہم لوگ بھی خراسان پہنچ گئے، افغانستان میں داخل ہو گئے، اس کی سرسبز و شاداب سرزمین کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جسے خدا نے فطری حسن، صحت افزا آب و ہوا، اور دوسری بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے

ولما نزلنا منزلا طله الندى أيقنا وبستانا من النور حاليا
اجد لنا طيب المكان وحسنه منى فقمنا فكننت الأمانيا
یعنی ہم جب بھی کسی شاداب اور خوب صورت جگہ پہنچے جسے شبنم نے نکر رکھا ہو
اور کلیوں نے آراستہ کر رکھا ہو، اور اس مقام کی دلکشی و رعنائی نے ہماری خوابیدہ تمنائیں
بیدار کر دیں۔ تو حاصل تمنا تم ہی نکلتے۔

اس ملک میں داخل ہوتے وقت ہمارا بھی یہی حال تھا، ہم بھی اسی کیفیت سے
دوچار تھے، بات سے بات نکلتی ہی ہے، اور ایک چیز سے دوسری چیزیں یاد آتی جاتی
ہیں، چنانچہ اس خطہ ارض اور خدا کے عطا کردہ اس کے حسن و جمال نے اس ذات والا صفا
کی یاد تازہ کر دی، نئی زندگی جن کی رہن منت ہے، وہ ذات جس نے ہماری زندگی کی
کایا پلٹ دی، پرانی دنیا سے نئی دنیا میں پہنچا دیا، اور ہماری زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا۔
یاد رکھئے! وہ ذات گرامی ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی، آپ سے
پہلے ہمارے جسم تھے، روح نہیں تھی، محض نام ہی نام تھا، مگر اس نام کا کوئی مصداق نہیں تھا
صرف صورت تھی، حقیقت نہیں تھی، اور تو میں تھیں، لیکن ان کی زندگی کا کوئی مقصد
اور ان کے پاس نوع انسانی کے لئے کوئی پیغام نہیں تھا، اس محبوب و محترم ذات نے
ان قوموں اور امتوں کو جدید تشخص و امتیازات سے منصف کیا اور نیا پیغام عطا کیا،
وہ مضبوط و محبوب اسلامی تشخص جو طاقت و قوت جو انہر دی اور حسن اخلاق کے عناصر اور
تمام انسانی صفات و کمالات کا جامع ہے، اور پیغام کی بہترین تعبیر و تشریح، عرب
مسلمانوں کے ایک قاصد نے شہنشاہ ایران بزرگ در کے دربار میں کی، شہنشاہ نے
قاصد سے سوال کیا تم یہاں کس غرض سے آئے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا۔

”اللہ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم اس کی مرضی کے مطابق انسانوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدا کے وحدہ لا شریک لہ کے دربار میں سجدہ ریز کر دیں اور دوسرے ادیان و ملی کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل و انصاف کی نعمتوں سے ان کا دامن بھر دیں“

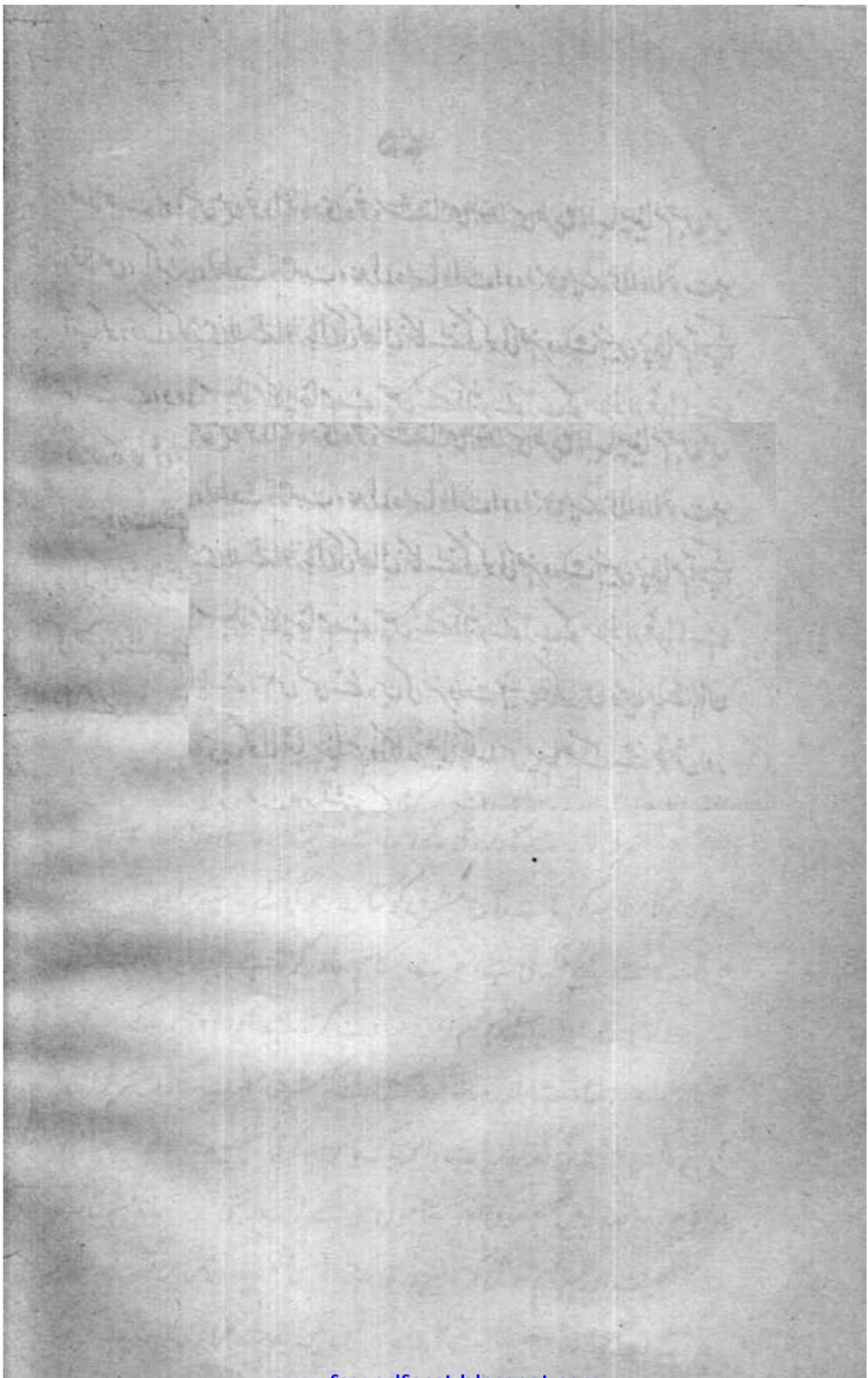
محترم سفراء اور معزز وزراء!

آپ جن اقوام و ممالک کی نمائندگی کر رہے ہیں، آپ کو ان کا حقیقی اور دینا تہ اہل نمائندہ سمجھنا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ اس سے بھی بہتر اور بلند تر ثابت ہوں ساتھ ہی یہ بھی سمجھنا ہوں کہ آپ کی ذمہ داریوں اور آپ کے فرائض کا تقاضا ہے کہ آپ ضابطہ کے کام اور متعین ڈھرے کی کارروائی (ROUFEENE) تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں۔

مشرق آپ سے کارکردگی کے اس سے وسیع میدان اور اس سے زیادہ اہم کام کا مطالبہ کر رہا ہے، آج مشرق کو کتاب زندگی کے حاشیہ پر اور قافلہ حیات میں سب سے پیچھے جگہ ملی ہے، مغرب احکام صادر کرتا ہے اور یہ اطاعت گزار ہے، وہ کہتا ہے اور یہ سننے پر مجبور، وہ قیادت کرتا ہے اور وہ اس کے پیچھے چلتا ہے، وہ استاذ ہے، اور یہ شاگرد، اس لئے کہ مشرق مغرب کے دسترخوان کی ریزہ چلنی پر زندگی گزار رہا ہے، اس کے پاس نہ کوئی شخصیت ہے نہ پیغام، اور قومیں اور تہذیبیں شخصیتوں اور پیغاموں ہی سے زندہ رہتی ہیں، لہذا مشرق کے لئے شخصیت اور پیغام تلاش کرنا ضروری ہے، ایسی شخصیت جس میں قوت ہو اعتماد ہو جس کے اندر ثبات و استقامت کا جوہر ہو، جس میں جدت طرازی اور ندرت آفرینی کی

صلاحیت ہو، جس میں خود اعتمادی و خود شناسی ہو، اسی طرح ایسا پیغام جس میں
 اخلاص، پاکیزگی، لطف و رحمت، عدل و مساوات اور امن پسندی اور اخوت ہو
 آپ کو دور کی کوڑی لانے اور بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں پیغام آپ کے
 سامنے ہے، وہ اسلام کا پیغام ہے، جس سے اللہ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے،
 اور جس کا حامل بنایا ہے، ہمیں کسی نئے دین کی ضرورت نہیں بلکہ اس دین پر نئے ایمان
 کی ضرورت ہے، ہمیں کوئی نیا پیغام درکار نہیں بلکہ اسی پیغام کے لئے جوش اور
 دلولہ کی ضرورت ہے، اسلامی تشخص کو قوت پہچانے اور اسے مزید ترقی دینے
 کی ضرورت ہے تاکہ گردش ایام سچھے پلٹ جائے، اور پرانی تاریخ پھر دہرائی
 جائے۔





ذوق جمال اور رعنائی خیال

گی

سسرزمین (ایران) میں

ترجمہ

ندرا حفیظ ندوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایران کی سیر کی دیرینہ آرزو

سیر کی دیرینہ آرزو تھی کہ علم و دانش کے گہوارہ، اور عربی زبان و ادب کے باکسال مصنفین کے مرزبوم، ذوق لطیف، فکر جمیل، اور حسن طبیعت کی نمائندہ سرزمین ایران کی زیارت کروں، جس کو بجا طور سے مشرق کے یونان سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اسی آرزو اور خواب میں زندگی گذرتی رہی، اور ایران کے بہار بے خزاں کے تصور میں کھویا رہا، جہاں زندگی زندہ دلی کا نام تھا، جہاں کی فضا ستر نغم جہاں کی ہر صد آموزوں معلوم ہوتی تھی، جس نے بے چین و بے قرار لیکن سدا بہار فطرت پائی تھی، جس کا انظار انوکھے خیالات، جدت پسند مذاہب اور فلسفوں میں ہوتا رہا، اور جہاں وہ تصوف بھی نوب پھلا پھولا جو معرفت و محبت سے مخمور اور نئے نئے واردات و تجربات سے معمور تھا۔

لیکن یہ امید اخیر زمانہ میں برائی، جبکہ قافلہ عمر سفر کی بہت سی منزلیں طے کر چکا تھا، اور حسین و جمیل افکار و خیالات سے لطف اندوزی پر حقیقت کی تلاش غالب آچکی تھی، اور شاید یہ اچھا ہی ہوا۔

سفر کی تقریب

رابطہ عالم اسلامی نے عالم اسلام کے مختلف خطوں میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کا جائزہ لینے کا ایک جامع پروگرام بنایا تھا، اسی پروگرام سے افغانستان و ایران کو دیکھنے کی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہو سکی، رابطہ عالم اسلامی کے وفد نے ایران کی علمی و ادبی شخصیات، انجمنوں، علمی اداروں اور تاریخی آثار دیکھنے، اور ایران کے سفر کو کارآمد اور زیادہ سے زیادہ مفید بنانے میں ہر ممکن کوشش کی۔

ایرانی وزارت اوقاف کے صدر، اور نائب وزیر اعظم ڈاکٹر منوچہر ازمون نے پوری گرم جوشی سے رابطہ کے وفد کی پذیرائی کی، اور اس کے دورہ ایران کی پوری ذمہ داری اوقاف کے سپرد کر دی، رابطہ کا وفد ڈاکٹر ازمون کی عنایت و توجہ، اور ان کے جذبہ کی قدر کرتا ہے، اور ایران کی روایتی فیاضی و مہمان نوازی کا اعتراف اپنا فرض سمجھتا ہے۔

قیام ایران کی مدت

ہمارے وفد کو آٹھ دن کے اندر ایران کے تاریخی آثار دیکھنا، اسلامی تحریکیوں، اؤ ان کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا تھا، لیکن جس کی گھٹی میں فارسی زبان و ادب کا ذوق پڑا تھا، ڈاکٹر ازمون سے عرض کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ایران آنا اور شیخ سعدی اور خواجہ حافظ کا شہر شیراز نہ دیکھنا بڑی محرومی و بد مذاقی ہے، اس لئے کہ شیخ سعدی اور خواجہ حافظ، اور ان کی لئے وفد کی رہنمائی و رفاقت کے لئے وزارت اوقاف تہران کے سکریٹری ڈاکٹر ابوالقاسم مشیری کا انتخاب کیلئے تھا، جو ایک تعلیم یافتہ مستعد آدمی ہیں، انگریزی و عربی سے بولتے ہیں، عربی سے بھی خاصہ واقف ہیں۔

لافانی کتابوں سے ہندوستان کے مشرق کے گھرانے نصف صدی پہلے تک واقف اور دونوں کے ساحراہ کلام سے آشنا ہوا کرتے تھے، ڈاکٹر ازمون نے ہماری یہ درخواست بڑی خند و پشیمانی سے قبول کرنی، اور ازراہ کرم شعر و ادب کے شہر شیراز کے ساتھ ہی شابان صفویہ کے دارالحکومت اور ایرانی فن کاری، اور تاریخی آثار سے معمور اصفہان کو بھی اس میں شامل کر دیا، اس طرح ایران کا یہ دس روزہ یادگار سفر (جس کی ابتدا دو شنبہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۱ جون ۱۹۷۳ء سے ہوئی تھی) بخیر و خوبی چہار شنبہ ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۰ جون ۱۹۷۳ء کو ختم ہو گیا، چونکہ اس سفر کی آخری منزل مکہ مکرمہ تھی، اس لئے ہم تہران سے بیروت ۲۱ جون کو کوچ ہو چکے۔ ہماری قیام کا انتظام تہران کے ایک بڑے ہوٹل پارک ہوٹل (PARK HOTEL) میں کیا گیا تھا، ایران کے یادگار سفر کے یہ دس روز تاریخی آثار کے مشاہدے، ممتاز علمی و دینی شخصیات سے ملاقاتوں، تعلیمی اور تبلیغی اداروں کا جائزہ لینے، اور ان کی سرگرمیوں اور جدوجہد سے واقف ہونے، اور استقبالی و خیر مقدمی تقریبات میں گزرے۔

وزرا و علماء سے ملاقاتیں

ہماری ملاقات ایران کی بعض اہم سیاسی شخصیتوں سے بھی ہوئی، جن میں ایرانی وزیر اعظم امیر عباس ہودیہ^۱، استاد کاظم زادہ جو ایران میں ہائر ایجوکیشن کے فسطح ہیں، اور نائب وزیر اعظم ڈاکٹر منوچہر ازمون قابل ذکر ہیں، آخر الذکر سے تہران کے دوران قیام میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں،

۱۔ ایرانی تقویم کے اعتبار سے ۲۱ فرورداد ۱۳۵۲ھ۔

۲۔ امیر عباس ہودیہ نے ابتدائی تعلیمی زبان بیروت میں گزارا، جہاں انھوں نے بیروت کی امریکن یونیورسٹی سے ڈگری لی، اس بنا پر پہلی اہل زبان کی طرح بولتے ہیں، تقریباً بیس سال سے وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز ہیں۔

پہلی ملاقات خاصی طویل رہی، جس میں بے تکلفی و آزادی کے ساتھ گفتگو رہی مختلف علمی و دینی موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں، آخری ملاقات میں بھی یہی بے تکلفی و سادگی رہی، اور مفید علمی مذاکرہ سے یہ مجلس بھی خالی نہ گئی، اختتام سفر پر ڈاکٹر منوچہر ازمون نے ہلٹن ہوٹل (HILTON HOTEL) میں وفد کے اعزاز میں ایک پرنکلفٹ عشاء دیا، جس میں متعدد وزراء کے علاوہ شہر کے مشرفاء اور معززین کی بڑی تعداد شریک تھی۔

ہم نے ایران کے متعدد و ممتاز علماء، اور دینی رہنماؤں سے بھی ملاقات کی، اور ان سے علمی مسائل پر تبادلہ خیال کیا، ان قابل ذکر علماء میں آیت اللہ العظمیٰ سید محمد کاظم شریعت مداری، آیت اللہ العظمیٰ شیخ حبیب اللہ میلانی، آیت اللہ مرزا محمد خلیل کرہ امی، تہران میں شاہی مسجد کے امام آیت اللہ سید حسن امامی، اور مشہور ایرانی عالم آیت اللہ محمد تقی لقمی شامل ہیں، ایرانی فضلاء و ارباب میں سے علامہ وحید علی، اور کلیۃ الالہیات کے پرنسپل ڈاکٹر محمد مجیدی قابل ذکر ہیں، کلیۃ الالہیات میں فقہ شافعی کے استاد پروفیسر شیخ الاسلام، عربی ماہنامہ "الفکر الاسلامی" تہران کے مدیر ڈاکٹر عباس مہاجرانی، آریہ مہر یونیورسٹی تہران کے وائس چانسلر اور شہرہ آفاق ایرانی فاضل و محقق ڈاکٹر سید حسین نصر، اور دار التبلیغ الاسلامی قم کے سرگرم رکن، اور "الہاموی" رسالہ کے مدیر سید ہادی خسرو شاہی سے ملاقات ہوئی، وقت کی تنگی، نیز موسم گرما کی تعطیلات کی وجہ سے ایرانی یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور ممتاز جدید تعلیم یافتہ فضلاء سے زیادہ ملاقات نہ ہو سکی۔

لہ ایرانی علماء و فضلاء کے دو طبقے ہیں، تہر علمی اور دینی حیثیت میں بلند منصب و مقام کے حامل علماء کو آیت اللہ العظمیٰ، اور دوسرے درجہ کے علماء کو "آیت اللہ" سے موسوم کرتے ہیں۔
 ۱۵ ناظم مسجد سپہ سالار تہران۔

ایران کے دینی و تاریخی مقامات

ہیں ایران کے جن مشہور تاریخی شہروں کے دیکھنے کا موقع ملا، ان میں تہران، قم، اصفہان، شیراز اور مشهد قابل ذکر ہیں، تہران ایران کا بڑا خوبصورت شہر اور پایہ تخت ہے، قم اپنی علمی و دینی سرگرمیوں کے لئے مشہور ہے، مشهد روحانی مرکز، اور اصفہان شاہان صفویہ کا طویل مدت تک مرکز سلطنت اور اپنے دور عروج میں تہذیب و تمدن کا سرچشمہ رہ چکا ہے اور شیراز تو فارسی شعر و ادب کے لئے ایک علامت کی حیثیت رکھتا ہے۔

تاریخ کے ایک مسلمان طالب علم قدیم آثار سے شغف رکھنے والے مورخ اور ملکوں ملکوں، شہروں شہروں گھومنے اور ان کے حالات کا مطالعہ کرنے والے سیاح کے لئے ایران کے تاریخی مقامات میں تسکین کا پورا سامان موجود ہے، چنانچہ ہم نے ان تمام تاریخی آثار کا مشاہدہ کیا جو فنکاری، صناعی، پاکیزہ ذوق اور فن تعمیر کے بہترین نمونے ہیں، اور شاہان صفویہ کے دور عروج کے تمدن اور ترقی یافتہ تہذیب کے نادر شاہکار ہیں، ہم نے ایران کی جدید مصنوعات، اور ان چیزوں کو بھی دیکھا جو سوغات کے طور پر باہر لے جائی جاتی ہیں، اور جن میں ایران نے بڑا نام پیدا کیا ہے۔

ایران چونکہ اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز رہ چکا ہے، اس لئے وہاں کثرت سے

لے موجودہ تہران ایران کے قدیم اسلامی دارالسلطنت رے کے نواح میں واقع ہے جہاں سے امام فخرالدین رازی، ابو بکر رازی، محمد ابن زکریا رازی، ابو بکر رازی طبیب جیسے سرآمد روزگار فضلا اٹھے تہران کی حیثیت پہلے ایک قصبہ سے زیادہ دھتھی تا چار یوں کے عہد میں وہ ایران کا دارالحکومت بنا، اب پچیس لاکھ کی آبادی کا ایک عظیم شہر ہے، جو خاص منصوبہ اور نقشہ کے مطابق آباد کیا گیا۔

مساجد میں، بعض مسجدیں تو فن تعمیر کا نامور نمونہ ہیں، مثلاً امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کی بہن سیدہ معصومہ کے نام سے ایک شاندار مسجد ہے، جہاں ان کی قبر بھی ہے، یہ مسجد ایرانی زائرین اور سیاحوں سے ہر وقت کھچا کھچ بھری رہتی ہے، دوسری تاریخی مسجد مسجد سپہ سالار ہے، جو طرز تعمیر اور نقش و نگار میں شاہکار سمجھی جاتی ہے، ان مسجدوں کے علاوہ شاہی مسجد تہران، جامع مسجد، مسجد گوہر (مشہد) مسجد شاہ عباس صفوی، مسجد شیخ لطف اللہ، جامع مسجد چہار باغ (اصفہان)، اور شیراز کی مسجد وکیل قابل ذکر ہے، امام علی رضا کا مزار پورے ایران میں سب سے اہم اور بڑے مقبروں میں سے ہے، جس کی زیارت کے لئے ایرانی زائرین دور دور سے رخت سفر باندھ کر آتے ہیں، اور ملک کے ہر حصہ سے ان کا دن رات تائبانہ ہوا رہتا ہے۔

ایران میں بعض اہم علمی اداروں اور دینی مرکزوں کو بھی دیکھنے کا موقع ملا، ان اداروں میں تہران یونیورسٹی کا "کلیۃ الالہیات" و "علوم اسلامیہ" مرکز، التقرب بین المذہب الاسلامیہ اور شہر قم کا علمی مرکز دارالنبلیغ الاسلامی مشہور و معروف ہیں۔

مجالس مذاکرہ اور استقبالیہ جلسے

اس دن روزہ سفر میں بہت سے خیر مقدمی جلسوں اور تقریبات میں شرکت کا موقع ملا، جہاں رابطہ کے وفد کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی، ان جلسوں میں خیر مقدمی تقریریں کی گئیں، اور ارکان وفد نے بھی موقعہ و محل کی مناسبت سے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا، اس سلسلہ کے چار خیر مقدمی جلسے یادگار ہیں، پہلا خیر مقدمی جلسہ علامہ شریعت مداری کے دولت کدہ پر منعقد ہوا، دوسری محفل دارالنبلیغ الاسلامی قم میں منعقد کی گئی تھی، جس میں

متعد تقریریں ہوئیں، اور قصائد پڑھے گئے، تیسرا استقبالیہ علامہ مرزا محمد خلیل کمرہ ای نے وفد کے اعزاز میں اپنے گھر پر دیا تھا، وفد کے اعزاز میں علامہ حبیب اللہ میلانی کے دولت کدہ پر بھی ایک مختصر تقریب ہوئی، ادارہ تبلیغ الاسلامی، اور علامہ حبیب اللہ میلانی کے یہاں کی محفلوں میں خیر مقدمی اور جوابی تقریریں ہوئیں، لیکن مرزا محمد خلیل کا جلسہ اس اعتبار سے دل چسپ اور قابل ذکر ہے کہ اس محفل میں علامہ اقبال کا شہرہ آفاق ترانہ سے

چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا

پڑھا گیا، یہ ترانہ عربی کے قادر الکلام شاعر صاوسی شعلان نے عربی اشعار کی صورت میں ڈھال دیا ہے، چنانچہ اس عربی ترانہ کو پڑھا گیا، اور اس کا فارسی اشعار میں ترجمہ بھی سنایا گیا، خیر مقدمی تقریر کا جواب رکن وفدا تاج احمد محمد جمال اور راقم سطور نے دیا۔

تہران میں ایک ادارہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مختلف اسلامی مسلک اور فرقوں کے لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے، ہم اس ادارہ کو بھی دیکھنے گئے، وہاں سہر کے بعض منتخب علماء اور سربراہان اور ذرہ حضرات سے ملاقات ہوئی، اس ادارہ کے خیر مقدمی جلسہ میں آیت اللہ محمد تقی القمی نے تقریر کی، جس کا جواب راقم سطور نے دیا۔

طوس کی مردم خیز سرزمین پر

ایران کی عظمت رفتہ کو لافانی بنانے، اور فارسی زبان و ادب کو زندگی و تابندگی عطا کرنے، اور قومی شعور کی بیداری میں شہرہ آفاق شاعر فردوسی (م ۴۱۱ھ) کے شاہنامہ کا بڑا حصہ رہا ہے، ہر زمانہ میں ایرانی شاہنامہ کے وارفتہ و شیدائی رہے، ایرانی حکومت نے فردوسی کی شاندار یادگار قائم کر کے اس کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ایران کا مشہور شہر طوس اپنی مردم خیزی، باکمال ہستیوں، اور لافانی یادگاروں کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں ممتاز مقام رکھتا ہے، اس شہر نے پانچویں صدی ہجری کے نامور مجدد حجۃ الاسلام امام غزالی، سلجوقی سلطنت کے باکمال وزیر نظام الملک طوسی، شہرہ آفاق شاعر فردوسی، اور مشہور فاضل نصیر الدین طوسی جیسی نادرہ روزگار شخصیتوں کو پیدا کیا۔

امام غزالی کی تربیت پر

طوس کی فضا میں سانس لیتے ہی پردہ ذہن پر تاریخ کے نقوش ابھرنے لگتے ہیں، اور اس عہد کے ترقی یافتہ، اور تمدن زمانہ کی تصویریں متحرک نظر آنے لگتی ہیں، میں اس عہد کے تصور میں کھو گیا، جب طوس علم و عرفان کا سرچشمہ تھا، اور وہاں سے پوری پوری نسلِ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر کارزارِ حیات میں سرگرم عمل ہوتی تھی، طوس کے تاریخی آثار دیکھتے ہوئے قدرتا ہمارا ذہن صدیوں، اور نسلوں پر محیط امام غزالی کے کارناموں کی طرف منتقل ہو گیا، اس لئے کہ امام غزالی کی شخصیت، ان کے لافانی کارناموں، اور ان کی تصنیفات کو جو شہرت، اور دوام نصیب ہوا ہے، وہ عالم اسلام کے مشہور مذاہب اربعہ کے بانیوں کے بعد کم ہی علما کو حاصل ہوا ہے، ہم نے جب اپنے رہنما سے امام غزالی کی قیام گاہ، ان کے علمی آثار، اور آخری آرام گاہ کے بارے میں دریافت کیا، تو جواب کچھ حوصلہ افزا نہیں تھا، لہ مشہور مورخ بغدادی نے طوس کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب "مرصد الاطلاع" میں لکھا ہے کہ نیشاپور سے طوس کا فاصلہ دس فرسخ ہے (تقریباً اسی کیلو میٹر ہے) "طابان" اور "نوقان" طوس کے دو مشہور قصبے ہیں، دونوں قصبوں میں مجموعی طور پر ایک ہزار بستیاں ہیں، عباسی خلیفہ ہارون رشید، اور امام علی بن موسیٰ رضا کے مقبرے میں کے ایک باغ میں ہیں۔

ہمارے رہنمانے ہمیں مختلف کھنڈروں کے لمبے، اور ویرانوں کے درمیان سے لے جا کر ایک ایسی قدیم عمارت کے سامنے کھڑا کر دیا، جو زمانہ کی ناقدری اور بے مروتی پر نور و نواں تھی، ہم جس عمارت کے سامنے کھڑے تھے، اس کے متعلق بتایا گیا کہ اس میں ہارون رشید اپنے معنوبین کو قید کر دیا کرتا تھا، قیدی اس میں جانے کے بعد پھر سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکتا تھا، اس عمارت کا نام ہارونیا ہے۔

امام غزالی کی قبر کے متعلق طرح طرح کی بے سرو پا کہانیاں مشہور ہیں، تہران یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر عیسیٰ صدیق کی کتاب 'آرام گاہ غزالی' میرے ہاتھ آگئی، انھوں نے ان افواہوں کا مذاق اڑایا ہے، اور یورپین محققوں میں ڈاکٹر زومیر (DR. ZWEMER) امریکی مستشرقین میں پروفیسر پوپ (PROF. POPE) کی کتابوں کے حوالے، اور متقدمین میں مشہور مصنف تاج الدین سبکی، اور متاخرین میں آقائے علی اصغر حکمت کی تحقیقات سے استدلال کر کے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امام غزالی کی قبر اسی قدیم افسانوی عمارت ہارونیا کے پہلو میں موجود ہے۔

ہمارا تاریخی ذوق اور امام غزالی اور ان کی تصنیفات سے دل چسپی و شغف کی ہمیں کشاں کشاں ان کی قبر تک لے گئی، اندازہ ہو کہ ابھی حال ہی میں ایک قبر کو درست کیا گیا ہے، ہم جس عمارت میں تھے، اس کے پہلو میں امام غزالی کی قبر ہے، لیکن مزار پر کوئی تختی نہ تھی، جس سے کچھ معلوم ہو سکتا، گائیڈ نے بتایا کہ عمارت کے اندر ایک کنبہ موجود ہے، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بعض الفاظ مسٹ گئے ہیں، بشکل چند الفاظ پڑھے جا سکے، اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور عظمت و کبریائی کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا، سچ ہے، اللہ بس باقی ہوس، "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقَىٰ وَجْهٌ رَّبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ"

نادرشاہ افشار

طوس کے دوسرے اہم تاریخی آثار میں نادرشاہ افشار کی قبر ہے، نادرشاہ افشار سے کون واقف نہیں، اس نے ۱۷۰۱ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا، اور دارا حکومت دہلی کو اپنی تلوار کی دھار پر رکھ لیا تھا، یہ تلوار نیام میں اسی وقت گئی، جبکہ دہلی کی سڑکیں خون سے ہنا گئیں، نادرشاہ مغل بادشاہ محمد شاہ کو شکست دے کر ہندوستان سے وہ شہرہ آفاق تخت طاؤس ایران لے جانے میں کامیاب ہو گیا، جو شاہ جہاں نے نفیس ہیرے جو اہر ات سے مرصع بنوایا تھا۔

نادرشاہ کا شمار اُس عہد کے ایران کے بہترین قائدین، اور اعلیٰ درجہ کے سپہ سالاروں میں ہوتا تھا، اس نے مشہد کو اپنا دارا حکومت، اور ہندوستان پر یورش کے لئے فوجی مرکز بنایا تھا ایرانی حکومت نے کاخ گلستان میں نادرشاہ کے آثار و نواد کو بڑے فرنیہ اور سلیقہ سے ایک میوزیم میں جمع کر دیا ہے، اور تصاویر کے ذریعہ اس کے فوجی کارناموں، اور عزم و شجاعت کی داستانوں کو دکھانے کی کوشش کی ہے، نادرشاہ کا لایا ہوا تخت طاؤس تو اب اصل شکل میں... محفوظ نہیں ہے، لیکن تہران کے میوزیم میں ایرانی حکومت نے تقریباً ویسا ہی تخت طاؤس کو قتل عام کی وجہ بیٹھی کر نادرشاہ کی فوج شہر کے مختلف مقامات پر مقیم تھی، شہر کے اوباشوں کو چلیے ہی موقع ملتا وہ نادرشاہ کی فوجوں پر حملہ کر کے ال و اسباب لوٹ لیتے، اور فوجیوں کو قتل کر ڈالتے، نادرشاہ نے تنگ آ کر فوج کو قتل عام کا حکم دیدیا، چنانچہ تین دن تک قتل عام ہوتا رہا، اس قتل عام میں ایک لاکھ سے زائد انسان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، تین دن کے بعد امن و امان کا اعلان کر دیا گیا۔

ملاحظہ ہو تاریخ ہندوستان

بنانے کی کوشش کی ہے، اصل ہیرے جواہرات کو بنک کے لاکروں، اور میوزیم میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔

خلیفہ ہارون رشید کی یاد

مسلم حکمرانوں، بلکہ مشرق کے سلاطین میں عباسی خلیفہ ہارون رشید کو جیسی انسانی شہرت اور جتنی غیر معمولی وسیع سلطنت حاصل تھی، وہ کسی کو نصیب نہ ہو سکی، اس کی سلطنت کی غیر معمولی وسعت کا اندازہ اس کے اس مشہور تاریخی جملہ سے ہوتا ہے، جو اس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو مخاطب کر کے کہا تھا: "امطری حیث شئت فیئنی خراجاً" (اے بادل تیری جہاں مرضی ہو برس! تیرا خراج میرے ہی پاس آئیگا) تاریخی اعتبار سے یہ تو ثابت ہے کہ ہارون رشید کی قبر طوس میں ہے، لیکن حیرت و تعجب، بلکہ عبرت انگیز بات یہ ہے کہ ہارون رشید کی قبر کا نام و نشان تک نہیں مل سکا، یہ ممکن ہے کہ اس کی قبر امام علی رضا

لہ ہارون رشید کے وفات ۱۹۳ھ میں طوس میں ہوئی، اور وہیں اس کی تدفین بھی علی میں آئی، اس کے چند سال بعد ۲۰۳ھ میں طوس ہی میں امام علی رضا کی وفات کا واقعہ پیش آیا، ابن خلکان نے امام علی رضا کا تذکرہ کرتے ہوئے "وفیات الاعیان" میں لکھا ہے کہ ان کے جنازہ کی نماز ہارون رشید نے پڑھائی، جنازہ کے بعد ان کی تدفین اپنے والد کی قبر کے پہلو میں کی، امام علی رضا کی وفات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی موت طبعی تھی بعض لوگ ان کی موت کا سبب زہر خوردنی کو قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ چونکہ اماموں نے خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کرنی چاہی تھی، اس لئے بنو عباس نے انھیں زہر دیدیا، طوس امام علی رضا کے مزار کی وجہ سے شہر کے نام سے مشہور ہو گیا، اور اب طوس کے نام سے کوئی نہیں جانتا، یہ تبدیلی غالباً شاہان صفویہ کے زمانہ میں پیش آئی، اس زمانہ میں یہ پورا منطقہ خراسان کہلاتا تھا، آج بھی یہ علاقہ خراسان ہی کے نام سے مشہور ہے۔

کے مزار کے پہلو میں ہو، لیکن مؤخر الذکر کی دینی اہمیت و عظمت کے سامنے ایک بادشاہ کی حیثیت بے حقیقت ہو کر رہ گئی ہے۔

اصفہان

ایران کے اس سفر میں شہور تاریخی شہر اصفہان کو بھی دیکھا جو اپنے علمائے ادبا اور باکمال شخصیتوں کی وجہ سے شہرہ آفاق ہے، مشہور کتاب "حلیۃ الاولیاء" کے مصنف ابو نعیم اصفہانی (م ۳۴۲ھ) "مفردات غریب القرآن" کے مؤلف امام راعی اصفہانی (م ۵۵۲ھ) عالمی شہرت کی حامل کتاب "روایات الافغانی" کے مصنف ابوالفرج الاصفہانی (م ۳۶۸ھ) مستقل فقہی مسلک کے بانی امام ابو داؤد ظاہری (م ۲۴۰ھ) مشہور متکلم اور اصولی ابو بکر محمد بن نورک (م ۲۷۶ھ) محتاج تعارف نہیں۔

اسلامی تاریخ کے آغاز خصوصاً عباسی عہد میں اصفہان علم اور تہذیب و تمدن کا مرکز رہ چکا تھا، لیکن صفویوں کے عہد میں اس کو بڑی غیر معمولی شہرت حاصل ہو گئی، اور ایران کے شہروں میں تو اس کا شمار صفت اول کے شہروں میں ہونے لگا، صفوی خاندان کے حکمران اور بانی شاہ اسماعیل صفوی کی تاج پوشی و تخت نشینی تبریز میں ہوئی تھی، اس بادشاہ نے سب سے پہلے شیخی مذہب کا اعلان کیا، اور اس کو حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا، اور قزوین کو دار الحکومت بنایا، شاہ اسماعیل صفوی کے جانشین شاہ عباس صفوی نے شہر سے کچھ فاصلہ پر نیشاپور کا قدیم شہر واقع ہے، جہاں کی خاک سے خواجہ فرید الدین عطار جیسے عارف اور عسخر خیام جیسے شاعر اٹھے افسوس ہے کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے ہم اس کی زیارت نہ کر سکے۔

(م ۱۶۲ء) ہوئے، جو صفوی سلاطین میں سب سے زیادہ نامور اور عظیم حکمران گذرا ہے اس کے عہد میں قزوین سے دارالحکومت اصفہان منتقل کیا گیا، اصفہان کی جدید تعمیرات، شاندار تمدن، غیر معمولی حسن و جمال شاہ عباس صفوی کا رہن منت ہے، اصفہان کی پڑشکوہ، اوٹا در روزگار عمارتوں کو دیکھ کر شاہ عباس صفوی کے صاف ستھرے تعمیری ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، اصفہان میں ہمارا قیام شاہ عباس صفوی سے منسوب ایسے ہوٹل میں رہا جس کا نام ”مہمان سرائے شاہ عباس صفوی“ ہے، جس پر کسی ہوٹل، یا گسٹ ہاؤس سے بڑھ کر کسی شاہی محل کا دھوکا ہوتا ہے، شہر میں ہر طرف باجائے تاریخی آثار، باغ، اور مزارات ہیں، جن کے سب کے دیکھنے کی نوبت نہ آسکی۔

صفویوں نے تقریباً دو صدی تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی، لیکن دنیا کے ہر حکمران خاندان کی طرح صفوی خاندان بھی زوال و انحطاط سے بچ نہ سکا، انتشار اور بے چینی کے دور کا آغاز ہو گیا، انتشار کے دور میں کبھی کوئی مختصر وقفہ ایسا بھی آجاتا تھا، جب کوئی طاقت ور اور مستحکم قیادت منتشر اور پراگندہ حالی ایران کو سنبھالا دے جاتی تھی، لیکن بلندی ترقی النسل قاجاریوں کی حکومت قائم ہو گئی، آغا محمد شاہ (م ۱۷۹۷ء) کے عہد میں اصفہان سے دارالحکومت تہران منتقل ہو گیا، جس کی اس زمانہ میں کوئی حیثیت نہیں تھی، لیکن انیسویں اور بیسویں صدی کے درمیانی عرصہ میں تہران کے تمدن اور رونق میں اضافہ ہو گیا:

”وَلِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ“

شیراز

ہندوستانی ادبیات و محاوروں، اور شعر و شاعری کے ساتھ شیراز کا نام اس طرح

شیر و شکر ہو گیا ہے، کہ اس کا الگ کرنا مشکل ہے، سعدی کی شیریں کلامی اور حافظ کی خوشنوائی نے شیراز آنے سے پہلے شیراز کا مشتاق و گرویدہ بنا رکھا تھا، فارسی کے شاعر نے صحیح کہا ہے۔

نہ تنها عشق از دیدار خیزد

بسا کین دولت از گفتار خیزد

اسی شیراز میں حکمت و دانائی، اور محبت و معرفت کے سب سے بڑے ترجمان شیخ سعدی (م ۶۹۱ھ) اور خواجہ حافظ (م ۷۹۳ھ) آسودہ خاک ہیں، ان میں شیخ سعدی اپنی شہرہ آفاق کتابوں گلستان و بوستان کی وجہ سے بقائے دوام کے خلعت سے سرفراز ہیں، شیخ کے مدفن کو سعدیہ کہا جاتا ہے، شیخ سعدی کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہوئے ہمیں ان کے مشہور دو شعر یاد آگئے۔

عرض نقشے است کر نایا دماند کہ ہستی را نمی بینم بقائے

مگر صاحب دے روزے ز رحمت کند بر حال این مسکین دعائے

دوسری شخصیت خواجہ حافظ شیرازی کی ہے، جو اپنی عارفانہ و عاشقانہ شاعری کی وجہ سے "ترجمان الغیب" اور سروش غیب بن گئے ہیں، اور جن کی شاعری "ورائے شاعری چیز نے دیگر است" کی مصداق ہے، ان کا یہ شعر خود ان کے حسب حال ہے۔

ایں ہمہ مستی و مدہوشی نہ حد بادہ بود

با حریفان انچہ کرد، آن نرگس متانہ کرد

ان کے مدفن کو "حافظیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جدید شیراز کی آبادی، اور رونق، اور مساجد کی تعمیر میں "زند" خاندان کے حکمران

کریم خاں کا بڑا حصہ ہے، زندہ خاندان نے صفویوں کے بعد ایران پر حکومت کی تھی، اور شیراز کو اپنا دار الحکومت بنایا تھا۔

شیراز اپنی مردم خیزی میں اپنی نظیر آپ ہے، اس خاک سے ایسی باکمال شخصیتیں اٹھیں جو اپنے اپنے فن میں یگانہ روزگار تھیں، ان شخصیتوں میں جامعہ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس علامہ ابوالسحاق شیرازی (م ۱۰۷۵ھ) امام نوح علی ابن عیسیٰ ابوالحسن الرہبی (م ۱۰۷۲ھ) قابل ذکر ہیں، آخر زمانہ میں تو اس کی خاک سے علامہ صدر الدین شیرازی (م ۱۰۶۹ھ) کی شخصیت پیدا ہوئی جن کی دو کتابیں، "الامسفار الاربعة" شرح ہدایت الھکمتہ، "مخروبة معدنا عالمگیر شہرت رکھتی ہے، دوسری شخصیت امیر فتح التمشیرازی (م ۱۰۹۹ھ) کی ہے، جن کے گہرے اثرات ہندوستان کے نصاب درس میں دیکھے جاسکتے ہیں تیسری شہور شخصیت امیر غیاث الدین منصور کی ہے۔

ایران کی سب سے قدیم اور تاریخی یادگار تخت جمشید کو بھی دیکھا، تخت جمشید کو دارائے اول نے اپنا پایہ تخت بنایا تھا، آج اس کو ڈھائی ہزار سال ہو رہے ہیں، وہ آج سے ڈھائی ہزار سال قبل تہذیب و تمدن کا مرکز تھا، اس کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اور اس زمانہ کی حیرت انگیز انجینئرنگ اور فن تعمیر کی نادر اور شاہکار نمونوں کو دیکھ کر تصور پیرت بن جاتا ہے، تخت جمشید اپنی غیر معمولی بلندی، بھاری بھکم پتھروں کو اوپر لے جا کر سلیقہ و صفائی، اور خوبی سے جوڑنے اور مزاروں کی غیر معمولی مہارت و صلاحیت کو دیکھ کر بے اختیار، ہرام مصر یاد آجاتے ہیں، اور تعمیری ذوق کی داد دینے پر سیاح مجبور ہو جاتا ہے، ایران کی

لے ہندوستان کے نصاب درس میں صدرا گیا رہویں صدی ہجری سے داخل نصاب ہے، اس کے حصول

اور اس میں مہارت کے بغیر طالب علم فارغ التحصیل، اور فاضل نہیں سمجھا جاتا تھا۔

حکومت نے اکتوبر ۱۹۷۱ء میں یہاں ڈھائی ہزار سالہ جشن بڑے ترک و احتشام سے منایا تھا اس جشن میں تمام دنیا کے سربراہان مملکت، وزراء اے اعظم، اور سفارتی نمائندوں نے شرکت کی تھی، اس جشن پر جو غیر معمولی اخراجات ہوئے تھے، اس کی تفصیلات سن کر الف لیلیٰ داستان کا گمان ہونے لگتا ہے، تخت جیشد شیراز سے صرف ساٹھ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔

ان تاریخی آثار اور عمارتوں کو دیکھ کر میں سوچنے لگا کہ آخر صحراے عرب کے گلابان اور خانہ بدوش کیسے اس تمدن، ترقی یافتہ، اور علم و دانش سے معمور سرزمین کو زیر نگین کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس کے خمیر میں قیادت و سیادت تھی، اور جنسل درنل ہزاروں سال سے حکومت کرتی آرہی تھی، دل نے یہی جواب دیا کہ یہ سب ایمان کی طاقت کی کار فرمائی اور اسلامی تعلیمات کا فیض ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے بیشتر بان تمدن کے مساسد اور شہنشاہ کی زندگی سے کوسوں دور تھے۔

شیراز میں ہمارا قیام "سائرس ہوٹل" میں رہا، سائرس بڑے نامور ایرانی شہنشاہوں میں گذرا ہے، اس کو ایران کی عظمت رفتہ کا نشان، اور ایرانی شان و شوکت کا رمز تصور کیا جاتا ہے، قرآن مجید نے سورہ کہف میں ذوالقرنین کے نام سے جس شخص کا تذکرہ کیا ہے، بعض محققین کے نزدیک اس سے زیادہ سائرس اعظم ہے، یہودی سائرس اعظم کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں، اس لئے کہ اسی نے بخت نصر کے جنگل سے یہودیوں کو نجات دلا کر فلسطین انھیں واپس کیا تھا، اسی سائرس اعظم کی یاد میں ایرانی حکومت نے ڈھائی ہزار سالہ جشن بڑے لہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر "ترجمان القرآن" اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے "تفسیر القرآن" میں اسی قول کو ترجیح دی ہے، لیکن جدید ترین تحقیقات کی روشنی میں بعض اہل علم کو اس میں کلام ہے، تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

نرگ و احتشام سے منایا ہے، سائرس ہٹول کا شمار ایران کے ان بڑے ہونٹوں میں ہوتا ہے، جہاں ہٹول کی تزیین و آرائش، اس کے ملازمین کے لباس اور وضع قطع، اور کھانوں میں بھی قدیم ایرانی تہذیب و معاشرت کے مظاہرہ کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے، شہر کے دوسرے ہونٹوں میں بھی اسی وضع قطع کا اہتمام کیا گیا ہے، ہم نے دوپہر کا کھانا سرائے مشیر میں کھایا جو شیراز کے قدیم تمدن کی حکما سی کرتا ہے، ملازمین کا لباس وہی ہے، جو صفویوں کے عہد یا قدیم ایران میں شاہی خادموں کا ہوا کرتا تھا۔

شیراز کے رہنے والے فطرتاً خوش طبع، اور لغتہ و سرود کے شیدائی ہیں، شب کو جب پورا شہر لغتہ و موسیقی، اور رنگ و نور کے سیلاب میں بہ رہا تھا، میں ہٹول کی بالکنی پر بیٹھا، یادوں کے سمندر میں غرق، ماضی کی تاریخ، اور زمانہ کے واقعات و انقلابات میں ایسا محو تھا، جیسے میری نگاہوں کے سامنے کسی ڈرامہ کے مختلف مناظر ہوں، جن کے کردار اور مناظر بار بار تبدیل ہو رہے ہیں، قرآن مجید کی یہ آیت میری زبان پر بار بار آرہی تھی:-

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۗ

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَاةُ

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (النسکبوت - ۶۴)

اور دنیوی زندگی بجز لہو و لعب کے اور

کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت ہے

اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے

بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گئے ہیں ان کا

انجام کیا ہوا وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے

ہوئے تھے اور انھوں نے زمین کو بھی بویا جوتا

تھا اور حقا انھوں نے اس کو آباد کر رکھا ہے

يُظِلُّهُمْ وَاللَّيْلِ كَالْوَأَانِ أَنفُسَهُمْ
 ان کے زیادہ انھوں نے اس کو آباد کیا تھا، اور
 ان کے پاس بھی ان کے سپنیر معجزے لیکر آئے
 تھے، سو خدا ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ
 (الروم - ۹)

تو خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔

ایران کا یہ سفر اپنی نوعیت اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے میرے لئے خاص
 اہمیت رکھتا تھا، ایران کی مجلسوں اور محفلوں میں اس کا خوب چرچا ہوا، ریڈیو اور ٹیلی ویژن
 کے ذریعے بھی اس کی اشاعت ہوئی، سیر و سیاحت سے دل چسپی رکھنے والے اس جائزہ سے
 سفر کی ایک اجمالی تصویر اپنے ذہن میں تیار کر سکتے ہیں، اور اس سفر کی تاریخی قدر و قیمت اور
 علمی و سماجی فوائد کا ایک عام اندازہ کر سکتے ہیں۔

غریب شہر سخنہائے گفتنی وارد

سفر کے اختتام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے چند نقوش و تاثرات بھی پیش کر دیئے
 جائیں، اس لئے کہ اس سفر کی قدر و قیمت محض یہ نہیں ہے، کہ یہ مشرق کے ایک اسلامی ملک کی
 سیاحت اور خیر سگالی کا دورہ تھا، بلکہ اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے یہ سفر تمام تاریخی
 سفر ناموں، اور آثار قدیمہ کی زیارت، اور جذبہ خیر سگالی سے زیادہ نتیجہ خیز تھا، ہم اس موقعہ
 پر اس سفر کے ان خوشگوار اور تابناک پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن سے
 ہمیں کام کا ایک نیا میدان، اور امید کی ایک نئی کرن دکھائی دیتی ہے، اور جو مستقبل کے لئے
 فال نیک بن سکتے ہیں، ہم ایسے پہلوؤں کی طرف بھی اشارہ کریں گے، جو باعث حیرت ضرور
 ہوں گے، مگر اس کے لئے تھوڑی سی وسیع النظری، اور کشادہ دلی سے کام لینا ہوگا، ساتھ ہی

کہنے والے کے خلوص و حسن نیت پر بھی اعتماد کرنا پڑے گا، ہمارے ایرانی بھائی عالی ظرف، اور شریف النفس ہیں، اس لئے توقع ہے کہ ایران کے دوران قیام میں ہم نے جو محسوس کیا، اور ہمارے جو تاثرات ہیں، ان کے اظہار میں وہ ہماری جرأت و صاف گوئی کا خیر مقدم کریں گے۔

۱۔ ایران کے سفر میں ہم نے جس چیز کا مشاہدہ کیا، اور اس نے ہماری مسرت میں اضافہ کیا، وہ ایرانیوں کا جذبہ اخوت اور عالمگیر اسلامی اتحاد و تعاون کا جذبہ ہے، جو وہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر متفق ہو کر ظاہر کرنا چاہتے ہیں، ہم صفائی سے اعتراض کرتے ہیں کہ یہاں آنے سے پہلے اتحاد و تعاون کے اس جذبہ، اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے ساتھ دوستی و تعاون اور بھائی چارہ اور اپنائیت کے اس احساس کا تصور نہیں کرتے تھے، ہمیں اس بات کی توقع نہ تھی کہ ہمارے ایرانی بھائی اس عالمگیر لادینیت کے خلاف متحد ہو کر صف آرائی کی خواہش رکھتے ہیں، جو مذاہب عالم، اور تمام اخلاقی اقدار کے لئے چیلنج ہے، اور جو شیعوہ، سنی، حنفی، شافعی، اور مقلد و مجتہد کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتی، ایران میں ہر مجلس کی گفتگو کا آغاز اکثر اسی موضوع سے ہوتا، اور اسی پر اختتام بھی، مجلسوں اور محفلوں میں عام طور سے یہی موضوع سخن ہوتا، بلاشبہ یہ بہت مبارک اور قابل قدر جذبہ ہے، عالمگیر اخوت اسلامی سے دل چسپی رکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ ہمارے ایرانی بھائیوں کے ان جذبات سے فائدہ اٹھائیں اور اسلام کی خدمت میں اس سے کام لیں، اور اس میں مزید ترقی کی کوشش کریں، اس لئے کہ افتراق اور غلو سے مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً شدید نقصان پہنچا ہے، ساتویں صدی ہجری میں تو اس اختلاف کی شدت نے تاریخ کے سب سے بڑے سانحہ سقوط بغداد کو جنم دیا، اسی اختلاف اور غلو پسندی نے

۱۲۔ بیٹھ صدی شیرازی نے مسلمانوں کے اس المیہ، اور تاریخ کے اس عظیم سانحہ پر جو درد ناک مرثیہ کہا ہے
(باقی صفحہ پر)

مسلمانوں کو یورپ فتح کرنے اور اس کے آخری حد و تنگ جانے میں رکاوٹ ڈالی، اسی کے نتیجے میں ہندوستان میں پہلے حکومت کمزور ہوئی پھر آخر میں اس کا چراغ ہی گل ہو گیا۔

۲۔ ایران کے سفر میں دوسری چیز جس سے ہمیں مسرت ہوئی، وہ اسلامی آثار سے دل چسپی عربی زبان سے تعلق، اسلامی کتابوں کی اشاعت، علماء کے کارناموں کے احیاء اور قرآن کی بہترین کتابت و طباعت سے دل چسپی و شیفگی ہے، ہمیں ایران میں نادر قرآنی مخطوطات کی حفاظت و اہتمام، اور قرآن کی اعلیٰ نفیس طباعت دیکھ کر ایرانیوں کے قرآن کی عظمت و احترام کا اندازہ ہوتا ہے، جلسوں وغیرہ میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، خاص طور سے مصری قراء کی تلاوت کی ہوئی آیات ٹیپ ریکارڈ سے سنانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۳۔ ہمیں ایرانیوں کی دینی غیرت و حمیت دیکھ کر بھی خوشی ہوئی، وہ اسلام کے خلاف سازشی تحریکوں کے بارے میں خاصے حساس واقع ہوئے ہیں، بہائیت^۱ جو ایران ہی میں پیدا ہوئی، قانونی طور پر ممنوع ہے، اور بہائی مذہب کے ماننے والوں کو اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے، اسی طرح قادیانیت کو بھی خارج از اسلام فرقہ سمجھا جاتا ہے، اور اس سے دینی حلقوں میں خاصی نفرت پائی جاتی ہے، کمیونزم اور دہریت کے ساتھ دشمنی میں بھی ایرانیوں کی غیرت و حمیت اسلامی ملکوں کے لئے، خاص طور پر پاکستان کے لئے قابل رشک اور قابل تقلید ہے، جس کے ایران سے بہت اچھے تعلقات ہیں۔

(باقی صفحہ ۹۷ کا) اس کا مطلع یہ ہے۔

آسمانِ راحق بود گزفون بار د بزمین بر زوال ملک ستغم امیر المومنین

۱۔ ہمیں اپنے سفر کے دوران یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ بہائیوں کے اثرات ایران میں بڑھتے جا رہے ہیں، بعض کلیدی عہدے ان کے ہاتھ میں ہیں، اور بعض اہم سرکاری منصبوں پر بہائی ہونے کا شہ کیا جاتا ہے۔

۴۔ حسن اخلاق، شیریں زبانی، مہمان نوازی اور تواضع یہ وہ امتیازی اوصاف ہیں جن کا تجربہ ایک مسلم سیاح کو ایران میں قدم قدم پر ہوتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے ہی بھائیوں اور دوستوں کے درمیان اپنے ہی وطن میں ہے، یہیں جس شہر میں بھی جانے کا اتفاق ہوا ہم نے وہاں حکومت کے ذمہ داروں، شہر کے شرفاء اور معززین کو اپنا منظر اور چشم براہ پایا، جب ہم کار کے ذریعہ شہر ترقم جا رہے تھے، تو اگرچہ ہمیں پہنچنے میں خاصی تاخیر ہو گئی تھی، لیکن ہم نے حکومت کے ذمہ داروں، اور علماء و معززین کو راستہ کے دونوں طرف دھوپ میں منظر پایا، اس مختصر سفر میں ہمیں اس کا بار بار تجربہ ہوا۔

آخر میں ہم اپنے ایرانی بھائیوں، اور علماء و قائدین کو چند اہم امور کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

۱۔ انسان اور کائنات کی تخلیق کا بنیادی مقصد، اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور صحف سماوی کے نزول کی غرض و غایت یہی تھی کہ اس دنیا میں خدائے تعالیٰ کی عبادت ہو، اور اسی کو لائق پرستش سمجھا جائے، اطاعت شعاری، وفاداری، شہوع و خضوع، اور محتاجی و بندگی کا احساس، یہ وہ صفات ہیں، جو بندے میں خدا کو وحدہ لا شریک ماننے سے پیدا ہوتی ہیں، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ مخلوق کو خالق کے ساتھ قلبی اور جسمانی طور پر مربوط و وابستہ کر دیں، اور مخلوق کو جسم و جان کے ساتھ خالق کی طرف متوجہ کر دیں، اور اس کی چوکھٹ پر اس کا سر جھکا دیں، انبیاء علیہم السلام کا یہی مقصد جیتا یہی تمنا و آرزو، اور ان کی خوش قسمتی و سعادت کا یہی معراج کمال تھی اس سے ان کی روح کو راحت، اور قلب کو بالیدگی حاصل ہوتی تھی، وہ اس دنیا میں اس لئے تشریف نہیں لائے تھے کہ خالق و مخلوق کے درمیان سد راہ بنیں، یا انسانوں کو کسی خاص گھرانے

سے منسلک، اور کسی خاندان کا فرمان بردار، یا کسی نسل و خاندان سے ہمیشہ کے لئے وابستہ کریں۔
 خون اور رشتہ کا تقدس، نسلی و خاندانی غرور اپنے بیٹوں اور پوتوں کے لئے پیشوائی
 کی گدی قائم کر جانا، اور ان کے لئے بڑی بڑی حکومتوں کی بنیاد ڈالنا، اور دائمی سیادت و
 قیادت کی سند قائم کرنا جو ان کی اولاد میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہے، ان کے مالی مفادات کو
 صدیوں کے لئے محفوظ کر جانا، اور اس کا انتظام کر جانا کہ ہمیشہ کے لئے ان کے مافوق البشر
 ہونے کا عقیدہ لوگوں کے دلوں میں جاگزیں رہے، اور ان کے امتیازات کے گن گائے
 جانے رہیں، بائیان سلطنت، حوصلہ مند قائدین، دنیا طلبوں، اور مادی منافع کے پرستاروں
 کی نفسیات رہی ہیں، جن کی مثالیں بکثرت حکومتوں اور شاہی خاندانوں کی تاریخ میں زمانہ تیکہ
 میں ملتی ہیں، انبیاء علیہم السلام ان باتوں سے ماوراء، اور ان کی ذات گرامی ان نام آلاشوں
 سے پاک و صاف ہوا کرتی ہے، قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی
 بعثت و دعوت اور ان کی ذات گرامی کی اس خصوصیت کو بڑے بلیغ اور مؤثر انداز میں
 بیان فرمایا ہے۔

کسی بشر کے لئے یہ روا نہیں کہ اللہ اس کو کتاب	مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ
اور حکم و نبوت کا منصب عطا فرمائے، پھر وہ	وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ، ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ كُونُوا
لوگوں سے کہ تم خدا کے سوا خود میرے بندے	عِبَادَ اللَّهِ مِنْ دُونِ اللَّهِ، وَلَكِنْ كُونُوا
بن جاؤ، بلکہ اس کی تعلیم و ہدایت یہ ہوگی کہ تم	رَبَّانِينَ، بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، الْكِتَابَ
جس طرح کتاب اللہ پڑھنے پڑھاتے ہو اس کے	وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝
مطابق ربانی یعنی صرف اللہ کے پورے فرمانبردار	وَأَيُّكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ
بندے بن جاؤ، وہ تم کو ہرگز یہ حکم نہیں دے سکتا کہ	وَالنَّبِيِّينَ آدْبَابًا، أَيُّكُمْ

بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝
 تم فرشتوں اور نبیوں کو ارباب بنا لو، کیا وہ
 تمہارے مسلم ہو جانے کے بعد تم کو کفر کا حکم
 (آل عمران ۷۹-۸۰) دے گا۔

اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی چیزوں سے ہمیشہ چوکتا رہا کرتے تھے، اور
 کسی ایسی بات کو قطعاً گوارا نہیں کرتے تھے، جس سے غیر اللہ کے لئے کسی خدائی تقدیس و تعظیم
 کا شائبہ بھی نکل سکے، یا عبادت و عبود کے درمیان کوئی حائل ہونے کی کوشش کرے، اور اس تعظیم
 و تقدیس کا کوئی ادنیٰ جذبہ بھی غیر اللہ کے لئے پیدا ہو، خواہ اس کا تعلق انہی کی ذات سے ہو،
 یا کسی تاریخی آثار، عبادت گاہ یا مزار سے ہو، صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ تو میری قبر کو ایسا بت نہ بنا جس کی پرستش کی جائے،
 ایسے لوگوں پر خدا کا غضب ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، پھر
 ارشاد فرمایا: یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو
 سجدہ گاہ بنا لیا، انہوں نے جو کچھ کیا اس سے آپ ڈراتے تھے، ایک دوسری حدیث میں
 ارشاد فرمایا: "لا تفعلوا قبوری عیداً" (میری قبر کو جشن نہ بنا لو) اس موضوع پر
 احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔

گذشتہ قوموں کی تاریخ اور تجربات نے یہ بات روز روشن کی طرح واضح کر دی
 ہے کہ جس جماعت اور قوم نے بھی زیارت گاہوں اور قبروں پر جشن منانا شروع کیا، وہ
 بالآخر حرم مقدس اور مسجدوں سے بے پروا، نماز باجماعت کے اہتمام سے بے تعلق، اور
 ہر مصیبت و آفت کے وقت خدا کے سامنے جھکنے، اس کی طرف رجوع کرنے، اور

لہ مؤطا: ۳۵ متفق علیہ۔ ۳۵ ابوداؤد، اس روایت کے راوی اہل بیت کرام ہیں۔

جذبہ عیودیت و بندگی سے خالی ہو گئی ہے۔

ایران کے دوران قیام ہم نے مسجدوں کی بہ نسبت زیارت گاہوں کو زیادہ مہمور، پر رونق، اور زائرین سے آباد دیکھا، جس سے اندازہ ہو کہ لوگوں کو ان مزاروں سے غیر معمولی لگاؤ اور قلبی تعلق ہے، جب ایک سیاح سیدنا امام علی رضا کے مزار پر حاضر ہوتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی مزار پر نہیں، بلکہ حرم میں ہے، جو حجاج سے بھرا ہوا ہے، جہاں آہ و بکا کی صدائیں ہر طرف بلند ہیں، مردوں اور عورتوں کے غیر معمولی اژدحام کا عجیب منظر ان مشاہدین نظر آتا، غیر معمولی تزئین و آرائش، دولت مندوں اور اہل ثروت کے نفیس تحائف، اور مختلف طبقوں کے زائرین کے نذر و نیاز سے پٹے پڑے نظر آئے، حرم کی، اور حرم مدنی، اور اس مزار کے درمیان بشکل امتیاز کیا جاسکتا ہے، یہی حال تھوڑے فرق کے ساتھ قم میں سیدہ محصومہ کے مقبرہ کا ہے۔

ایران میں مسجدیں عظیم الشان، اور فن تعمیر کے اعتبار سے تو بعض مسجدیں نادر و نونہ ہیں، ان کی نظیر دوسرے اسلامی ممالک میں بھی مشکل سے ملے گی، لیکن مقابر و مزارات کے مقابلہ میں ان کی حالت عبرت ناک ہے، ان مسجدوں میں نہ مقابر و مزارات کی طرح بھیر نظر آتی ہے، اور نہ وہ جوش و جذبہ اور قلبی تعلق نظر آتا ہے، جو ان مزارات پر دیکھنے میں آتا ہے، بیشتر ”مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے“ ہم مذہب اثناعشری میں عبادات کے خصوصی مسائل اور حج بین الصلاتین، اور امامت کے نازک شرائط سے بے خبر نہیں ہیں، لہذا اس کا اندازہ ہے کہ فقہ جعفری میں بہت سی ایسی گنجائشیں ہیں،

لے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی تو آپ نماز میں مصروف ہو جاتے۔ (ابوداؤد)

جو مذاہب اہل سنت میں نہیں ہیں، اس کے باوجود ہمارا احساس ہے کہ یہ عین ممکن تھا کہ مسیحا کی نمازیوں سے اس سے زیادہ معمور نظر آتیں، اور تسبیح و تلاوت کی آواز سے گونجتیں اور مقابر و معمرات کے مقابلہ میں یہاں زیادہ آبادی اور زندگی پائی جاتی، امید ہے کہ ایران کے علماء و فضلاء، اور جو لوگ دینی غیرت سے بہرہ مند ہیں (اور ان کی بڑی تعداد ہے) وہ اس اہم مسئلہ کی طرف اپنی خصوصی توجہ منعطف کریں گے، یہاں تک کہ باہر سے آنے والے کو مساجد و مشاہد کا اتنا فرق نہ محسوس ہوگا۔

۱۔ اس حقیقت و واقعیت کا اعتراف کرنا ضروری ہے، کہ قبر پرستی، اور دور سے اس مقصد کے لئے خصوصی سفر، سالانہ عرس و اجتماع، اور شرکانہ اعمال و رسوم، برصغیر ہندو پاک و مصر کے اہلسنت میں بھی بکثرت مروج ہیں، لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا ہوگا کہ ہر زمانہ میں سلف سے خلفت تک ایسے حق گو اور صداقت کے علمبردار علماء بڑی تعداد میں موجود رہے جنہوں نے ان بدعات اور شرکانہ رسوم و رواج کی کھل کر مخالفت کی اور اس کی بیخ کنی کے درپے رہے اس راہ میں انکو جہلم و عوام کے غیظ و غضب کا بھی نشانہ بننا پڑا، لیکن وہ ہمیشہ عوام کو ان گمراہیوں سے بچتے رہنے کی تلقین کرتے رہے، اور کسی ملامت اور مخالفت کی پروا کئے بغیر حق گوئی و بے باکی سے توجیداً فالص کی دعوت دیتے رہے، ان مصلحین سے عالم اسلام کا کوئی خطا و تاج اسلام کوئی وقفہ خالی نہیں ہا
مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کی کتابیں قبر پرستی اور شرکانہ بدعات و رسوم کی مذمت سے بھری ہوئی ہیں، اثنا عشری حضرات کی اصلاح و تجدید کی تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات بہت محدود ہیں، ہمیں اس کا علم نہیں کہ شیعہ حضرات میں ایسے داعی و مصلحین امت ہوئے ہیں یا نہیں، جنہوں نے قبر پرستی اور شرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف اعلان جہاد کیا ہے، توجیداً فالص کی دعوت میں کسی مخالفت و خطرہ کی پروا کی ہو۔

اہل بیت کی عقیدت و محبت میں غلو کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؑ اور
 ائمہ اہل بیت کی تصویریں کثرت سے گھروں اور مسجدوں میں نظر آتی ہیں، بلکہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصاویر بھی جا بجا آویزاں نظر آئیں، خاص طور پر مسجد سپہ سالار تہران
 میں وہ بری طرح سے آنکھوں کو چھپیں، یہی تصویریں بت پرستی اور شرک تک لے جاتی ہیں،
 گذشتہ قوموں نے صلحاء و اولیاء کی تصویریں اور مجسمے تراش کر بت پرستی کی بنیاد ڈالی تھی،
 اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو اس خطرہ سے محفوظ رکھے، اور تمام مشرکانہ رسوم و رواج سے
 حفاظت فرمائے۔

۲۔ حضرات ائمہ اہل بیت ہمیشہ تاریکی میں مینارہ نور، اور ہدایت و رہنمائی کے امام
 رہے ہیں، اس میں کسی صحیح العقیدہ مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا، لیکن ہمارا احساس یہ ہے کہ
 شیعہ حضرات کا ان ائمہ اہل بیت سے اتنا غیر معمولی جذباتی تعلق، اور اہل بیت کی محبت
 میں حد سے بڑھا ہوا انہماک، عقل و جذبات اور ضمیر پر غالب آ گیا ہے، اور ہمارا تاثر یہ ہے کہ
 اس شیفتگی و شغف نے اس تعلق و محبت کو کسی حد تک مجروح اور کمزور کر دیا ہے، جو نبوت محمدیؐ
 اور ذات نبوی کے ساتھ ہر مسلمان کا ہونا چاہئے، جس کی وجہ سے اہل بیت نے عزت و شرف
 کا مقام حاصل کیا، اور وہ ہماری محبت و تعظیم کے مستحق قرار پائے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
 اس اندرونی ربط و تعلق کا ایک حصہ جو اس ذات گرامی کے ساتھ مخصوص تھا، اس تعلق میں
 داخل ہو گیا۔

۳۔ صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ام المومنین ام سلمہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک گرجا گھر کا ذکر کیا، جو انھوں نے (اپنی
 ہجرت کے موقع پر) ملک حبش میں دیکھا تھا، انھوں نے ان تصویروں کا بھی ذکر کیا جو حضرت (باقی صفحہ پر)

چنانچہ ایران کے اخیر دور کے نعتیہ کلام میں (جس کی کچھ زیادہ مقدار نہیں ہے) وہ خوش و خروش، طبیعت کی روانی، اور مضامین کی آمد نہیں ہے، جو ان نظموں میں نظر آتی ہے، جو مناقب اہل بیت، مرثیے، اور خاص طور پر سیدنا علی مرتضیٰ، اور حضرت حسین کی مدح و توصیف، اور مصائب اہل بیت کے بیان میں کہی گئی ہیں۔ یہ فرق شیوہ حضرات کے یہاں ہر جگہ نعت نبوی، اور اہل بیت کی مدح و توصیف کے درمیان دیکھا جاسکتا ہے، اردو میں انیس و دسیر کے مرثیے پڑھے، اور اس کا خود ان کے اور دوسرے شعرا کے نعتیہ کلام سے مقابلہ کیجئے، جو ان کے ہم مسلک، اور ہم مذہب تھے، دونوں میں آمد و آورد، اور اصل و غنمی کا فرق محسوس ہوگا، کم و بیش یہی فرق سیرت نبوی، اور مناقب اہل بیت میں پایا جاتا ہے، یہی چیز ہم نے ایران میں دیکھی کہ وہاں مشاہد و مقابرا سے جو تعلق ہے، وہ مساجد سے نہیں معلوم ہوتا، نجف و کربلا، اور عبات عالیہ کے سفر کا جو شوق ہے وہ حرمین شریفین کی زیارت، اور سفر حج کے سلسلہ میں نظر نہیں آتا۔

(باقی ص ۱۰۶ کا) عیسٰی اور مریم کی وہاں موجود تھیں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب کسی نیک آدمی، یا نیک بندہ کا انتقال ہو، تو اس کی قبر پر سجد کی تعمیر کرتے، اور اس مسجد میں اس کی تصویریں لگاتے، اللہ تعالیٰ کے یہاں بدترین خلایق میں ان کا شمار ہے۔

سیرت ابن ہشام کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، اور آپ نے فرشتوں وغیرہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویریں دیکھیں تو آپ نے حکم دیا کہ یہ سب تصویریں مٹا دی جائیں۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۱۳۱)

لے ادر چند برسوں سے ایرانیوں میں حج کے سفر کا شوق، اور ایرانی حجاج کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے، حکومت ایران اور وہاں کے محکمہ اوقات نے اپنے حجاج اور زائرین کی سہولت و راحت کے لئے جو انتظامات کئے ہیں، وہ بھی قابل تعریف، اور قابل تقلید ہیں۔

ہو سکتا ہے، ہمارے اثنا عشری بھائیوں میں یہ رد عمل اہل سنت کے بعض علماء اور پرچوش حضرات کے رویہ اور اہل بیت کے حقوق کے اعتراف میں کوتاہی سے ہوا ہو، لیکن یہ بات رد عمل سے کچھ آگے بڑھی ہوئی ہے، محبت و عقیدت، جوش و جذبہ، اور تقدیس و تعظیم کا جو ہالہ اس روحانی مرکز کے گرد بن گیا ہے، اور اس کی مدح و توصیف میں جس مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا اس سے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ چیز امامت کو نبوت کا حریف، اور اس کی بہت سی صفات و خصوصیات میں شریک و سہم نہ بنا دے، اگر ایسا ہوا تو پوری زندگی کا دھارا ایک ایسے مرکزی طرفن بوجائے گا، جو افضل الانبیاء، خاتم النبیین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو پر پہلو پروان چڑھے گا۔

اس نقطہ نظر کے اثرات و نتائج شعر و ادب، اور سوچنے سمجھنے کے انداز میں بھی ظاہر ہونے قدرتی ہیں، میں اس کی تفصیل میں زیادہ جانا نہیں چاہتا، لیکن ہمارے مضمت مزاج ایرانی بھائی اپنے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کریں، تو انہیں اس کا اندازہ ہو گا کہ خواہ وہ وہ فیصد یا ان باتوں سے اتفاق نہ کریں، تاہم یہ باتیں ان کو از سر نو غور کرنے کی دعوت ضرور دیتی ہیں، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا، کہ ائمہ اہل بیت دین اور توحید خالص کی دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح جانشین تھے، وہ ہر اس چیز کے دشمن تھے، جو مخلوق کو اپنے خالق سے غافل کر دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس دین کو لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ اس کے حق میں سب سے زیادہ غیرت مند تھے، اور کسی ایسی چیز کو قطعاً گوارا نہیں کرتے تھے، جو خالق و مخلوق کے تعلق کو کمزور کر دے، یا مخلوق کو مخلوق کے ساتھ مشغول کر دے، ان کی دعوت و کوشش مخلوق کے بجائے خالق سے رابطہ قائم کرنے، ظاہر دنیا سے بے رغبتی، زہد و توکل کی زندگی، اور علم نافع کی اشاعت میں مشغولیت تھی۔

مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے، اور شیعیہ مینیوں کے درمیان وسیع اور گہری خلیج کو چر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جذبات و تعلق کے اس کزنٹ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت، اور آپ کی نبوت کی طرف موڑ دیا جائے، اس لئے کہ آپ کی ذات گرامی مسلمانوں کا مرکز توجہ ہے، اور آپ کی نبوت ہی سے حیثیتہ الملتا ہے، اور آپ ہی وہ روشن چراغ ہیں، جس نے پوری دنیا کو منور کیا ہے، یہ ایسا عظیم الشان تجدیدی کام ہے، جس کے لئے نہایت قوی الارادہ، صاحب عزم، بلند ہمت مصلحین و مفکرین کی ضرورت ہے، جب بھی یہ کام پورا ہوگا، اسلام کی فکری، اور تجدیدی تاریخ میں ایک انقلاب انگیز، اور بے نظیر کارنامہ ہوگا، اسی ٹھوس اور مستحکم بنیاد پر حقیقی اور فطری اسلامی اتحاد قائم ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ ہر کوشش مصنوعی اور غیر فطری ہوگی۔

۳۔ اگر اٹھ عشرتی حضرات خلوص دل سے چاہتے ہیں، کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے ایک دوسرے سے قریب آئیں، اور وہ صاف دل سے متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہوں تو انھیں صحابہ کرام، اور اہل بیت المؤمنین کے بارے میں اپنے طرز فکر میں تبدیلی کرنی ہوگی، اس لئے کہ افراد اور جماعتوں کی محبوب و محترم شخصیتوں کا جب تک احترام نہ کیا جائے گا، اس وقت تک یک جہتی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی، یہ بات سمجھیں نہیں آتی کہ دو آدمی ایک مقصد کے لئے جوش و خلوص، صاف دلی اور جذبہ و تعاون سے آپس میں مل بیٹھیں، لیکن ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے مثالی محبوب و محترم، اور محبت و عقیدت کی مرکزی شخصیت کو نامناسب الفاظ میں یاد کرے، طنز و تشبیہ، اور بے سرو پا الزامات لگانے کو خدا کے یہاں تقرب کا ذریعہ خیال کرے، ہم میں سے ہر شخص کو اس کا تجربہ ہے، جب اساتذہ و شیوخ، اور آبا و اجداد کے بارے میں ہمارا یہ تجربہ ہے تو بھلا ان پاک نفوس کے بارے میں ہمارا کیا حال ہوگا، جن کو

انسان اپنے آبا و اجداد، اور اساتذہ و شیوخ سے کہیں زیادہ افضل اور بزرگ سمجھتا ہے، اور ان پر اپنی جان نثار کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، اور ان کو دین کا سچا خادم، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جان نثار فدائی خیال کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ صحابہ کرام نے خدا کی راہ میں جہاد کیا ہے، اور دینی دعوت کے میدان میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، اور دنیا کی زندگی میں زبردست تقشف اور ایثار و قربانی کے لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔

اس جذباتی پہلو سے قطع نظر اس مسئلہ کی بہت بڑی تبلیغی اہمیت، اور علی قدر قیمت ہے، لوگ ہمیشہ دعوت کی صداقت، اور کسی مذہب کی تعلیمات کی خوبیوں کا فیصلہ اس سے کرتے ہیں کہ اس دعوت نے کیسے اخلاقی نمونے، اور علی مثالیں پیش کیں، اس دعوت نے اپنے ابتدائی دور میں کس طرح کی نسل تیار کی، اور آدم گری، و مردم سازی کا کیا کمال دکھایا، صداقت کو اپنی دعوت و تربیت میں کہاں کہاں کیا حاصل ہوئی؟ اساتذہ و معلمین، قائدین و مصلحین، اور ماہرین فن و صناعات کی کامیابی کا بھی ہمیشہ سے یہی پیمانہ رہا ہے، اگر ان کو اپنی کوششوں میں معتدبہ کامیابی حاصل ہوئی، اور انھوں نے خاصی تعداد میں ایسے لوگ تیار کئے جن سے ان کے کمال فن کا اظہار ہوتا تھا اور ان کی محنت ٹھکانے لگتی تھی، تو ان کی فنی مہارت، اور ان کا امتیاز بے چون و چرا تسلیم کر لیا گیا، اور ان کو اس فن کا امام اور اپنے مقصد میں کامیاب مان لیا گیا، لیکن اگر ان کی کوششوں کے نتائج برائے نام، اور کامیابی بہت محدود پیمانے پر ہوتی ہے، یا اپنے شاگردوں، اور ماننے والوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی جدوجہد ضائع ہو جاتی ہے، اور یہ شاگرد اپنے اساتذہ اور مربیوں کے اس دنیا سے جاتے ہی ان کی جدوجہد کو ناکام ثابت کر دیتے ہیں، اور ان کی تربیت کے اثرات بہت جلد زائل ہو جاتے ہیں، تو ان اساتذہ اور مربیوں کو اپنی تعلیم و تربیت کی مہم میں ناکام سمجھا جاتا ہے۔

اس موقع پر لوگ یہ سوال کرنے میں حتیٰ بجانب ہوتے ہیں، کہ جب یہ دعوت اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دور عروج میں کوئی دیر پا، اور گہرے نقوش ترکم نہ کر سکی اور جب اس دعوت پر ایمان لانے والے ابتدا ہی میں اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس صراطِ مستقیم پر صحابہ کرام کو چھوڑا تھا، ان میں سے معدومے چند آدمی ہی اس پر گامزن رہ سکے، تو ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ اس کے اندر نفوس کے تزکیہ کی صلاحیت ہے، اور وہ انسان کو حیوانیت کی پستی سے نکال کر انسانیت کی بلند چوٹی تک پہنچا سکتی ہے۔

دعوت و تبلیغ کی ایک اہم ضرورت، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت و تاریخ کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم صحابہ کرام کے محاسن کا اعتراف کریں، ان کے کازنامے کی عظمت و اہمیت، ان کی وفاداری، باہمی محبت و تعاون علیٰ الحق کے نقوش کو اجاگر کریں، اور اس تابناک تاریخ کا یہ روشن ورق دنیا کے سامنے پیش کریں،۔۔۔ ان کی بھول چوک، اور بشری کمزوریوں کی حیثیت تاریخ کے صاف شفاف صفحہ پر ایک سیاہ نقطہ سے زیادہ نہیں، صحیح منطق اور عقل سلیم بھی اس موقف کو قبول کرتی ہے اور قرآن مجید اور مستند تاریخ سے بھی یہی موقف درست ثابت ہوتا ہے، قرآن مجید نے بھی سابقین اولین، اور سلف صالحین کے متعلق اسی روش کو قابلِ تعریف قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:-

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا
بِالْإِيمَانِ، وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا
اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے
ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہماری ان بھائیوں کو
جو ہم سے پہلے ایمان میں داخل ہوئے، اور نہ رکھ

غَلَا لِلدِّينِ امْرُؤَاتِنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ

تو ہی نرمی والا مہربان ہے! (المحشر: ۱)

گذشتہ قوموں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان کے انبیاء علیہم السلام کے حواری اور رفقاء مخلوق خدا میں سب سے بہترین لوگ ہیں یہ تو میں اپنے پیغمبروں کے حواریوں اور رفیقوں کی محبت و عقیدت میں معروف مشہور تھیں اس لئے ہمیں صحابہ کرام سے اور زیادہ محبت و عقیدت ہونی چاہئے، جو اس نبی کے رفیق و حواری ہیں جس نے اس دنیا پر سب سے زیادہ گمراہ اور لانا لانی اثر ڈالا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ

وہی ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک رسول

يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

انجیل میں کا، وہ پڑھ کر سنانا ہے، ان کو الٹری

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنَّ كَانُوا مِن قَبْلُ

آیات اور سنوارتا ہے، اور کھلاتا ہے، ان کو

كُفَى ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

کتاب و حکمت اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے

تھے صریح بھول میں۔ (الجمعة ۳)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت

وَدِينٍ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ

دی اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام

كَلِمًا، وَكُفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ (الفتح ۲۸)

دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

اگر ہم مختلف ملک کے لوگوں کو قریب کرنے کے لئے خلوص دل سے کوشش کرنا

چاہتے ہیں، تو پھر یہ کوشش ٹھوس اور فطری بنیاد پر ہونی چاہئے، اس نفسیاتی اور فطری

راستہ کے علاوہ جو کوشش بھی کی جائے گی، وہ ناکام اور غیر فطری ہوگی، ہم نے ایک موقع پر

علامہ تقی القمی (جو اس مقصد کے لئے تیس سال سے کام کر رہے ہیں) کی مجلس میں عرض کیا تھا کہ

ہمارے یہاں اردو کی ایک مثل ہے کہ "تالی ایک ہاتھ سے نہیں جکتی" میں اس میں اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ صرف دو ہاتھ بھی کافی نہیں، ان میں خلوص، اہم اور سنجیدگی بھی ہونی چاہئے، اگر کسی ہاتھ میں ڈھیللا پن اور سستی ہوگی، تو تالی نہیں ج سکتی، میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تقریب بین المذاہب کوئی مستثنیٰ عمل نہیں، زبان سے زیادہ اس کا تعلق دل سے ہے، اور خارجی مسئلہ سے زیادہ اس کا تعلق اندرونی مسئلہ سے ہے، ابھی کسی ایسے گوند کی ایجا د نہیں ہو سکی جس سے کاغذ کی طرح دل بھی جڑ جائیں، اس لئے یہ خواہش، اور جدوجہد دل سے اٹھنی چاہئے، اور اس میں اتنی روانی اور بال ہونا چاہئے کہ دل اس کی قوت، اور حرارت محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے، اس کے لئے آپس میں مفاہمت کرنی ہوگی، کچھ چیزوں سے دست بردار ہونا، اور کچھ کسر و انکسار سے کام لینا پڑے گا، لیکن ایک بار جب ہمارے دل اس کو قبول کرنے پر تیار ہو جائیں گے، تو پھر محبت و اعتماد کے سیل رواں کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکے گی، اس لئے کہ محبت اپنی راہ کی ہر رکاوٹ اور بغض و عداوت کی ہر کردورت کو بہائے جاتی ہے۔

۴۔ آخر میں ایران کے اہل علم و اہل دین کی توجہ قرآن سے زیادہ اعتقاد کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ایرانی بھائی قرآن کریم کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، ان کو اس سے محبت ہے، اور وہ اس سے بے تعلق نہیں، اہل ایران قدیم زمانہ سے قرآن کی زریں کتابت و نقاشی میں آگے رہے ہیں، اس کو کتب خانوں اور میوزیم میں خاص اہتمام سے رکھتے، اور اس پر فخر کرنے اور بہتر سے بہتر طریقہ پر زیور طباعت سے آراستہ کرنے میں اب بھی وہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے پیچھے نہیں ہیں، ایران کے قدیم و جدید علماء نے قرآن مجید کی بلند پایہ تفسیریں بھی لکھی ہیں، جن میں سے متعدد ہندوستان میں بھی مشہور و مستداول رہی ہیں۔

لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ قرآن مجید کے ساتھ ایرانیوں کا تعلق اس سے کہیں زیادہ گہرا ہونا چاہئے، اس کی ضرورت ہے کہ اس کا ذوق ہر ذوق پر غالب، اور اس کی روح جسم و جان میں ساری و جاری ہو، جس کا ایک نتیجہ کثرت تلاوت، اور حفاظت کی کثیر تعداد کی شکل میں ملک میں دیکھا جاسکے، اس کو ہر چیز پر ترجیح دی جائے، اس کو ہر مسئلہ میں رد و قبول کا معیار، اور حسن و قبح کی میزان سمجھا جائے، وہی ہمارے علم و ادب عقیدہ و عمل، اور سیرت و اخلاق کا سدرۃ المنتہیٰ ہو۔

مجھے اس میں شک نہیں، ہمارے ایرانی فضلا اور مفکرین ان پیش کردہ حقائق میں سے بعض تحقیقوں کو محسوس کرتے ہیں، اور ان کی اشاعت و ترویج، اور تقویت کی ضرورت کا انہیں اعتراف ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک عظیم الشان تجدیدی کام ہے، اور اس سے وہی باکمال شخصیتیں عہدہ برآ ہو سکتی ہیں، جو اپنے علمی وقار و احترام کو داؤں پر لگا دیں اور اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار ہوں، لیکن اس کامیابی سے جو خوشی و مسرت حاصل ہوگی، اس سے بڑھ کر کوئی مسرت نہیں ہو سکتی، اس سے تاریخ ان کو جس عزت و احترام کے مقام پر رکھے گی، اس کی برابری کوئی عزت و مرتبہ نہیں کر سکتا، اسلام کی صاف شفاف پیشانی، اور اس کی حقیقت پر جو گرد و بخاراٹ گیا ہے، تاریخ کے لمبے نے جس طرح اس کے رخ زیبا کو چھپا لیا ہے، اور انکار و تقلید کی جو دبیز تہم جگمگی ہے، اس کو ہٹانا، اور قرن اول میں دین کی جو حالت تھی، وہ حالت پھر سے پیدا کرنا کوئی آسان اور معمولی کام نہیں، بلکہ بہت بڑا جہاد، اور عظیم الشان تجدیدی کام ہے، تو حید خالص، اور حقیقت دین کو اپنانے کے لئے قرآن کی دعوت صرف دوسرے مذاہب اور غیر مسلم اقوام ہی کو نہیں، امت کے تمام طبقوں اور گروہوں سے ملنی ہے، وہ کسی عہد کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر جگہ اور ہر زمانہ کے لئے یکساں ہے۔

تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
 الْاَلْعَبْدُ الْاَللّٰهُ وَلَا نَشْرِيْكُمْ بِشَيْءٍ وَّ لَا
 يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا بَيْنَ دُوْنِ اللّٰهِ
 اُوَ اِيك بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں
 کہ بندگی نہ کریں، مگر ہم اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں
 اس کا کسی کو، اور نہ بنا کے کوئی کسی کو رب
 (آل عمران ۶۴) سوا اللہ تعالیٰ کے۔

ہم اپنے ایرانی بھائیوں سے پھر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ معروفات محض خلوصِ حسرت
 اسلامی اتحاد کی زبردست خواہش اور ذمہ داری کے احساس کی بنا پر پیش کی گئی ہیں، اگر آپ کو
 بین السطور کوئی ایسی چیز نظر آئے جس سے آپ اتفاق نہ کر سکیں، یا حقیقت و واقعیت کے
 خلاف افراط و تفریط دیکھیں، تو ہم معذرت خواہ ہیں کہ انسان خطا کا پتلا ہے، بے عیب
 ذات صرف خدا کی ہے۔

ایرانی دوستوں سے ایک سوال

ایرانی بھائیوں سے رخصت ہونے سے پہلے ہم ان کے سامنے ایک ایسا سوال رکھنا
 چاہتے ہیں، جو بہت سے دماغوں میں ابھرتا رہا ہے، وہ سوال یہ ہے کہ آخر ایران جیسا زرخیز
 و مردم خیز ملک جس نے گذشتہ دور میں بھی..... ہر علم و فن اور زندگی کے ہر میدان
 میں بڑی تعداد میں ایسے جینیس اور عقبی انسانوں کو پیدا کیا، جو اپنی غیر معمولی ذہانت و
 صلاحیت میں عام سطح سے بلند نظر آتے ہیں، یہاں تک کہ طبقات و تراجم اور سیرت و تاریخ
 کے مطالعہ کرنے والے کو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے ایران میں بجز جینیس اور عقبی
 انسانوں کے اور کوئی پیدا ہی نہیں ہوتا، اور لنگامیں ہر ایک باؤن گڑھی کا ہوتا ہے، لیکن ایران
 کے دور آخر پر نظر رکھنے والا حیرت و تعجب سے سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس مردم خیز ملک میں

باکمال انسان پیدا ہونے کیوں بند ہو گئے، اسلامی علوم و فنون میں مہارت، ذہانت و دکاوت علمی تحقیق، حتیٰ کہ ادب و شاعری کیسے انحطاط و زوال کا شکار کیوں ہیں، صدیاں بیت گئیں، نسلوں پر نسلیں گزر گئیں، اور کسی ایسے عالم، ادیب و شاعر، مصنف و محقق، ریاضی داں، فلسفی یا ایسے قائد و رہنما کا نام تک نہیں سننے میں آتا، جو اپنے کارناموں سے دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے، اور زمانہ کی آنکھوں کو خیرہ کرے، دسویں صدی ہجری کے بعد یہ خلا اس شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال جیسا ایرانی ادبیات کا گرویدہ، اور ایران کی تاریخ کا سچا طالب علم بھی شکایت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

نہ اٹھا پھر کوئی روی عمم کے لالہ زاروں سے

وہی آب و گل ایران، وہی تبریز ہے ساتی

ہم نے ایرانی علماء اور دانشوروں کے سامنے بھی یہ سوال پیش کیا، اور ان سے اس موضوع پر تبادلہ خیال بھی کیا، مگر کوئی تشفی بخش جواب نہیں نہ مل سکا، یہ سوال ہمارے ذہنوں میں برابر گونج رہا ہے کہ ایران کے جمود و انحطاط کا کیا یہ سبب تھا کہ خیالات کی بلندی حوصلہ مندی، مادیت کے خلاف بغاوت، حقیقت کی جستجو، سازدلی کو چھپڑنے اور روح کے سرچشموں کو جاری کرنے میں جس تصوف نے مرکزی اور بنیادی کردار ادا کیا تھا، اس کا خاتمہ ہی انحطاط کا حقیقی سبب ہے، یا اس زوال و انحطاط کی وجہ وسائل کی فراوانی زندگی کی آسانی، اور عمومی ناخ اباالی ہے، جس سے ایران کو مدت دراز سے متمتع ہونے کا موقعہ مل رہا ہے، اور جس کی وجہ سے طبیعتوں میں سہولت پسندی، اور عزم میں افسردگی اور پستی پیدا ہو گئی ہے، یا اس انحطاط و جمود کی علت یہ ہے کہ علم و مسلک کے بارے میں ایران میں عرصہ سے ایک مخصوص و محدود شکل پر انحصار کر لیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے مسلک

اور ہر نظام کو ملک سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی، اس طرح ایران صفویوں کے دور کے بعد سے ایک غول میں زندگی گزار رہا ہے، اور اس کو باہر کی علمی دنیا کے بھونکنے جو اس کے علمی و فکری قوی میں حرکت پیدا کریں، اور اس کے علمی و ادبی ذخیرے میں اضافہ کریں، نہیں پہنچنے پاتے، یا اس سے زیادہ کوئی اور عتیق و وسیع سبب ہے جس کی طرف ہماری نظر نہیں پہنچ سکی۔

فلسفہ، تاریخ اور قوموں کے عروج و انقلاب سے اس سوال کا گہرا تعلق ہے، حقیقت تک رسائی اور علمی تحقیق کے لئے اس سوال کا تشفی بخش جواب ضروری ہے، ہم یہ جواب سہی ایران سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، جس نے اپنی علمی و ادبی صلاحیت، و ذہانت سے ایک حصہ تک پوری دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کر رکھا تھا، اس کو اس اہم اور نازک سوال کی طرف توجہ کرنی چاہئے، اور اپنی گذشتہ شاندار تاریخ کو اسے پھر دہرانا چاہئے، یہ بات ایران، عالم اسلام بلکہ انسانی دنیا کے مفاد میں ہے۔



آنحضرت ﷺ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی جس نے خفتہ ایران کو بیدار کر دیا

(یہ اس عربی تقریر کا ترجمہ ہے جو ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ ۱۵ جون ۱۹۷۳ء کو اس جلسہ استقبالیہ میں کی گئی تھی جو آیت اللہ العظمیٰ مرزا محمد خلیل کراچی کے دولت کدو واقع زرین نعل تہران میں منعقد کیا گیا تھا۔ ترجمہ مولوی اجمل اصلاحی ندوی کے قلم سے ہے) حضرات! ابھی آپ کے سامنے قاری نے سورہ آل عمران کی مشہور آیت کی تلاوت کی:-

اور غضبوا پکڑے ریحوا اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو	وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِيَعْمَتِهِمْ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُزْرٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ
اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈالی سو تم اللہ تعالیٰ کے انعام سے آپس میں	

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے

گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتاتے رہتے ہیں، تاکہ تم لوگ راہ پر ہو۔

آل عمران - (۱۰۳)

اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تم لوگوں کو اپنے احکام

بیان کر کے بتاتے رہتے ہیں، تاکہ تم لوگ راہ پر ہو۔

ہمارے فاضل دوست استاد احمد محمد جال نے اس آیت کے پہلے حصہ سے بحث کی ہے، میں اس کے دوسرے حصہ یعنی:-

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ

اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے

فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا، كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

سو اس سے خدا تعالیٰ نے تم لوگوں کو اپنے احکام

لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام

بیان کر کے بتاتے رہتے ہیں، تاکہ تم لوگ راہ پر ہو۔

آل عمران - (۱۰۳)

پر رہو۔

پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، نیز اس پر غور و فکر کی دعوت دوں گا۔

حضرات ایہ آیت کریمہ ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے دلوں پر

نقش رہنی چاہئے، اس آیت میں اس عظیم نعمت کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ

کو سرفراز فرمایا ہے، اور اے باشندگان ایران آپ ہی تنہا اس نعمت کے مالک نہیں ہیں،

بلکہ ہم برصغیر کے رہنے والے، بلکہ اس روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمان، بلکہ اس

جزیرۃ العرب کے باشندے بھی جہاں سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں، اور ساری کائنات پر

چھا لگیں، اس عظیم نعمت میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔

ہم سب جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، نہ توحید و نبوت سے واقف تھے، نہ حشر و نشر کی خبر تھی، اخلاقی قدروں سے یکسر نا آشنا، اور صحیح مذہبی تعلیمات سے قطعاً بے بہرہ تھے، اوہام و خرافات میں گرفتار تھے، ظالم و جابر حکومتوں کے جوہر استبداد کا شکار تھے، انسانیت ہر طرف پامال ہو رہی تھی۔

ایک طرف مطلق العنان حکمران، دوسری طرف علم و مذہب کے اجارہ دار علماء مجرب و بنے بیٹھے تھے، عوام ان کی پرستش، اور اندھی اطاعت پر مجبور تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

اتَّخَذُوا أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (التوبہ - ۳۱) کو (یا عقبار طاعت کے) رب بنا رکھا ہے۔

اسلام آیا، اور اس کی ضیا پاشیوں نے روئے زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کیا، اسلام کی نعمت ساری انسانیت کے لئے عام تھی، وہ اس بارش کی طرح تھی، جو پید و سیاہ اور بندہ و آفاکے درمیان امتیاز نہیں کرتی، وہ تو بادل تھا، جو پست و بلند، گلشن و صحرا، سب کو سیراب کر گیا، اور حق تو یہ تھا، کہ اسے عربی شاعر کے اس قول سے مخاطب کیا جائے

فاذهب مکاذھبت غوادى مزنة

أشنى عليها السهل ولاوعار

ایک فارسی شاعر کا قول ہے، جو زیادہ بلیغ ہے

پر تو ہر بویرانہ و آباد کیست

حسن چون تیغ کشد بندہ و آزاد کیست

اس نعمت سے عظیم تر کوئی نعمت نہیں، یہاں تک کہ زندگی بھی ایسی ہر لذت منور کا

سرچشمیہ ہے، اگر اسلام توحیدِ خالص، اور ایمان کی نعمت نہ ہوتی، تو یہ زندگی ایک عذابِ مسلسل ہوتی، اور اس کی حیثیت جہنم تک پہنچنے کے لئے ایک پل سے زیادہ نہ ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے ہمیں نوازا، اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اور اس نعمت کے حصول میں ہم پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی، اور آپ کی بعثت و رسالت، اور دعوت و جہاد کا ناقابل فراموش احسان ہے۔

اقبال کا یہ کتنا کسی طرح بے جا نہیں ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (علیہ السلام) توحید نہ ہوتے، اگر آپ کے اصحاب اور اہل بیت نہ ہوتے، اگر دعوتِ اسلامی کے وہ اولین داعی اور اس کی راہ میں جان کی بازی لگا دینے والے مجاہدین نہ ہوتے، تو نہ اسلامی ایران ہوتا، نہ اسلامی ہندوستان، نہ اسلامی مصر، نہ اسلامی شام، کسی بھی اسلامی ملک کا وجود نہ ہوتا، یہاں تک کہ وہ جزیرۃ العرب بھی جو ہماری محبت و عقیدت کا مرکز ہے اور جس کی طرف ہم رخ کرتے ہیں موجود نہ ہوتا ہمارے اور آپ کے درمیان کبھی تھی رشتہ نہ ہوتا، خصوصاً جبکہ ہم مشرقِ اقصیٰ کے باشندے ہیں اور آپ ایران کے حضور ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمام ملکوں اور قوموں کو ایک شیرازہ میں منسلک کیا، مختلف دلوں اور دماغوں کو ملنے کا موقعہ نصیب ہوا، افکار و خیالات کا اختلاط ہوا، نئے نئے علوم و معارف نے جنم لیا، علم کا ایک چشمہ ہندوستان میں بہہ ہاتھا، تو دوسرا ایران میں، دونوں میں ایک طویل فاصلہ تھا، اسی طرح اور بھی نہ جانے کتنے چشمے ہزاروں سال پہلے اپنی تنگ راہوں میں رواں تھے، اسلام آیا تو اس نے ان بکھرے ہوئے بے شمار سوتوں کو ایک عظیم چشمہ صافی میں بدل دیا، اسے ایک بلند اور مشترک مقصد کی خاطر استعمال کیا، اور انسانیت کے لئے مفید اور تہذیب بنایا، اس طرح ہندوستانی و ایرانی اور عربی و عجمی افکار کا ایسا نفع بخش، اور خیر و برکت سے معمور امتزاج وجود میں آیا، جس کی نظر

تمدن و ثقافت کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، ایرانیوں کے ذوق جمال، وسعت خیال، لطافت احساس، اور عربی کی سلامتی طبع، بلند جوصلگی، حقیقت پسندی، اور اسلامی عقائد و اعمال کا ایسا سنگم چشم فلک نے کاہے کو دیکھا ہوگا۔

ایران اپنے خواب گراں سے بیدار ہوا، اس کی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع ملا، اس کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑکنے لگیں، تو ایسا معلوم ہوا، گویا یہ سرزمین جنینیں اور کیتائے روزگار شخصیتوں ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے، گویا علم و ادب اس کے خمیر میں داخل ہے، ذوق جمال اس کی آب و ہوا میں بسا ہوا ہے، گویا اس میں عالم ادیب، شاعر، فن کار، یا صوتی، غربی، مدرس اور مصنف کے سوا کوئی پیدا ہی نہیں ہوتا، اگر کوئی فقہ و حدیث، شعر و ادب، اور تصنیف و تالیف کے میدان میں چوٹی کی شخصیات کو بھی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا، تذکرہ و تاریخ کی کتابیں ان کے حالات اور کارناموں سے بھری پڑی ہیں خدا معلوم کتنے ممالک نے ہندوستان کی طرح ایران کے اس علمی و ادبی نخوانینما سے خوشہ چینی کی ہے، ہم سب ان کے علم و فضل کے بحر بیکراں سے اپنی تشنگی بجھاتے ہیں، ان کے شعر و ادب سے لطف اندوز ہوتے ہیں، ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں، اور ان کی تقلید و اتباع پر فخر کرتے ہیں۔

لیکن یہ تمام عبقری اور کیتائے روزگار شخصیات جن کے زبردست علمی کمالات، و ادبی معجز طرازیوں نے ساری دنیا کو محو حیرت کر دیا، اسلام ہی کے نوہمال، اور دعوت اسلام ہی کے پیداوار تھے، ان سب کو اس نئے دین نے جنم دیا تھا، جس کو لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اسلام اور اخوت اسلامی کے سایہ میں

آپ سے اس مبارک ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مشرق و مغرب کے سارے مسلمان اسی عالمگیر اسلامی اخوت کے لئے بے قرار ہیں، لیکن یاد رکھئے دنیا و آخرت کی ہر سعادت کا سرچشمہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گمراہی کے بعد ہدایت، ذلت کے بعد عزت، اور تنگ دستی کے بعد وسعت سے نوازا، اور جہل کے بعد علم، اور اختلاف و انتشار کے بعد اتحاد کی دولت سے الامال کیا۔ اسلامی تہذیب کے سوا کوئی ہماری تہذیب نہیں، اسلامی تاریخ کے سوا کوئی ہماری تاریخ نہیں، اسلام کے عطا کردہ عزت و سربلندی کے علاوہ ہمارے لئے کوئی عزت و سربلندی نہیں، ہم تمام محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طفیل جی رہے ہیں۔

آپ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی، بنی آدم میں سے جس کو بھی سعادت و خیر کا کوئی ذرہ ملا، وہ خواہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ہی کے مرتبہ کا کوئی شخص کیوں نہ ہو سیدنا محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واسطے ہی سے نصب ہوا۔

اگر آپ نہ ہوتے تو کسی کو نہ دین میں کوئی فضیلت حاصل ہوتی نہ ایمان و یقین کا کوئی حصہ کسی کو نصیب ہوتا، اور نہ کسی کے یہ حیرت انگیز کارنامے سامنے آتے، جو تاریخ کے لئے سرمایہ افتخار ہیں، اور جن پر مسلمانوں کو بجا طور پر ناز ہے۔

اور آج بھی کسی شخص کو اگر اس سعادت کا کوئی حصہ ملا ہے تو وہ بھی اسی ذات گرامی کے طفیل حضرات ابہر طرف ناگہبندی ہے، ساری راہیں مسدود، اور سارے دریچے بند ہیں صرف اسلام کا راستہ ہے، اور صرف ایک دریچہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ کھول رکھا ہے، ارشاد ہے:-

إِنَّ الْبَيْتَ عِنْدَ اللَّهِ أَكْرَمُ (مراۃ المؤمنین) ۱۹
 بلاشبہ دین (حقاً و قبولاً) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم عرب و عجم سب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں، اور اپنا علمی، عقلی، فکری، تہذیبی، اور اعتقادی سلسلہ آپ ہی سے جوڑتے ہیں، ہر شخص نے آپ ہی کی شمع ہدایت کب نور کیا ہے، اور ہر شخص آپ ہی کی دانش گاہ کا فیض یافتہ ہے، شاعر نے خوب کہا ہے

یک چراغیست دریں بزم کہ از پر تو آن
ہر کجای نگرم انجمنے ساختہ اند

امت اسلامیہ کے اندر جب تک اس حقیقت کا عرفان رہے گا، اور جب تک اس اصول کو وہ مضبوطی سے تھامے رہے گی، بے راہ نہیں ہو سکتی اور نہ مصائب و مشکلات کا شکار ہو سکتی ہے۔

اخیر میں آپ کے پرغلوں اعزاز، اور آپ کی عنایتوں کا شکر یہ ادا کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے ایمان کی تکمیل، اور اس کی حفاظت فرمائے، خاتمہ بالخیر ہو، اور قیامت کے روز ہمارا نام ان خوش قسمت لوگوں کی فہرست میں ہو، جن کے پیہرے دکھتے ہوں گے



مسئلہ صرف دینِ لاڈلیت کا ہے

(تم میں رابطہ کے وفد کی پذیرائی ایران کے مشہور عالم علامہ شریعتدار نے اپنے دولت کدہ پر کی، موصوف کے اشارہ و ایما سے ایک عالم شیخ سعید التعمانی نے ایک خیر مقدمی تقریر کی جس میں انھوں نے خیر مقدمی تمہید کے بعد اتحاد و اتفاق پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہم نے اب بھی اختلاف و انتشار کے سیاہ صفحات کو ہمیشہ کے لئے نہ لپیٹ دیا تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہ کرے گی، ہمیں اب اپنے سفر کا آغاز اسی طرح کرنا چاہئے جیسا کہ ہمارے سلف صالحین نے کیا تھا، اس راہ میں ہمیں غیر معمولی عزم و استقامت اور ایثار و قربانی سے کام لینا ہوگا، اس لئے کہ ہمارا سامنا ایسے دشمن سے ہے، جو سلک و مذہب اور شیعہ سنی میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔)

شیخ سعید کی تقریر کے بعد راقم الحروف نے جو کچھ عرض کیا یہ اس تقریر کا خلاصہ ہے
ترجمہ مولوی نذرا حفیظ بروہی کے قلم سے ہے)

حضرات! ابھی ایک فاضل مقرر نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ شہور اور تسلیم شدہ حقائق ہیں، اور اس میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار و افتراق سے بچنے اور اختلافات کو ختم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصل سرشتیہ اور مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، اس لئے کہ جب بھڑوں کا ریوڑ انتشار و پرانگندگی کا شکار ہو جاتا ہے تو ان کو ایک جگہ جمع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ”بھیڑ یا اس بکری کو اپنا لقمہ بناتا ہے، جو اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو“ اس لئے جنگل میں منتشر بھیڑوں کو بھیڑیوں کا لقمہ بننے سے بچانے کے لئے ان کے راعی و محافظ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، اور اس کی سرکردگی و نگرانی میں اس بکھڑے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنا ہوگا۔

حضرات! ہم ایک امت سے تعلق رکھتے ہیں، ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری کتاب اور ہمارا قبلہ بھی ایک ہی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے معاصرین اور بادشاہوں کو دعوتی خطوط تحریر فرماتے تھے تو قرآن مجید کی یہ آسمانی تبلیغ اور حکیمانہ آیت تحریر فرماتے تھے۔

کہ لے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو	قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ
ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ بجز	سَوَاءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنِكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ
الشرعائے کہ ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ	إِلَّا اللَّهَ، وَلَا نَسْتُرُكُمْ بِشَيْءٍ وَلَا نَجِدُ
کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہمیں کوئی کسی	بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ
دوسرے کو رب نہ قرار دے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر وہ	فَاتِنًا تَوْلَوْا فَمَنْ لَنَا الشُّهُدَاءُ بِآيَاتِنَا
وگاہ عرص کریں تو ہم لوگ کہہ دو کہ تم گواہ ہو کہ ہم تو اپنے رب سے	مُسْلِمُونَ۔ (آل عمران - ۶۴)

اللہ تعالیٰ نے تفرق و انتشار، اختلاف و کمزوری اور ذلت و نکت سے بچنے کے لئے اتحاد و اتفاق، طاقت و قوت اور عزت و سر بلندی کا راستہ بتلایا ہے، اور اس کو نبیاء و رسول اور ان کے نابین علمائے کی ذمہ داری قرار دی ہے، اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا كَانَ لِإِنشِرَانِ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَ وَالنُّبُوَّةَ، ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ
كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ،
وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّاءَ بَيْنِي بِمَا كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ، وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ
وَلَا يَا مَعْرُوفِينَ أَنْ يُنْفِكُوا بِاللَّعْنَةِ
وَاللَّيْتِينَ أَرْبَابًا، أَيَا مَعْرُوفِينَ بِاللَّعْنَةِ
بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ
اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرمادیں،
پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے
بن جاؤ۔ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، لیکن کہے گا کہ
تم لوگ اللہ دے بن جاؤ، بوجہ اس کے کہ تم
کتاب سکھاتے ہو، اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو،
اور نہ یہ بات بتلائے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو
رب قرار دے لو، کیا وہ تم کو کفر کی بات بتلائے گا

(آل عمران ۷۹-۸۰) بعد اس کے تم مسلمان ہو۔

میں اس بات سے مکمل اتفاق رائے کرتا ہوں کہ دشمن کسی دین و مذہب، اگر وہ اور
جماعت اور قومیت کے درمیان امتیاز نہیں کرتا، اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے میں یہ عرض
کروں گا کہ آج مذہب کا مقابلہ مذہب سے نہیں بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ اس وقت دین و
لادینیت کے درمیان ایک فیصلہ کن محرکہ درپیش ہے، اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ کیا تو انسان
خدا اور رسول، آخرت غیبی حقائق اور رسول کے لئے ہوئے پیغام پر یقین رکھے اور نجات کو
اسی دین پر منحصر سمجھے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے، یا پھر ان تمام غیبی حقائق کا کیلئے انکار کرے

اور تمام مذاہب سے اعراض کرے۔

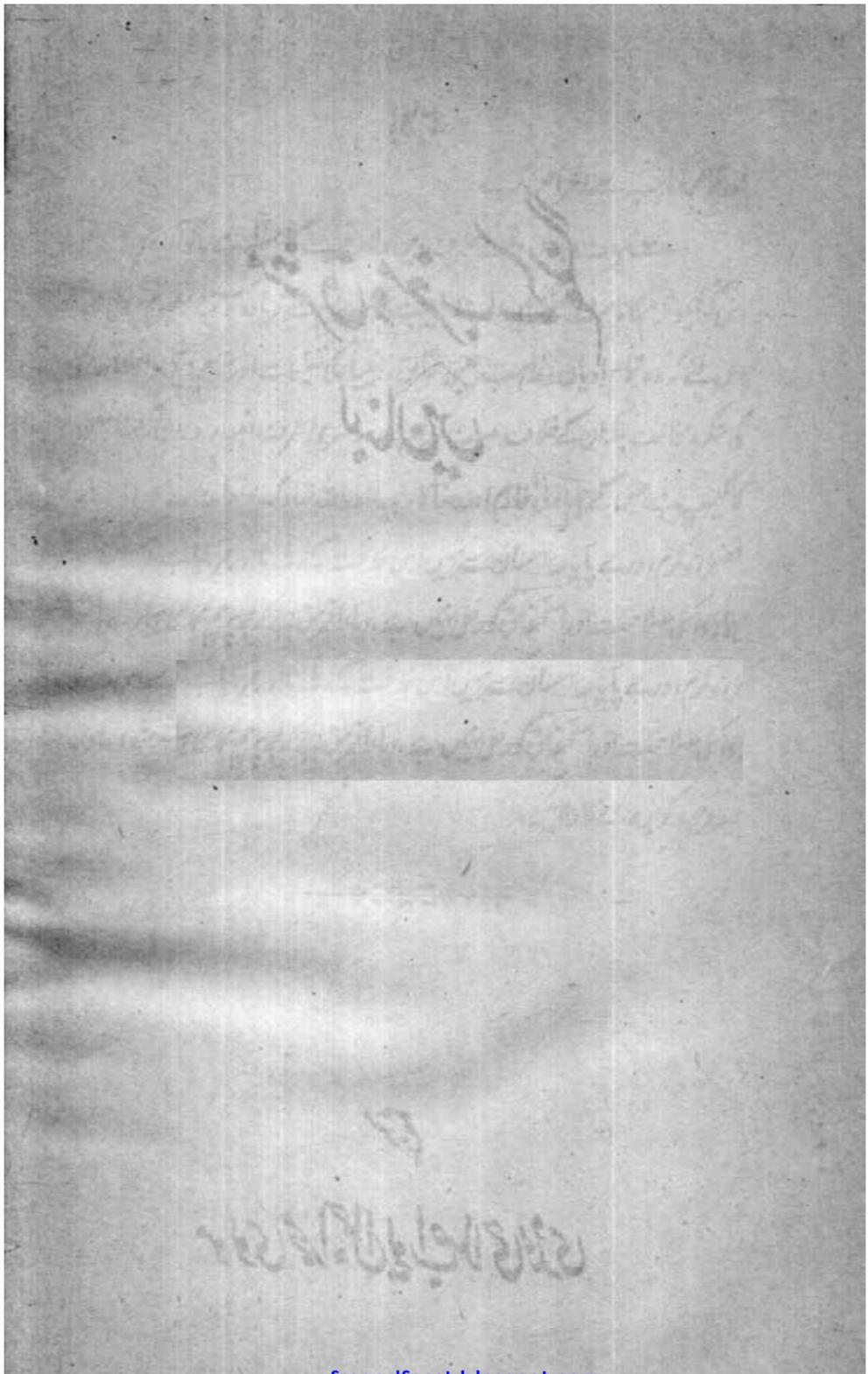
حضرات! اس وقت صرف دین ولادینیت کا مسئلہ ہے، اگر آپ چاہیں تو اس کو کمیونزم کا نام دے سکتے ہیں، ورنہ ولادینیت کو کمیونزم سے زیادہ وسیع مفہوم پر جاویں ہے اس لئے کہ وہ تمام ادیان و مذاہب، غیبی حقائق، انبیاء کی تعلیمات اور تمام دینی و اخلاقی قدروں کی منکر و مخالف بلکہ ان کے خلاف صفت آرا ہے، دوسری طرف انبیاء اور ان کے نائبین کا کیمپ ہے جس کے ہم ادنیٰ خادم اور رضا کار ہیں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور بے پایاں احسان سے ہمیں اس خدمت کے لئے نامور فرمایا ہے، اس میں ہماری کسی صلاحیت اور استحقاق کو دخل نہیں ہے، ہمارا فرض ہے کہ جو پریم محمدی ہمارے ہاتھ میں ہے ہم اس کو ہمیشہ سر بلند رکھیں، اور اس کے تلے جمع ہو کر اتحاد و اتفاق سے اس دین کو تمام دنیا میں پھیلانے اور اس کو سر بلند رکھنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں، کوششوں اور جدوجہد کو بروئے کار لائیں۔



مشرق و مغرب کے سنگم لبنان میں

سزیم

مولوی محمد اجمال یو اے صلاحی ٹیڈی



اسلام کے داعیان اولین کے نقش قدم پر

افغانستان و ایران کے دورہ سے واپسی کے بعد پانچ مہینے ہم نے بیت اللہ اور مسجد نبوی کے سائے میں گزارے، ان ایام نے ہم کو اس ناقابل انکار حقیقت پر ایک نیا یقین و اعتماد بخشا کہ اسلام ہی قوموں کو متحد کرنے، داؤں کو چوڑنے، مسائل کو سلجھانے اور قافلہ حیات کی قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے، یہ نئے سفر کا نیا گوشہ تھا، جس سفر کا آغاز گوارہ اسلام اور دعوت اسلامی کے مرکز سے ہونے والا تھا، اور جس کی منزل وہ ملک تھے جو اولین مرحلے میں اسلام کی روشنی سے فیضیاب ہوئے، خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی دعوت کو اپنایا، اور ساتویں صدی ہجری تک خلافت اسلامی کا مرکز بن کر اس کو سینے سے لگاے رہے، انھیں ممالک سے اسلام کے سیلاب نے شمال مغرب میں کوہ اطلس اور اندلس، اور جنوب مشرق میں کوہ ہندو کش اور دریائے سندھ کی وادی کا رخ کیا، اور انھیں میں اسلامی علوم کا نشوونما اور ارتقا ہوا، اسی مراد ملک شام (جس میں موجودہ سواریا، فلسطین، لبنان، شرق اردن شامل ہیں) اور عراق سے ہے، یہ ایک قدرتی لائن تھی جس کو اسلام کے مبلغین نے جزیرۃ العرب سے نکل کر اختیار کیا تھا۔

ہم بھی انھیں کے نقش قدم کی پیروی کر رہے تھے، اور انہیں کے راستے پر گامزن تھے، بلاشبہ اگر وہ مبلغین نہ ہوتے، ان کا جہاد نہ ہوتا، ان کا ایمان و اخلاص نہ ہوتا، ان کی سچائی اور دیانت داری نہ ہوتی، ان کی بلند ہمتی اور اولوالعزمی نہ ہوتی تو اس علاقہ میں دین نہ پھیلتا جس کے نام پر ہم ملتے ہیں۔ نہ یہ اسلامی اخوت ہوتی جس کی برکتوں سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں، نہ یہ قرآنی عربی زبان ہوتی جو عرب اور عجم کے لئے افہام و تفہیم اور تبادلاً خیال کا وسیلہ ہے، اور جس کو وہ اپنی نسلی زبانوں پر فوقیت دیتے ہیں، نہ ان ملکوں کا علوم و فنون تہذیب و تمدن اور فکر انسانی کی تاریخ میں کوئی ایسا نمایاں اور تعمیری کردار ہوتا، جس کے بغیر انسانیت کی تاریخ نامکمل رہ جائے، نہ دمشق و بغداد ہوتے، نہ ولید و ہارون، نہ ابوتام اور بحر تری ہوتے نہ متنبی اور عمری، نہ سیبویہ اور کسائی ہوتے نہ کوفہ اور بصرہ نہ صافہ اور کرخ نہ ابو حنیفہ ہوتے نہ اوزاعی، نہ ابو یزید بسطامی نہ عبد القادر جیلانی، نہ مستنصریہ اور نہ نورانیہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کو جزائے خیر دے، اسلام، عراق و شام، دین و عقیدہ، انسانیت تمدن اور علوم و فنون سب کی جانب سے۔

نئے وفد کی تشکیل

رابطہ کاروہ وفد جس نے افغانستان و ایران کا دورہ کیا تھا، اور اسی کو لبسان، شرق اردن، سوریا اور عراق کا دورہ کرنا تھا، دونوں سابق رفقاء، راقم سطور اور استاذ احمد محمد جمال شریقی تھا، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اس وفد کے سکریٹری تھے، لیکن بعض

لے امام ابو حنیفہ بغداد میں اور امام اوزاعی بیروت میں مدفون ہیں، لہٰذا دمشق میں مدفون ہیں لہٰذا بغداد میں زندگی گزار رہی اور وہیں کی خاک میں آسودہ ہیں۔ لہٰذا دو عظیم مدرسے جن میں پہلا بغداد میں تھا اور دوسرا دمشق میں۔

شدید مجبوریوں کی بنا پر کہ میں ان کا قیام ضروری ہو گیا، تو رابطہ کے جنرل سکریٹریٹ نے رابطہ میں اسلامی تنظیموں کے سکریٹری اسٹا ذ عبد اللہ باہبری کو وفد کے سکریٹری کی حیثیت سے منتخب کیا، اسٹا ذ باہبری ایک ادیب تعلیماتہ اور خوش مزاج نوجوان ہیں، حال ہی میں شمالی افریقہ کے دورہ سے واپس آئے تھے، جو سابق مفتی مصر شیخ حسین محمد مخلوف شیخ محمد محمود الصواف اور شیخ عبداللہ انصاری کی رفاقت میں ہوا تھا، مگر اس کے باوجود انھوں نے مشغولیت کو راحت پر ترجیح دی، نئے وفد کی رفاقت منظور کر لی اور وفد کی تمام ذمہ داریاں کو پوری دیکھی، سرگرمی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

اپنی کمزوری صحت اور گونا گوں عوارض کے پیش نظر مجھے اس طویل سفر میں ایک ایسے رفیق کی ضرورت تھی، جو میرے مزاج و ضروریات سے واقف ہو اس بنا پر رابطہ نے ایک نئے رفیق اور میرے ذاتی معاون کا اضافہ کر دیا، وہ تھے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادب عربی کے اسٹا ذ پندرہ روزہ "الرائد" کے ایڈیٹر خواہر زاہدہ عزیز مولوی محمد رابع حسینی جن کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو مکہ میں قیام کرنا پڑا، سفر کی مشکلات کی وجہ سے جن کا سامنا اس دور میں ہر شخص کو کرنا پڑتا ہے، ان کو ہندستان سے سعودی عرب پہنچنے میں خاصی تاخیر ہوئی (اگرچہ جدید تہذیب کے شیدائیوں کا کہنا ہے کہ اس دور میں سفر بہت آسان ہو گیا ہے) اس بنا پر سفر مؤخر ہوتا گیا، آخر کار جمادی الثانیہ کے اواخر میں ممکن ہو سکا

بیروت میں

اتوار کے روز جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ تھی (۲۹ جولائی ۱۳۷۷ھ) عصر کے وقت

۱۳۲

ہندوستانی وقت تک ہم بچہ پر ہم سعودی طیارہ پر سوار ہوئے، ہم کو رخصت کرنے کے لئے رابطہ کے معاون جنرل سکرٹیری اسٹاڈیو محمد صوفی سقا امینی جدہ میں رابطہ کے دفتر کے انچارج اسٹاڈیو ظہیر مٹانی، ڈاکٹر عبداللہ جاس ندوی، جدہ میں نور ولی گھرانے کے ازاد اور دوسرے دوست و احباب تشریف لائے تھے، غروب آفتاب سے دو گھنٹے قبل ہم بیروت پہنچ گئے۔

ہوائی ماڈہ پر دارالافتاء لبنان کے ناظم عمومی سید حسین قوتلی اور جمہوریہ لبنان کے مفتی شیخ حسن خالد کے قائم مقام شیخ محمد علی جہد و مفتی جبل لبنان نے ہمارا استقبال کیا، ان کے ساتھ سعودی سفارتخانہ کے (قائم مقام سفیر) چارج ڈوی فیرس عبدالحسن سمان، لبنانی وزارت خارجہ کے ایک نمائندہ اور لبنان سے رابطہ عالم اسلامی کے رکن شیخ سعودی یاسین بھی تھے، ہوائی اڈہ پر بیروت میں رابطہ کے نمائندہ اتا عبدالکیم عابدی^{رحمۃ اللہ علیہ} سے بھی ملاقات ہوئی۔

ہوائی اڈہ پر معلوم ہوا کہ شیخ حسن خالد مفتی لبنان نے پہلے سے جبل بھدون پر ایک شاندار ہوٹل اور بیروت کے ایک ہوٹل کے چند کمرے ریزرو کر لئے ہیں اور ہم کو اختیار ہے، جبل میں قیام کریں یا بیروت میں، موسم کا لحاظ کرتے ہوئے ہم نے جبل کو ترجیح دی، اسی سے ہم کو پتہ چلا کہ ہم مفتی لبنان کے مہمان ہیں، ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور بھدون روانہ ہو گئے جہاں شپہرڈ ہوٹل (SHEPERD) میں ہمارے قیام کا انتظام تھا۔

اے اتا عبدالکیم عابدین اخوان المسلمین اور دعوت اسلامی کے حلقہ کی معروف شخصیت ہیں، ایک طویل عرصہ تک مصر میں اخوان کے ناظم رہے ہیں، امام حسن البنا شہید کے بہنوئی ہیں، بیک وقت ایک ادیب، شاعر، مقرر اور وکیل ہیں۔

اسلامی اداروں اور بیروت کے مختلف علاقوں کا دورہ

دوسرے روز دو شنبہ یکم رجب ۱۳۹۳ھ (۱۹ جولائی ۱۹۷۴ء) کو ہم نے مفتی لبنان شیخ حسن خالد سے ان کے دفتر میں افتاء کے ناظم عمومی سید حسین قوسلی کی موجودگی میں ملاقات کی لبنان میں مسلمانوں کے حالات، اسلامی اداروں کے ساتھ مادی اور اخلاقی تعاون کی ضرورت اور ان خطرات کے موضوع پر جن میں لبنانی مسلمان گھرے ہوئے ہیں مفتی صاحب نے تقریباً پندرہ گھنٹہ تک وفد کے ساتھ بہت صفائی سے گفتگو کی پھر مفتی صاحب ہی کی جمعیت میں وفد ایک معلوماتی دورہ پروانہ ہوا جس کی پہلی منزل بیروت کی وہ ذی تعلیم تھی جس کا نام ازہر لبنان ہے، وفد نے ادارہ کے کتب خانہ اور اس کے مختلف شعبوں کا معائنہ کیا، موسم گرما کی تعطیل ہو چکی تھی، کتب خانہ کے ہال میں کچھ ریسرچ اسکالراں اپنی تحقیق اور ریسرچ میں مصروف تھے، وفد کے ساتھ ازہر لبنان کے ناظم شیخ فیلل بلی تھے، پھر وفد نے بیروت کے اسلامی تیم خانہ کا رخ کیا جہاں تیم خانہ کے ناظم استاد محمد برکات نے وفد کا استقبال کیا، وفد کو تیم خانہ دکھایا اور اس کے مقاصد اور سرگرمیوں کی وضاحت کی، ہر چیز نفاذ اور خوش سلیقگی کا پتہ دے رہی تھی، اور تیم بچوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کو اپنی ذلت و کمتری کے احساس سے بچانے کے لئے نفسیاتی طریقے اختیار کئے گئے تھے۔

شہر کے مختلف حصوں سے ہمارا گزر ہوا، بہت سے علاقوں کی دینی، اقتصاد اور اجتماعی سطح اور معیار ایک دوسرے سے بہت مختلف نظر آتا تھا، ساحل سمندر کی سیر کرتے ہوئے جب ہم اس محلہ کی طرف جا رہے تھے، جو امام اوزاعی کے مدفن ہونے کی وجہ سے انھیں کے نام سے موسوم ہے، ہم فدائین کے مرکز سے گزے جہاں لبنانی فوج اور فدائین کے

درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا تھا، اور ہم نے دیکھا کہ کس طرح مختلف مذہبی جذبات اور سیاسی اعراض نے اس معرکہ میں حصہ لیا تھا، اور ملک کی زندگی اور مختلف عناصر کے باہمی تعلقات پر کس طرح یہ جنگ اثر انداز ہوئی تھی، عمارتوں اور ملک کے باشندوں کے دلوں میں گولیوں اور بموں کے اثرات کا مشاہدہ کیا، نیز پناہ گزینوں اور فلسطین کا مسئلہ جس پیچیدگی، جہام اور تضاد کا شکار ہے جس کی نظیر موجودہ دنیا کے دوسرے مسائل میں ملنی مشکل ہے، اس کو سمجھنے میں مدد ملی۔

اس علاقہ سے بھی بہار گزر رہا تھا جہاں فلسطینی پناہ گزین رہتے ہیں، اس علاقہ میں افلاس پسماندگی، گندگی، اپنے مستقبل کی طرف سے مایوسی، بے اعتمادی اور موجودہ حالات سے برکشتگی عام ہے، یہ تمام چیزیں اسی ملک کے لئے نہیں بلکہ پوری عرب دنیا کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ صورت حال ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتی، خواہ اس کے دور کرنے میں کتنا ہی وقت لگے اور اس پر پردہ ڈالنے کی کیسی ہی کوشش کی جائے۔

دوسری طرف پورا ملک زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور ہر جگہ دولت کی ریل پیل ہے۔

بیروت پر ایک نظر

لبنان کے مشہور شہروں اور اسلامی مرکزوں، طرابلس اور صیدا کا رخ کرنے سے پہلے جو ہمارے دورہ کے پروگرام میں شامل ہے، ہم بیروت پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا چاہتے ہیں، بیروت جو مشرق عربی کے لوگوں کا محبوب شہر اور تفریح گاہ ہے، جہاں وہ موسم گرما گزارتے ہیں، اور جہاں ان کی دولت کا دریا منڈتا نظر آتا ہے، عظیم عربی شاعر ابو تمام طائی کا

یہ قول بیروت پر چوڑی طرح صادق آتا ہے۔

دنیا معاش للفتی حتی اذا

حل الربیح فانما ہی منظر

ترجمہ:- دنیا آدمی کے لئے کھانے کمانے کی جگہ ہے، مگر جب بہا آتی ہے تو تفریح گاہ

ہی تفریح گاہ ہے۔

بیروت ایک عظیم تجارتی مرکز ہے، مگر موسم گرما میں وہ صرف دل بہلانے کی جگہ اور
نزہت گاہ ہے اگر کوئی شخص اس کا شاہدہ کرنا چاہتا ہے کہ مغربی تہذیب اور مادی فلسفوں
نے کس طرح عربوں کی فطرت مسخ کر دی ہے، اور عرب کس حد تک عیش پسند اور ساری حود و
قیود۔ خواہ مذہب و شریعت کے عائد کردہ ہوں، یا روایات اور عام انسانی اقدار کی۔
سے آزاد ہو چکے ہیں، اور عرب دارالحکومتوں میں خرید و فروخت اور افراط زر کی سطح کیا ہے
تو اس کو بیروت جانا چاہئے، اور لبنان میں موسم گرما گزارنے کے مقامات پر کچھ ایام گزارنے
چاہئیں، اتفاق سے ہمارا دورہ گرمی کے سخت دنوں میں تھا، جب بیروت کی رعنائی اور
دلکشی عروج پر تھی، اس سے پہلے بھی گرمی اور سردی دونوں موسموں میں متعدد بار بیروت
آنے کا موقع ملا تھا، مگر خاص مقصد کے تحت آنا ہوتا تھا، جس کی وجہ سے نشر و اشاعت
کے مرکزوں، کتاب گھروں اور بعض اسلامی اداروں سے زیادہ کچھ دیکھنے کا اتفاق نہیں
ہوا، لیکن اس آخری دورے میں اس شہر کے حالات و خصوصیات کے تفصیلی مطالعہ
کا موقع ملا۔

مشہور لبنانی ادیب امین الریحانی نے اپنے ایک مضمون میں بیروت کا بہترین نقشہ

لے امین الریحانی ایک مشہور صاحب طرز لبنانی ادیب تھے جن کی کتابیں اور مقالات اس (باقی صفحہ ۱۳۶ پر)

کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”بیروت تمدن کی ایک نعمت بھی ہے، اور تمدن کی ایک نصبت بھی، بیروت ایک مشرقی موتی ہے، جو تانبے کے مغربی طشت میں رکھا ہوا ہے، صبح کے وقت ملکہ مشرق کے پادوں کا پایزب اور غروب کے وقت ملکہ مغرب کی کلانی کا لنگن، بیروت کیچڑ میں پڑا ہوا ایک درنایاب ہے، جس پر کھجلی کی کرنیں شرماتی ہوئی پڑتی ہیں، بیروت ایک مرجان ہے، جو ایک ایسے ساحل پر ہے، جس کا سوناریت میں اور جس کی چاندی کیچڑ میں مل گئی ہے۔“

بیروت پیرس کی ایک کینز ہے، بیروت ایک ماہتاب ہے جس پر مغرب کی روشنی منعکس ہوتی ہے تو مشرق کو منور کرتا ہے، اور مغرب کی تاریکی بھی منعکس ہوتی ہے، جو مشرق کی تاریکی میں اضافہ کرتی ہے، بیروت علوم کا سرچشمہ اور خرافات کا گڑھ ہے۔^۱

یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ یہ مضمون آج سے ۶۲ سال پہلے لکھا گیا تھا، جب پورا شام عثمانیہ سلطنت میں شامل تھا، اور یہ معلوم ہے کہ لبنان اور اس کے دارالحکومت بیروت پر چوتھائی صدی تک فرانس حکمران رہا ہے، فرانس یورپ کے ملکوں میں سب سے تمدن اور ترقی یافتہ ملک اور فرانسیسی معاشرہ یورپ کا سب سے زیادہ نازک مزاج، تنعم کش اور ہر چیز میں آزادی کا دلدادہ رہا ہے، پھر جب آزادی کا دور آیا تو خرابیوں میں اور اضافہ ہو گیا (باقی صفحہ ۱۳۷ کا) صدی کی پہلی چوتھائی میں بڑے بھول تھے، اکثر ٹوک عرب اور زعماء و قائدین سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔^{۱۹۴۰} میں انتقال کیا۔

۱۔ مجلہ المراقب، ج ۲، شماره ۲، مئی ۱۹۱۰ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ

ان تمام اسباب کی بنا پر بیروت کو مغربی تہذیب کی تقلید اور ہمہ گامی میں سب سے نمایاں درجہ حاصل ہے۔

اپنے سیاسی اور اقتصادی اغراض و مفادات کے ماتحت امریکانے اس شہر میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی پوری کوشش کی اس لئے کہ بیروت مشرق کا دروازہ، عالم عربی کا قد قتی منفذ اور وہ تنہا عربی شہر ہے جس پر عیسائی چھاپ گری ہے، چنانچہ امریکانے بیروت میں بڑے بڑے ادارے قائم کئے، زبردست منصوبے تیار کئے اور ان کو تکمیل کا جامہ پہنایا، بیروت کی امریکن یونیورسٹی (الجماعة الامریکیّة) آج بھی مشرق عربی کی عظیم ترین یونیورسٹی تصور کی جاتی ہے جس نے عربی فکر و ادب پر گہرا اثر ڈالا ہے، اور عرب کے علمی حلقوں میں اس کے اساتذہ اور فضلا کو خاص رسوخ حاصل ہے۔

بیروت مشرق عربی کا سب سے بڑا سیاحتی شہر ہے، سیاحت اس کی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ ہے، جس پر اس کی معاشیات کا بڑی حد تک دار و مدار ہے، سیاحتی شہروں کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے، ان شہروں میں تفریح اور لذت اندوزی کے لئے ہر طرح کی چھوٹ دے دی جاتی ہے، اور ان چیزوں میں کبھی کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا، جو اکثر معاشروں میں انسانیت اور شرافت کے منافی شمار ہوتی ہیں، چنانچہ جس وقت غرب را جہدھانیان بادِ سموم کے تند جھوکوں کی لپیٹ میں ہوتی ہیں، بیروت رعنائی و جمال کے سمندر میں غرق اور دولت و ثروت کے جھولے میں جھولتا ہوتا ہے۔

متعدد عرب ملکوں میں فوجی اور سیاسی انقلابات رونما ہوئے اور بہت سے زعماء اور مصلحین پر زمین تنگ ہو گئی تو انھوں نے لبنان میں پناہ لی اس لحاظ سے لبنان کو عالم عربی کا سوئزرلینڈ کہہ سکتے ہیں، جہاں سیاسی پناہ گزینوں کی ایک بڑی تعداد مقیم ہے، اور انھیں

تصنیف و تالیف اور اپنے خیالات کی تبلیغ و اشاعت کی مکمل آزادی حاصل ہے جو بہت سے عربی ملکوں میں اور خود ان کے اپنے وطن میں بھی ناپید ہے، انھوں نے اپنی جائیدادیں بیروت منتقل کر لیں اور ان کو کاروبار میں لگایا، تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے نشر و اشاعت کا میدان ان کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھا، اس لئے اپنا سرمایہ اسی میدان میں لگایا، بیروت میں مشرق کے زبردست عربی پریس تھے، اس بنا پر ان دماغوں کا کام کرنے والے ہاتھوں اور اس کثیر تعداد کے منتقل ہونے سے بیروت کو خاصا فائدہ ہوا، اور تصنیف و تالیف کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں کتب خانوں اور کتاب گھروں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا۔ مصنفین نے ہر سمت سے اس کا رخ کیا خصوصاً جب قاہرہ میں تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کا بازار سرد چلا ہوا۔ آخر میں اس پر پابندی عائد کی گئی تو بیروت نشر و اشاعت اور کتابوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

یہ بیروت پر ایک طائرانہ نظر ہے، طرابلس اور صیدا کے دور سے فارغ ہونے کے بعد ہم لبنان پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے۔

طرابلس میں

۲۲ جب ۱۳۹۳ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۷۳ء دو شنبہ کے روز ہم نے طرابلس کا رخ کیا طرابلس ایک حسین و جمیل اسلامی شہر ہے، بیروت سے ۸۳ کیلو میٹر کے فاصلے پر آباد ہے، راقم سطور کو اس سے پہلے بھی ایک بار شعبان ۱۳۷۵ھ مطابق اپریل ۱۹۵۶ء میں طرابلس کے مختصر دورہ کا موقع ملا تھا، اور طرابلس اسے بہت پسند آیا تھا، تمنا تھی کہ دوبارہ طرابلس جانے اور وہاں کچھ دن گزارنے کا موقع ملے خدا کا شکر ہے کہ ۷ سال بعد یہ موقع ہاتھ آیا، اور ہم دو شنبہ کی صبح کو اتنا ذحیٰ القوی کی ساتھ طرابلس روانہ ہو گئے، ہم سمندر کے ساحل پر جا رہے تھے،

یہ راستہ ہمارے خیال میں مشرق کا خوبصورت ترین راستہ ہے، بحرِ روم ہمارے ساتھ ساتھ رواں تھا، اور بہت کم ہم سے جدا ہونا تھا، صاف تھری اور خوبصورت بستوں اور دلکش و دلاویز مناظر قدرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہم سرگرم سفر تھے۔

طرابلس پہنچے تو علمائے شہر کی ایک جماعت اور محکمہ قضا و افتاء کے متعلقین نے ہمارا استقبال کیا، سب سے پہلے ہم محکمہ اوقاف کے صدر دفتر گئے اور اس عظیم مسجد کی زیارت کی جو ابھی تعمیر و تکمیل کے مرحلہ میں ہے، پھر اسلامی تمیم خانہ اور اسلامی شفا خانہ دیکھنے گئے، شفا خانہ کی مجلس انتظامیہ کے صدر شیخ عدنان البحر نے ہم کو شفا خانہ کی عالی شان عمارت دکھائی جس کی ترتیب و تنظیم جدید طریقہ پر کی گئی ہے، وفد نے صدر کی توجہ اس جانب مبذول کرانی کہ نرسوں کو اسلامی لباس اور اسلامی آداب کا پابند ہونا ضروری قرار دیا جائے تاکہ یہ تمام اسلامی شفا خانوں کا شمار اور ان کی خصوصیت بن جائے، ان سب اداروں میں عمدہ ذوق، باقاعدگی اور خوش سلیقگی نمایاں تھی جس کے لئے طرابلس مشہور ہے۔

پھر درستہ الامان دیکھنے گئے، جو ایک با مقصد مدرسہ ہے، وہاں اتفاق سے مولوی صبغة اللہ مجددی سے ملاقات ہوئی جن سے کابل میں ہم مل چکے تھے، وہ یسٹ کی ثقافتی کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے، اور کابل واپس جا رہے تھے کہ اچانک ہوائی اڈہ پر افغانستان کے انقلاب کی خبر سنی تو سفر ملتوی کر دیا، اور صورت حال واضح ہونے تک لبنان ہی میں مقیم رہنے کا فیصلہ کیا۔

پھر وفد طرابلس کے عظیم عالم شیخ نذیم البحر کی ملاقات کے لئے گیا، جو طرابلس کے نامور اور جلیل القدر عالم شیخ حسین البحر مصنف اللہ الہامی المحمیدیہ کے فرزند ہیں، میں شیخ کی ایک کتاب قصۃ الامان بین الفلسفة والعلم والقرآن پڑھ چکا تھا، اور مزید پڑھ

میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ پر مغز اور عمیق کتاب یہی نظر آئی، ہم برصغیر کے باشندوں نے علامۃ الشام شیخ حسین البحر طرابلسی کو ان کی کتاب الرسالۃ المحمدیۃ کے ذریعہ جانا تھا جس کو اس صدی ہجری کے آغاز میں بہت مقبولیت و شہرت حاصل تھی، ہندوستان کے علماء اس کتاب کو بہت پسند کرتے تھے، ان کے نزدیک یہ کتاب مذہب اور اسلامی عقائد کا زبردست علمی دفاع ہے، شیخ ندیم البحر ان کے فرزند ان کے علم کے وارث اور طرابلس کے مفتی ہیں۔

ہمارا قافلہ "سیر" کی طرف روانہ ہوا جو لبنان میں گرمی گزارنے کا ایک دلکش مقام ہے وہ سطح سمندر سے ۹۰ میٹر بلند ہے، شیخ ندیم البحر یہیں مقیم ہیں، یہاں شیخ کے دولت خانہ پر دیر تک نشست رہی، شیخ کی گفتگو کا موضوع وہ زیر تجویز فلم تھی جس میں سیرت نبوی کے واقعات اور صحابہ کرام کو دکھایا جائے گا، اور جس کی بعض عرب ملکوں نے منظوری دے دی ہے، اس بدعت سے وہ بہت متفکر اور پریشان نظر آتے تھے، ان کا خیال ہے کہ ضعیف احادیث اور سیرت تفسیر کی وہ کتابیں جو ہندو تحقیق کے اعلیٰ معیار پر نہیں ہیں، منتشر قین اور اسلام کے دشمنوں کے لئے بہترین مواد فراہم کریں گی جس کو وہ سیرت کا حسن بگاڑنے اور سیرت کو رومانی افسانوں کے روپ اور جذبات کو براہیختہ کرنے والے افسانوی اسلوب میں پیش کرنے کے لئے استعمال کریں گے اور پھر اس پر پابندی لگانا ناممکن ہو جائے گا

ظہرانہ میں میری تقریر

دوپہر کا کھانا ہم نے "سیر" میں مفتی صاحب طرابلسی کی ضیافت میں کھایا، علماء کی ایک بڑی جماعت شریک تھی، کھانے کے بعد وفد کے خیر مقدم اور تعارف میں ایک تقریر کی گئی،

راقم سطور نے اس خیر مقدمی تقریر کا جواب دیا، اور اہل طرابلس کی کریا نہ ضیافت اور گریبوشی کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

”لبنان کے مسلم عوام ایک مخصوص اور نازک صورت حال سے دوچار ہیں، جس میں ان کی ذہانت، قوت ارادی اور عقیدہ کی پختگی کا امتحان ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر پھرانے دین کی صلاحیت اور اپنی قوت ارادی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے لبنان کے مسلمانوں کو اس کا عظیم کاہل سمجھا اور اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لئے منتخب فرمایا، یہ پریشان ہونے اور گھبرانے کا موقع نہیں، صبر و شکر کا موقع ہے، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو کبھی اپنی نصرت و حمایت سے محروم نہیں کرے گا، جس کی تعمیری اور تخلیقی صلاحیتیں ان اسلامی اداروں کی شکل میں جلوہ گر ہیں، جن کو دیکھنے اور جن سے واقفیت حاصل کرنے کا شرف ہم کو حاصل ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے، جو کوشش کرتا ہے، دوزد صوب کر لے، زندہ رہنے کا استحقاق ثابت کرتا ہے، اور دشواریوں اور آزمائشوں میں بھی اپنا راستہ نکال لیتا ہے“

ملاقات اور تعارف

طرابلس کے دورہ کے اثناء میں وفد نے چند علماء سے ملاقات کی جن میں اسٹوڈنٹ مولوی، شیخ طرابلسی، شیخ رشید میقاتی، استاذ محمد علی ضادی اور شیخ ناصر الصالح قابل ذکر ہیں، ان حضرات کے ساتھ مختلف اسلامی اور مذہبی موضوعات اور ملک کے سیاسی و اجتماعی حالات کے

۱۴۲

گفتگو رہی اور وفد کو ان کی معلومات اور افکار و خیالات سے استفادہ کا موقع ملا۔ اس دورہ سے وفد کو بہت مسرت ہوئی اور وہ ان حضرات کا بہت مشکور تھا، جنہوں نے اس کا استقبال کیا، اور ملاقات، تعارف اور تبادلہ خیال کا موقع فراہم کیا، اس کے بعد وفد بحدون واپس آ گیا۔

صيدا میں

۳ رجب ۱۳۹۳ھ مطابق یکم اگست ۱۹۷۳ء چار شنبہ کی صبح کو وفد نے لبنانی شہر "صيدا" کا رخ کیا جو اپنی آبادی اور مرکزیت کے لحاظ سے لبنان میں تیسرے نمبر کا شہر ہے، وفد کے ساتھ ازہر لبنان کے ناظم شیخ خلیل بھی تھے، راستہ بہت حسین اور سفر بڑا دلچسپ اور فرحت بخش تھا، صاف ستھرا اور دلکش لبنانی شہروں اور دیہاتوں سے گزرتے ہوئے ہم صیدا پہنچے جو بیروت سے ۳۴ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

صيدا پہنچنے کے فوراً بعد وہاں کے محکمہ اوقاف کے مقامی دفتر گئے اور کچھ دیر سہست رہی، اس موقع پر متعدد دینی شخصیتیں اور علماء موجود تھے، پھر وفدا اوقاف کے فاضل مدیر سلیم سوران کے ساتھ صیدا کے مفتی شیخ محمد انیس حمود کی ملاقات کے لئے گیا، ملاقات بہت خوشگوار تھی، استقبال یہ مکرمہ میں دیر تک ہم لوگ بیٹھے رہے، گفتگو ہوتی رہی اور پھر ایک مذاکرہ کا آغاز ہوا جس کا موضوع تھا "مسلمانوں کے اہم مسائل اور وہ عجیب فسوسناک صورت حال جس سے اس دور کا مسلمان دوچار ہے اور اس سے پہلے کی تاریخ میں جس کی مثال ملنی مشکل ہے، ہر شخص نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا، راقم سطور کی باری آئی، اس کی معروضات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

قوم میں علماء کا منصب و مقام اور عوام میں ان کے بے اثر ہونے کے اسباب

”گفتگو کا دائرہ بہت وسیع ہے، اگر ہم عالم اسلامی کے تمام طبقوں اور طبقوں کا جائزہ لیں گے، اور اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہونے میں ان کی کوتاہی اور سپاہوتی پر گفتگو کریں گے تو کچھ حاصل نہ ہوگا، اور کسی نتیجہ تک رسائی مشکل ہوگی۔
تنہم داغ داغ خدنیہ کجا کجا ہم

اس لئے ہم اپنی گفتگو کو علماء کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں تک محدود رکھیں گے، گفتگو مفید بھی ہے، اور علمی بھی، اس لئے کہ اس وقت بھی حضرات علماء ہی تشریف رکھتے ہیں، اور ہمارے سامنے انھیں کی طرف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قوم کی اصلاح اور درستگی کا دار و مدار علماء کی اصلاح و درستگی پر ہے، علماء اگر صحیح راستہ پر ہوں گے تو قوم بھی صحیح راستہ پر ہوگی، اور اگر علماء میں انحراف ہوگا، بے یقینی اور کمزوری ہوگی، اگر ان کے اندر مادی خواہشات کے مقابلہ میں پراندازی اور حالات کے سامنے جھکنے کا رجحان ہوگا، ان کا معیار زندگی بلند ہوگا، ان کے اندر سادگی اور قناعت کا فقدان ہوگا، وہ تنعم پسندی اور راحت طلبی کے عادی ہوں گے تو اس کا اثر لازمی طور پر مسلم عوام پر بھی پڑے گا اسی موقع کے لئے کسی شاعر نے کہا تھا:

ژدہ بادے مرگ ۱ عیسیٰ آپ ہی بیار ہے

انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر ایسی چیز پر فریفتہ ہوتا ہے، جو اس کے پاس موجود نہیں ہوتی، پہلے اسلامی معاشرہ علماء کا ادب کرتا تھا، اور ان کو

بڑے احترام اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، جب زہد و قناعت، بے نیازی و بلند نفسی اور کسی قدر تقشف و سادگی سے بالمال تھے، یہاں تک کہ سلاطین و امرا ان سے ڈرتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے، اور ان کو اپنے سے بلند سمجھتے تھے۔

لیکن آج علماء کا یہ حال ہے کہ وہ بھی راحت طلبی کی دوڑ میں سب کے ساتھ مصروف ہیں، اور اب ان کے درمیان اور ان کے ہم وطن و ہم نسل افراد کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں رہا، اس لئے معاشرہ بھی انہیں اسی نگاہ سے دیکھنے لگا جس نگاہ سے وہ عوام کو دیکھتا ہے، اور اب لوگوں کے دلوں میں علماء کی کسی نصیحت یا تنقید کی وقعت نہیں پیدا ہوتی۔

دعوت و تبلیغ کے لئے نہایت ضروری ہے کہ علماء اپنے کھوسے ہوئے مقام کو حاصل کریں، اپنا اعتبار اور اپنی دینی اور اجتماعی قیمت کا شعور پیدا کریں، اصلاح و تجدید کی تاریخ میں ہم نے دیکھا ہے کہ جب بھی اسلام اور مسلمان کی نسبت بھران سے دوچار ہوئے ہیں، ہر طرف ناامیدی اور بے یقینی کے بادل چھلا گئے ہیں، ایک عالم نمودار ہوا، اصلاح و جہاد کے میدان میں آیا، حالات کو چیلنج کیا اور تاریخ و واقعات کا رخ موڑ کر رکھ دیا، اسلامی عقائد کی سلامتی اور اسلامی شریعت کی عظمت کے تحفظ کا فرض انجام دیا، قوم کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دی اور اسے ایک نئی زندگی بخش دی، یہ عمل ہم مسلسل دیکھ رہے ہیں، امام حسن بصری سے شیخ عبدالقادر جیلانی تک، ابن تیمیہ حرانی تک، شیخ احمد رضا دہلوی اور اس صدی کے علماء ربانیوں اور ائمہ مصلحین تک ہر زمانہ اور ہر جگہ میں

یہ ہوتا آیا ہے، اور قیامت تک اس دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تذکرہ کے سلسلہ کو

جاری رہنا چاہئے۔

اکثر حاضرین نے اس نکتہ کو تسلیم کیا اور اس کی تائید کی۔

صيدا کا دورہ

پھر ہم ”جمعیتہ رعایتیۃ التعمیر“ دیکھنے گئے جو ایک مسلم تہذیب خانہ چلاتی ہے، یہ ایک وسیع و کشادہ عمارت ہے، کئی شعبے اور متعدد ہال ہیں، اس کے منتظمین اور قائم کرنے والوں نے اس کی تعمیر و تزئین میں بہت سلیقہ مندی سے کام لیا ہے، اور تمام تکلفات کا محاذ رکھا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ موجودہ دور کے جدید ترین طرز کے فلاحی اداروں سے کسی طرح سے کم نہیں ہے، اور منتظمین نے اس ادارہ کو ”ترقی یافتہ“ بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے، انھوں نے بعض ایسی سرگرمیاں بھی داخل کر دی ہیں، جو اسلامی شریعت و آداب کے خلاف ہیں، چنانچہ اس ادارہ کے متعلق ایک کتابچہ میں ایک تصویر ہے جس میں اس کے لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک مقامی رقص کی حالت میں دکھایا گیا ہے، طالبات کو خیاطی اور دوسری دستی صنعتوں کے سکھائے جانے پر خوشی ہوئی۔

اس کے بعد ہم صیدا کے قاضی شریعت شیخ سلیم جلال الدین کے گھر گئے جو ایک خوبصورت ٹیلہ پر واقع ہے، یہ ٹیلہ کھیتوں اور باغات سے گھرا ہوا ہے، اس کے سامنے ایک وادی ہے، جس میں سرو قامت درخت کھڑے ہیں، اور رنگ برنگ کے پھولوں اور کلیوں سے بھری ہوئی ہے، اس وادی کا حسن اور ٹیلہ کا قدرتی محل وقوع بہت لطف سے رہا تھا، وہاں علماء اور دوسرے احباب سے ملاقات اور گفتگو رہی اور مناظر قدرت کے ساتھ ساتھ شیرینی گفتار حسن اخلاق اور

۱۴۶

شرافت نفس کے جلوے دل و نگاہ کو مسحور کر رہے تھے۔

پھر وفد نے سمندر کا تاریخی قلعہ دیکھا اور ساحل سمندر پر ایک شاندار ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھایا اور سرور محفوظ بچھرون واپس آ گیا۔

مفتی امین اکیڈمی کی میزبانی

اسی روز شام کو موتر عالم اسلامی اور "الہیئۃ العربیۃ العلیا فلسطین" کے صدر مفتی امین اکیڈمی نے وفد کے اعزاز میں منصوریتہ المتن میں اپنے دولت خانہ پر یکایک قبالیہ جلسہ منعقد کیا جس میں علماء، عمائدین شہر اور تحریک اسلامی سے دلچسپی رکھنے والوں کی ایک تعداد شریک تھی۔

لبنانی مسلمانوں کی صورت حال پر ایک نظر

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم لبنانی مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی صورت حال پر ایک نظر ڈالتے چلیں، یہ ایک پیچیدہ اور مخصوص صورت حال ہے جس کا اندازہ دوسرے ملکوں کے باخبریات دان بھی آسانی سے نہیں لگا سکتے، جس شخص نے لبنان کا دورہ نہ کیا ہو اور وہاں کے حالات پر وقت نظر سے غور کرنے کا موقع اس کو نہ ملا ہو تو وہ اس صورت حال کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔

مختصر یہ کہ لبنان کے مسلمان دولت عثمانیہ کے خلافت عربوں خصوصاً شامیوں کی بقا و اتحادیوں کے دعووں پر اعتماد اور خلافت عثمانیہ کے دائرہ سے خروج کی سزا اور سختی سے اچھی تک عمدہ برآئیں ہو سکے ہیں، وہ خلافت عثمانیہ جو اپنی تمام غلطیوں، کوتاہیوں اور

عہدہ اور جگہ کے حاملین کے لئے جو احکام ہیں، ان کے لئے رحمت ہو گئے اور اللہ

کمزوریوں کے باوجود اسلامی قوت اور اسلامی اتحاد کا نشان اور مقامات مقدسہ کی محافظ تھی غالباً اس تاوان میں جو عربوں کو ادا کرنا پڑا ہے، اور آج بھی ادا کر رہے ہیں، لبنان کے مسلمانوں کا حصہ شام کے دوسرے باشندوں سے زیادہ ہے، لبنانی مسلمان آج بھی اس سچے پیہہ مخصوص اور نرالی صورت حال کے دباؤ سے کرا رہا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جبل لبنان میں عیسائیوں کی اکثریت تھی، اس کے برخلاف ساحل اور بقاع میں مسلمان اکثریت میں تھے، پھر ۱۹۱۰ء میں بیروت، صیدا، بعلبک، بقاع، حاصبیا اور راشیا کا لبنان سے اسحاق عمل میں آیا اور جبل لبنان کو نئی جمہوریہ کی اساس و بنیاد قرار دیا گیا، ۱۹۳۶ء میں فرانسیسی حکومت نے مردم شماری کرائی جو ۳۱ جنوری ۱۹۳۶ء کو عمل میں آئی، اس مردم شماری کے پچھلے سیاسی اغراضن کار فرما تھے، دراصل فرانس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے باشندوں کی تعداد میں ایک فرقہ کو دوسرے پر فوقیت دے دی جائے اسی کے ساتھ ساتھ ایک فواہ یہ بھی پھیل گئی کہ فرانس کا مقصد اپنی نوآبادیات میں فرانسیسی فوج میں جنگ کے لئے جبری بھرتی ہے، اور مسلمان اس سے بچتے تھے، مسلک کی سچیدگی میں اس سے اور اضافہ ہو گیا کہ وہ سواری کی تقسیم کے مخالف تھے۔

ان تمام اسباب کی بنا پر مسلمانوں نے مردم شماری سے کلی فرار اختیار کیا، نتیجہ ظاہر تھا، چنانچہ اس پر فریب مردم شماری سے عیسائیوں کی اکثریت ثابت ہو گئی، لبنان کے اعلیٰ حکام نے دوسری صحیح اور مکمل مردم شماری کرانے سے انکار کر دیا، اور آج بھی اس کے لئے آمادہ نہیں ہیں، جبکہ پہلی مردم شماری پر چالیس برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اسی مردم شماری کی بنیاد پر قومی دستور مرتب کیا گیا، عہدوں اور پارلیمنٹ کی نشستوں کی تقسیم انجام پائی اور ہمیں سے اس عرب اسلامی ملک میں مسلمانوں کی حیثیت اور مستقبل کا تعین ہوا

اور وہ یہ کہ مسلمان تعداد میں اکثریت کے باوجود اپنے وطن میں اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے، معاملہ کی سنگینی اس سے اور بڑھ جاتی ہے کہ غیر مسلموں کو لبنانی قومیت پوری فیاضی سے دی جا رہی ہے، اور اس طرح ان کے سیاسی مستقبل کا تحفظ کیا جا رہا ہے۔

فرانس جب لبنان کو چھوڑا تھا تو اس نے حکومت مارونی فرقہ کے سپرکمیڈر ایک ایسا دستور (CONSTITUTION) وضع کیا گیا، جس کے رو سے ساری طاقت صدر جمہوریت کے قبضہ میں ہوتی ہے، اور وہ ہمیشہ عیسائی ہوتا ہے، اس کو سب سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں، وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہوتا، اور وزیر اعظم کو جس کے متعلق دستور میں ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں میں سے منتخب کیا جائے گا، صدر جمہوریہ ہی مقرر کرتا ہے، وزیر اعظم پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، اور پارلیمنٹ جب چاہے، اس کے خلاف اور اس کے وزراء کے خلاف..... عدم اعتماد کی تجویز پاس کر سکتی ہے، وزیر اعظم کے پاس مخصوص اختیارات بھی کچھ نہیں ہوتے، حقیقت یہ ہے کہ وہ صدر جمہوریہ کا ہیڈ کلرک ہوتا ہے اگرچہ عملی طور پر عزت مآب صدر جمہوریہ کا محافظ اور ڈھال ہوتا ہے۔

یہ تو وہ دستور ہے، جو تحریری شکل میں ہے اور جو لبنانی مسلمانوں کے ساتھ پورا انصاف نہیں کرتا، اس کے علاوہ وہاں ایک اور دستور بھی ہے، جو کہیں تحریری شکل میں نہیں ہے، وہ ہے وہ طریقہ جس کو لبنانی جمہوریہ اپنائے ہوئے ہے، ان دونوں دستوروں میں نمایاں تضاد پایا جاتا ہے، چنانچہ کلیدی جمہوروں پر غیر مسلموں کی اجارہ داری ہے، ترقیاتی پروگراموں، مدارس، ادارے اور وظائف و حذیرہ کے مستحق صرف غیر مسلم ملتے ہوتے ہیں، اخلاق و اقدار سے انحراف اور یکساں سول کوڈ کی دعوت مزید برآں جس کی اس ملک کی زندگی میں بہت اہمیت ہے، تعطیل کے ایام حکومت نے جمعہ کے بجائے سنچر اور اتوار کو مقرر کیا ہے، حکومت

کی سفارشات میں سے ہے کہ ملازمت کی بنیاد فرقہ وارانہ نہ ہو، ان اسلامی علاقوں کو جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ترقی کے مواقع سے محروم رکھا جاتا ہے، اسی طرح جن مسلمانوں نے کسی وجہ سے لبنان چھوڑ دیا تھا، ان کو لبنانی قومیت حاصل کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بلاشبہ اس صورت حال کی ذمہ داری لبنانی مسلمانوں پر کبھی ہے، اور بہت سی چیزوں کا نفلق ان کی کوتاہ بینی اور حالات کا صحیح اندازہ نہ لگانے سے ہے، کیونکہ لبنان کے سارے حالات غیر مسلموں کی جانب سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق رونما ہوئے، اس کے برعکس مسلمانوں نے اس سلسلہ میں کسی منصوبہ بندی سے کام نہیں لیا، ایک سبب مسلم پارٹیوں کے لیڈروں کی انانیت اور سیاسی رہنماؤں کی خود عرضی اور نفس پرستی بھی ہے، جو ہر قومیت پر وزارت عظمیٰ کے عہدہ کو قبول کرنے رہے، خواہ اس سلسلہ میں لبنان کے مسلمانوں کے مفادات اور مصالح کو قربان ہی کرنا کیوں نہ پڑے، ان لیڈروں نے کبھی لبنانی مسلمانوں کے ساتھ مساوات اور ان کے فطری اور شہری حقوق کا مطالبہ نہیں کیا، اور بعض اوقات وزارت عظمیٰ کے عہدہ کو قبول کرنے کے لئے عزت مآب صدر کی دعوت پر فوراً البیک کہا خواہ اس کی مدت چند ہفتوں اور چند دنوں سے زیادہ نہ ہو۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ لبنان کے مسلمان عرب حکومتوں اور عرب دنیا سے بالکل علیحدہ اور الگ تھلگ رہتے ہیں، ان کو کسی عرب حکومت سے کوئی تعاون اور اپنے مسائل کے سلسلہ میں کسی قسم کی ہمدردی حاصل نہیں ہوتی، اس کے برخلاف عیسائی فرقہ کو تمام عیسائی یورپین قوموں، امریکا اور یونین سے ہر طرح کا تعاون ملتا ہے، پوری عیسائی دنیا اس کی لہ ریحصہ اتاذ محمد علی انصاری الحامی کی فاضلانہ کتاب "المسلمون فی لبنان مواطنون لا رعایا" کے مطالعہ اور محلوامہ پر مبنی ہے۔

پشت پناہی کرتی ہے، لیکن مسلمانوں کو عرب اور اسلامی دنیا سے کوئی مدد نہیں ملتی بعض حکومتیں اور بعض عرب ممالک کے دولت مند اور اصحاب خیر حضرات کچھ اسلامی اور فلاحی اداروں کے ساتھ تعاون ضرور کرتے ہیں، مگر اس سے لبنانی مسلمانوں کی موجودہ صورت حال اور ان کی آئندہ نسلوں کے مستقبل پر جو اس ملک سے وابستہ ہے کوئی اثر نہیں پڑتا، حالانکہ یہ ملک اپنے جغرافی اور سیاسی عمل و وقوع کی بنا پر بہت اہمیت رکھتا ہے اور عرب ملکوں کے حالات اور مستقبل پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

اوپر کے سطور میں یہ اشارہ گزر رہے کہ غیر مسلم طاقتوں نے لبنان میں مسلم عرب اکثریت کو بے اثر و بے دخل بنانے اور سچی فرقہ کو اس علاقہ میں دائمی اقتدار عطا کرنے کے لئے منصوبہ بند طریقہ پر کام کیا، اور سب کچھ ایک مکمل و مرتب اسکیم کے ماتحت تھا، حسن اتفاق سے ابھی حال میں اس کا ایک دستاویزی ثبوت ملا، یہ ایک رازدارانہ تحریر ہے جو حکومت فرانس کی طرف سے عیسائی قائدین اور کارکنوں کی رہنمائی کے لئے مخفی طور پر تقسیم کی گئی تھی، یہاں اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

[یہ اس مشور کا عربی ترجمہ ہے، جو ۱۹۱۹ء میں اتفاق سے لبنان کے ایک کلیسا میں

فرانسیسی زبان میں لکھا ہوا ملا تھا،]

”ہمارے حکومت کی جانب سے اس کے مخلص فرزندوں کے نام۔

اے یسوع مسیح کے بیٹو!

اے وہ جنہوں نے اپنے عقائد کے تحفظ اور دفاع کے لئے صدیوں تک فتنے و

رسوائی کو برداشت کیا، اے شرفاء اطہار! یہ دس نصیحتیں ہمیشہ یاد رکھئے:

(۱) یہ وطن آپ ہی کے لئے وجود میں آیا ہے، تاکہ آپ اپنا شیرازہ اٹھا کر سکیں

اور تاریخی جنگ کے بعد اپنی آزادی سے متمتع ہو سکیں، آپ کو یقین کرنا چاہئے کہ عیسائی کے معنی لبنانی ہیں، اور صحرا سے آنے والے عربوں کو صحرا واپس جانا چاہئے (۲) ہم نے آپ کے لئے وہ تمام اہم انتظامات کر دیئے ہیں، جو اس علاقہ میں آپ کی خوشحال زندگی کے ضامن ہیں، مثلاً ملکیت اراضی، غیر ملکی ایجنسیاں، سیاسی صورت حال اور زر، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ان مفادات کا تحفظ کریں اور ان میں روز افزوں اضافہ کریں۔

(۳) تفریح گاہوں اور ریاضتی انتظامات پر قبضہ کرنے کی کوشش کیجئے اور جب آپ اکثریت میں ہو جائیں تو عربوں کو ان کی بستیوں سے نکال دیجئے، بیروت کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں جہاں مسلمان نہ ہوں ایک ریزرو بند گاہ کی تعمیر ہو، گز نہ بھولئے، جس وقت بھی موقع ملے اور حالات سازگار ہوں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کیجئے۔

(۴) طاقت کے تمام ذرائع اختیار کیجئے، مثلاً جسمانی ورزش، اسلحہ اور جوڑاؤں کی تنظیمیں، فوج سے دلچسپی لیجئے، اپنی بات پوشیدہ رکھئے، اپنے رفقار پر اعتماد کیجئے، اس لئے کہ دشمنوں کے ساتھ معرکہ بہت طویل اور مسلسل ہے۔

(۵) ادبی قیادت کی زمام اپنے ہاتھ میں لیجئے، مثلاً کتابوں کی اشاعت اور تمام انجمنوں اور اکیڈمیوں پر آپ کا قبضہ ہو، ہرگز یہ تسلیم نہ کیجئے کہ آپ کی زبان کا سرمایہ تہذیبی مسلمانوں کی ملکیت ہے، اور بغیر کسی رو رعایت کے ان تمام افراد کو اشتخاص سے جنگ کیجئے جو آپ کے رجحانات کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۶) اپنے باہمی اختلافات کو نظری اور سطحی حد سے آگے نہ جانے دیجئے

کیونکہ آپ کی زندگی کا دار و مدار کا فرد شمن کے مقابلہ میں آپ کے اتحاد و کیمبتی پر ہے اور آپ تو اس یسوع کے فرزند ہیں جس نے ہم کو محبت کا درس دیا ہے۔

(۷) دوسروں کے منصوبوں کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہئے، اور ان کے ساتھ مل کر کام کیجئے تاکہ اندرونی باتوں کا علم ہو سکے، اور ضرورت کے وقت ان کی ظاہری تائید میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن کلیسا اور سرداروں سے ہر شخص کا رابطہ استوار ہونا چاہئے اور اپنے مخلص آبا کے احکام کی نافرمانی نہ کرنی چاہئے۔

(۸) ہر بلند جگہ پر اپنے سروں کو اور اپنے شعائر کو بلند رکھئے اور یقین کیجئے کہ آزاد دنیا کی تمام عظیم طاقتیں بہت جلد آپ کے ساتھ ہوں گی لیکن اپنا کام اس طرح کیجئے کہ گویا آپ کو اس کا قطعاً علم نہیں ہے۔

(۹) طبی اور شخصی خدمات کے ذریعہ عرب بادشاہوں اور سربراہوں سے قریب ہونے کی کوشش کیجئے؟ یہ سہل ترین راستہ ہے، اس سے کام کا وسیع میدان ملے گا، بڑی دولت حاصل ہوگی اور ان ملکوں میں بھی گھسنے کا موقع ملے گا، جن میں آپ کا داخل ہونا دشوار ہے۔

(۱۰) لبنانی قومیت کا محرکہ بہت اہمیت رکھتا ہے، بڑی ہوشمندی اور باریک بینی سے کام لیجئے تاکہ اپنے اکثریتی حقوق کا تحفظ کر سکیں ورنہ تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔

دارالافتاء میں ایک عزیزی تقریب

جمعرات کے روز ۲۴ رجب ۱۳۹۳ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۷۳ء کو شیخ حرمیٰ نے مفتی ابن

نے وفد کے اعزاز میں ایک ٹھہرانہ دیا، جس میں لبنان کے موجودہ وزیر اعظم اتاؤ تقی الدین بصلح، سابق وزیر اعظم اتاؤ صائب سلام، متعدد وزراء، ملکیت، ممبران پارلیمنٹ، عمائدین شہر، علماء و قضاة اور ارباب و مفکرین کی بڑی تعداد شریک تھی۔

لبنان یونیورسٹی اور بیروت کی عربی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر صبحی صالح نے تعارفی تقریر کی راقم سطور کی تصنیفات خصوصاً العرب والاسلام اور تحریک ندوۃ العلماء کا تفصیل سے جائزہ لیا، پھر راقم سطور نے تقریر کی جس میں ان حضرات اور ان دوستوں کا شکریہ ادا کیا جن کی بدولت وفد کے قیام اور اس کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں سہولت ہوئی، اس کے بعد لبنانی مسلمانوں کے نازک موقف پر احتیاط سے روشنی ڈالی، جس ملک میں وہ زندگی گزار رہے ہیں اور جو مسائل ان کو درپیش ہیں ان میں لبنانی مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں اور اس سلسلہ میں اسلام کا ان سے کیا مطالبہ ہے، ان سب باتوں کی وضاحت کی، ذیل میں تقریر کا خلاصہ درج ہے، جو مقرر نے اپنے حافظہ کی مدد سے اٹھا کر لیا ہے۔

تہذیبوں کے سنگم اور عالمی ایج پر مسلم قوم کا کردار

میں اپنی جانب سے رابطہ عالم اسلامی کے وفد کے ارکان اور اپنے رفیق محترم، مشہور اسلامی مصنف، سعودی حکومت کی مجلس شوریٰ کے رکن، جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ کے اتاؤ اور وفد کے ممبر اتاؤ احمد محمد جلال کی جانب سے حضرت مفتی اعظم کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہم کو لبنان کے قیام کے دوران اس اعزاز و اکرام سے نوازا، اور میں خاص طور پر حضرت مفتی محترم کا اس لئے بھی مشکور ہوں کہ آپ نے ہمارے لئے اتنی بڑی منتخب جماعت سے ملاقات،

۱۵۴

تعارف اور گفتگو کرنے کا مبارک موقع فراہم کیا، جو لبنان کے مختلف طبقوں اور
رجحانات کی نمائندگی کرتی ہے، اگر خود ہم ان تمام حضرات سے ملاقات کی
کوشش کرتے تو کبھی کامیابی نہ ہوتی۔

محترم حضرات!

مجھے صورتحال کی نزاکت اور آپ کی عظیم ذمہ داری کا پورا احساس ہے،
آپ ایک ایسے ملک میں زندگی گزار رہے ہیں جو مختلف تہذیبوں، ثقافتوں
اور مختلف زبان و ادب کا سنگم ہے، آپ کی ذمہ داری بہت عظیم اور آپ کا
کام بہت نازک ہے، اور بڑی ذہانت، اور اندیشی، بیدار مغزی ضروری
سوچھ بوجھ، پیش بینی اور معاملہ فہمی چاہتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ جس مذہب
اور پیغام کے آپ نمائندہ ہیں، اس پر پختہ یقین و اعتماد، اور جن غلط فہمی
دھاروں سے آپ کا سامنا ہے، ان کے مقابلہ میں پورے ثبات و استقلال
کی ضرورت ہے، اس عالمی اسٹیج پر جس کی طرف ساری دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں
آپ کو ایک تعلیم یافتہ مسلم اور حکیم و پختہ مومن کا کردار ادا کرنا ہے، آپ کا ہر عمل
بہر قدم اور ہر رویہ ریکارڈ ہوتا ہے، اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصولوں
کی نمائندگی سمجھا جاتا ہے۔

حضرات! آپ دنیا کے سامنے ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام میں صلاحیت
ہے، میں نہیں کہوں گا کہ باقی رہنے کی، میرے نزدیک زندہ رہنے کی صلاحیت
اور بقا کے حق کی بھیک مانگنا کمتر درجے کی چیز ہے، بلکہ اسلام میں صلاحیت
ہے، قیادت کی، انسانیت کی گلہ بانی کی، ان سائل کو حل کرنے کی جن سے

دنیا کے سائے مفکرین اور قانون دان پریشان اور عاجز ہیں، اس طرح آپ اپنے دین کی ایسی خدمت انجام دیں گے، جو کوئی قوم اور عرب بلکہ سائے عالم اسلام میں کوئی ملک بھی انجام نہیں دے سکتا، اور حیران و مضطرب عرب دنیا اور عالم اسلام کے سامنے ایک قیادت پیش کر سکیں گے۔

حاضرین کرام!

آپ کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ آپ کو مغربی تہذیب اور عصر حاضر کے چیلنج کا روبرو مقابلہ ہے، جو بہت سی دوسری عرب اور مسلم اقوام کو نہیں ہے، آپ مغربی تہذیب کے بھرپور مروج میں ہیں، آپ ایک نازک آزمائش گاہ اور ایک عملیاتی تجربہ گاہ میں ہیں، اور سارا عالم اسلام اس تجربہ اور آزمائش میں آپ کی سر بلندی اور کامرانی کے لئے چشم براہ ہے۔

اگر اس روز گاہ میں آپ تجلیاب ہوئے اور اپنا راستہ نکال لیا تو آپ کے دوسرے ہمسایہ عرب اور اسلامی ملکوں کے لئے بھی راہ کھل جائے گی بلاشبہ یہ ذہانت و ذکاوت کی آزمائش ہے، ایمان و یقین کی آزمائش ہے، بلند ہمتی اور اولوالعزمی کی آزمائش ہے، اور جن صلاحیتوں اور طاقتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے، اور جو مواقع آپ کے لئے فراہم کئے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے مجھے پوری امید ہے کہ اس امتحان میں آپ سرفرازی اور سر بلندی سے ہنگامہ ہوں گے، لبنان میں جو شب و روز ہم نے گزارے ہیں، ان سے ہمارے حوصلوں کو بلندی اور امیدوں کو تازگی اور تقویت ملی ہے، اور جیسا کہ میں نے طرابلس میں کہا تھا، اس ملک میں آپ کے وجود کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

آپ کو اس سیلاب کے روکنے، اسلام دشمن عناصر سے نبرد آزما ہونے اور اس عجیب و غریب ملک میں اسلام کا علم بلند کرنے کا اہل اور حقیقی سزاوار سمجھانے آپ کو اس اعتماد اور اعزاز پر اشر تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور دعا کرنی چاہئے کہ اشر تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے، آپ کو ہر مرحلہ پر ثبات قدم رکھے اور آپ کے دلوں کو اتحاد، اخوت اور یگانگت کے جذبات سے معمور فرمائے۔

حضرات! میں نے مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور انسانی معاشرہوں کا جو محدود مطالعہ کیا ہے اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ زمان و مکان اور ماحول و متعلقات سے قطع نظر، اسلامی تہذیب کو اگر مستثنیٰ کر دیا جائے تو مغربی تہذیب سے زیادہ طاقتور، زود اثر اور اس سے زیادہ نفوذ و رسوخ رکھنے والی کوئی تہذیب آج تک نہیں پائی گئی، مغربی تہذیب انسانی معاشرے کے ہر گوشہ میں داخل ہو گئی، خیالات و جذبات پر غالب آگئی، زندگی کی قدموں کو بدل ڈالا، سوچنے اور سمجھنے کے انداز پر اثر انداز ہوئی، غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں رہا، جس پر اس کا تسلط اور تصرف نہ ہو، وہ غریبوں کے خص قانون میں بھی موجود ہے، اور امیروں کے ننگار قانون میں بھی۔

مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب دونوں چونکہ انسان اور انسانی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں، اور انسان کے مسائل و ضروریات سے بحث کرتی ہیں، اس لئے کچھ نقطوں پر ان کا اتصال ہوتا ہے، اور کچھ نقطوں پر ان کا افتراق، بعض مواقع پر دونوں کا راستہ ایک ہو جاتا ہے، اور بعض مواقع پر دونوں کے راستے مختلف

ہوجاتے ہیں۔

بحیثیت مفکر اور اسلام کے محرم راز کے، نیز چونکہ اس متضاد ملک میں آپ رہتے ہیں، آپ کا فرض ہے کہ ان دونوں تہذیبوں کے درمیان ایک باریک اور واضح لائن کھینچ دیں جو فرق و امتیاز کا کام ہے ان چیزوں کے درمیان جن کا اخذ کرنا مغربی تہذیب سے صحیح ہو اور جن کا اخذ کرنا صحیح نہ ہو بے حیائی، بے پردگی اور جاہلی زب و زینت کے درمیان اور اس پردہ اور احتیاط کے درمیان جن کا اسلام نے حکم دیا ہے، لطف اندوزی اور کھیل کود کی اس حد کے درمیان جسے اسلام نے مباح قرار دیا ہے، اور حدود و قیود سے بالاتر ہو کر اس نفس پرستی، شہوت رانی اور حیوانیت کے درمیان جو اسلام میں ممنوع قرار دی گئی ہے، ایسی لائن جو باریک بھی ہو اور واضح بھی، اتنی باریک بھی نہ ہو کہ ظاہر نہ ہو اور اس کو کوئی دیکھ نہ سکے، ایسے باریک خط سے کوئی فائدہ نہیں جو لوگوں کو دکھائی نہ دے، اور یہ لائن اتنی موٹی اور بھدی بھی نہ ہو کہ لوگوں کو گراں گزے، زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں حائل ہو جائے اور دشواری پیدا کر دے، ایسی لائن جس پر ہر مسلمان جو اپنے دین پر ایمان رکھتا ہو، اور اپنی شریعت کا احترام کرتا ہو، اگر رک جائے اور اس کو پار کرنے کی جرات نہ کرے، ایسی لائن کسی بھی اسلامی ملک میں جس کا مغربی تہذیب اور عہد حاضر کے فکری دھاروں سے مقابلہ درپیش ہے، موجود نہیں ہے، چنانچہ ایک انتشار پیدا ہو گیا ہے، مسلمان اس تہذیب کے طور طریق اور علوم و افکار سے استفادہ کرنے میں تمام حدود کو پھلانگ گئے ہیں اور تعلیم یافتہ نوجوان بلکہ رباب علم و فکر کا

طبقہ کبھی موجودہ صورت حال کے سامنے یکسر سپر تھنا نہ ہو گیا ہے، آپ کے لئے یہ خط کھینچنا زیادہ آسان اور زیادہ ممکن ہے، اس لئے کہ آپ ایسے ملک میں رہتے ہیں، جہاں مغربی تہذیب کا دور دورہ ہے، اور جو اس تہذیب کو اپنانے میں بہت آگے جا چکا ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ — اس وقت میرا خطاب لبنانی دارالافتاء سے ہے — اسلامی روح اور اسلامی قانون کا وسیع اور عمیق علم رکھتے ہیں، میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور میری تمنا ہے کہ آپ اس کا عظیم کم بخوبی انجام دیں، اس لئے کہ اس کام کا ہماری زندگی اور مسلمانوں کے مستقبل پر بہت گہرا اور ہمہ گیر اثر ہوگا۔

حضرات علماء کرام!

آپ کی تیسری ذمہ داری میرے نزدیک یہ ہے کہ آپ جس معاشرہ میں زندگی گزار رہے ہیں، اس کے سامنے ایسی چیز پیش کیجئے جو اس کے پاس نہیں ہے، آپ اس خلا کو پر کیجئے، جو بہت دنوں سے پیدا ہو گیا ہے، علم و ثقافت، تہذیب و تمدن، اشکال و مظاہر اور عیش و طرب کی زیادتی نے اس معاشرہ کو مرضِ خمیہ میں مبتلا کر دیا ہے، اور انسان کی فطرت ہے کہ وہ اس چیز کی قدر کرتا ہے، جو اس کے پاس موجود نہیں ہوتی اور اس شخص کو عورت احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جس کے پاس یہ چیز ہوتی ہے، تو یہ ترقی یافتہ معاشرہ جو علم و تہذیب کے نقطہ عروج پر ہے، معلومات کی کثرت، علم کی زیادتی، طلاقت لسانی، زور خطابت اور آرائش و زیبائش سے زبردستی ہو سکتا، وہ زیر ہو سکتا ہے تو اسی چیز سے جو اس کے یہاں نایاب ہے،

جس میں وہ مفلس اور تلاش ہے، وہ قناعت، سادگی، زہد، ضبط نفس، جاہ و منصب کے سحر و طلسم سے آزاد ہونے اور زندگی کے رنگیں، خوشنما اور کھوکھلے مظاہر سے بے اعتنائی ہی سے زیر ہوگا۔

یہ معاشرہ اس میدان میں بالکل دیوالیہ ہو چکا ہے، وہ یہ ماننے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے، جو اس لذت و راحت کو ٹھکراتا، اور ان بلند قدروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جن پر ساری دنیا کا ایمان ہے، اور سارے لوگ جن کی پرستش کرتے ہیں۔

آج علم و عقل کا بحران نہیں ہے، مال و مادہ کا بحران نہیں، تہذیب و تمدن کا بحران نہیں ہے، بحران اس زندہ ضمیر کا ہے، جو خریدنا نہ جاسکے جو کہیں کھو نہ جائے، جو کسی سودے بازی کو قبول نہ کرے، اس دل کا بحران ہے، جو زندگی اور ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہو۔

آج دل و ضمیر کا یہ حال ہے کہ — میری مراد نہ کسی ایک ملک سے ہے نہ کسی ایک شخص سے — وہ سامان خرید و فروخت ہو گئے ہیں، جن کی کوئی باز ہوتی ہے، جن کو خریدنا اور بیچنا جاتا ہے، مسئلہ سامان کا نہیں اس قیمت کا ہے جو ادا کی جاتی ہے، اور جس سے ضمیروں اور اصولوں کو خریدنا جاتا ہے، آج سارے لیڈر اور قوم کے ناخدا حکومت کی کرسیوں اور پارٹی کی لیڈرشپ کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، خواہ اس کے حصول میں کوئی قیمت بھی ادا کرنی پڑے۔ بلاشبہ یہ دل و ضمیر اور شخصیت و اخلاق کا بحران ہے جس نے اسلامی ملکوں میں صحیح اور مستقیم قیادت کے بحران کو جنم دیا ہے، اور ایسے بے شمار

مسائل پیدا کر دیئے ہیں، جن کا کوئی حل نہیں ہے، اور سارے لیڈروں اور قومی رہنماؤں کا اعتماد ختم ہو گیا۔

آپ جو اسلام کے علمبردار اور داعی اللہ اللہ کے عظیم منصب پر سرفراز ہیں، اس خلا کو پر اور اس شکاف کو بند کر سکتے ہیں، موجودہ معاشرہ اور موجودہ تہذیب کے سامنے زندگی، اخلاق اور شخصیت کا ایک نیا نمونہ پیش کر سکتے ہیں، اور اس طرح مذہب اپنا اعتماد اور علم اور ارباب علم اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک بار پھر میں جمہوریہ لبنان کے مفتی شیخ حسن خالد اور ان کے شاگردوں اور دوستوں کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہماری عزت افزائی فرمائی اور لبنانی مسلمانوں سے ملنے، ان کی سرگرمیوں اور ان کے علمی و فلاحی اداروں سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا!

جن مقامات کو ہم نہیں دیکھ سکے

شیخ مفتی حسن خالد کا بہت اصرار تھا کہ ہم "بقاع" کا دورہ بھی کریں جو ایک بڑا اسلامی علاقہ ہے، اس علاقہ کا ایک وفد بھی ہماری ملاقات کے لئے آیا تھا، اور وہاں آنے کی دعوت بھی دی تھی، اسی طرح بلبلک دیکھنے کا موقع بھی تھا، جو مشہور تاریخی شہر ہے، اور جب ہم نجو کی پہلی کتاب پڑھ رہے تھے، اسی وقت سے اس کا نام ہمارے کانوں میں گونجنارہا ہے، مگر وقت کی تنگی کی بنا پر ہم کو معذرت کرنی پڑی، اور ۵ رجب ۱۳۹۳ھ (۳ اگست ۱۹۷۳ء) کو جمعہ کے روز دمشق جانے کے لئے طے کیا، ایسا معلوم ہوا تھا کہ کوئی چیز ہمیں دمشق جانے پر

مجمو کر رہی تھی، تاکہ وہاں ہم کو ایک نئے تجربہ سے دوچار ہونا پڑے اور ہم اس کا مقابلہ نہیں کر پارہے تھے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ملاقاتیں

اس دورہ کے اثناء میں جن قابل ذکر ملاقاتوں کا موقع ملا ان میں مجاہد عالم شیخ منظر الخطیب سے ملاقات تھی، یہ ہمارے دیرینہ دوست ہیں، ۱۹۵۱ء سے تعارف ہے میرے دمشق میں قیام کے دوران وہ بھی وہیں مقیم تھے، اس وقت وہ بیروت میں جمعیتہ الرابطة الاسلامیہ کے صدر اور جمعیت کے تحت چلنے والے مدرسۃ الفتح الشافعیہ کے ناظم بھی ہیں، یہ لڑکیوں کا مدرسہ ہے ۱۹۶۶ء سے تعلیمی خدمت انجام مے رہا ہے، اس مدرسہ نے لبنان کے مسلم معاشرہ میں ایک بہت بڑے ظلا کو پر کیا ہے، اور صالح، تعلیم یافتہ اور باشعور خواتین کی ایک نسل تیار کی ہے، اسلامی آداب اور اسلامی شاعر کی پابندی اور تبلیغ میں اس مدرسہ نے لائق تحسین کردار ادا کیا ہے۔

استاذ محمد مبارک سے بھی ملاقات ہوئی جو سواریا کے سابق وزیر، دمشق میں کلیتہ الشریعہ کے سابق پرنسپل اور کلیتہ الشریعہ کے موجودہ استاذ ہیں، اسلامی مفکرین اور مصلحین کی مصحف اول کے آدمی ہیں۔

استاذ عمر و احمق سے ملاقات ہوئی جو لبنان کی جماعت عباد الرحمن کے بانی ہیں، اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں قائدانہ حصہ لیتے ہیں۔

مکتب اسلامی بیروت کے مالک استاذ ذہیر شاولیش سے ملاقات ہوئی جنھوں نے اسلامی مفکرین کی کثیر التعداد علمی اور فکری تصنیفات کو بڑی تحقیق اور اہتمام سے شائع کیا ہے، اسی طرح محب محترم استاذ علی حسن مدعق سے بھی ملاقات ہوئی، جو جدہ کے میررہ چکے ہیں، میری ملاقات

ان سے ۱۹۵۰ء سے ہے، جب وہ وزارت مالہ میں ایک اچھے عہدہ پر فائز اور ریڈیو اور صحافت میں اول اول نمودار ہوئے تھے، انھوں نے بڑی وضعداری اور شرافت کے ساتھ اس تعلق کو قائم رکھا ہے، اور وہ راقم سطور کے مخلص دوستوں میں ہیں۔

یہ لبنان کی تمام اسلامی تنظیموں اور انجمنوں کے تذکرہ اور ان کی جرح و تعدیل کا موقت نہیں ہے، اس کے لئے طویل قیام اور وسیع معلومات کی ضرورت ہے، لیکن بعض انجمنوں اور تنظیموں کی طرف اشارہ نامناسب نہ ہوگا، جن کا وہاں کے مسلم معاشرہ پر اثر پڑا ہے، مثلاً جمعیتہ المقاصد الاسلامیہ، جمعیتہ تعلیم ابنہ المسلمین فی القری، مؤستہ الخدات الاجتماعیہ جمعیتہ المحافظہ علی القرآن الکریم، جمعیتہ الرابطة الاسلامیہ فی بیروت، الجماعۃ الاسلامیہ، یہ ان اداروں اور انجمنوں کے علاوہ ہیں، جن کا ذکر اس مختصر سرگزشت میں آیا ہے۔

سعودی سفارتخانہ کی جانب سے اعزازی تقریب

۴ رجب ۱۳۹۳ھ جمعرات کی شام کو سعودی سفارتخانہ نے وفد کو استقبال دیا جس میں شاہزادہ امیر متعب بن عبدالعزیز (ملک فیصل کے بھائی) عرب اور مسلم حکومتوں کے سفراء، ڈپلومیٹ، عملدین شہر اور صحافیوں کی بڑی تعداد شریک تھی، یہ وفد کے دورہ لبنان کی آخری کڑی تھی، اور جمعہ کے روز ۵ رجب ۱۳۹۳ھ (۳ اگست ۱۹۷۳ء) کو دمشق کا سفر طے ہو چکا تھا۔



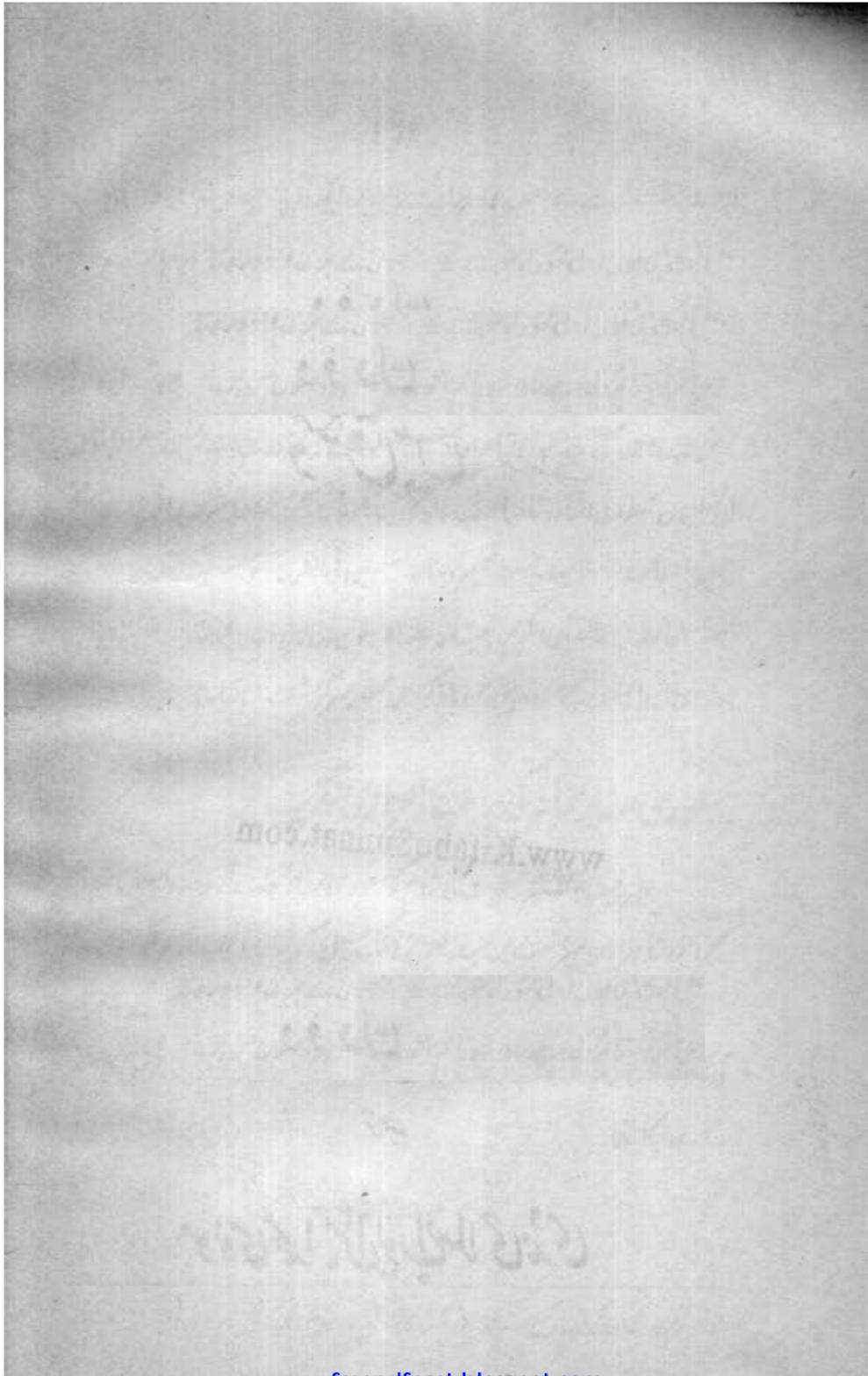
لے معلوم ہوا کہ ان کی تعداد کئی سو ہے، اور اکثر و بیشتر بیروت میں ہیں۔

دودن

دمشق میں

ترجمہ

مولوی محمد اجمل پوپ اصلاحی ندوی



بیروت سے دمشق

بیروت کے سعودی سفارت خانہ نے دمشق کے سعودی سفارت خانہ سے رابطہ قائم کیا اور اسے اطلاع دی کہ وفد کی بیروت سے دمشق روانگی کا پروگرام جمعہ کے روزہ رجب ۱۳۹۳ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۷۳ء کو ہے۔

ہم سویرے ہی سے سفر کے لئے تیار ہو گئے، ہماری خواہش تھی کہ روانگی صبح سویرے ہی ہو، کیونکہ جمعہ کا روز تھا، اور ہم کو لبنان اور شام کی سرحدوں سے گزرنا تھا، ان دنوں یہ سرحدیں بند تھیں، مگر ہمارا سفر رابطہ عالم اسلامی کے وفد کی حیثیت سے ہو رہا تھا، رابطہ عالم اسلامی نے پہلے جدہ اور دمشق کے سرکاری حلقوں سے رابطہ قائم کر لیا تھا، شام کی حکومت نے وفد کے استقبال اور اس کی میزبانی کے لئے آمادگی بھی ظاہر کی تھی۔

دمشق سے سعودی سفارت خانہ کا ایک نمائندہ بیروت آیا اور وفد کو اس نے اطمینان دلایا کہ حالات معمول کے مطابق ہیں، اور وہ خود سرکاری کارڈ ایسٹون کو مکمل کرنے کے لئے ہم سے پہلے ہی "شٹورہ" پہنچ گیا، اس کے بعد ہم بھی پہنچے اور ضروری کاموں سے فرصت حاصل کی۔

دشق سے میرا دیرینہ تعلق

ہم دشق روانہ ہو گئے، دشق جہاں میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی زندگی کے خوشگوار ترین لمحات گزارے ہیں، جرین شریفین کے بعد اگر کسی شہر کو میں اپنا محبوب ترین شہر کہہ سکتا ہوں تو وہ دشق ہی ہے، میں اس کے بہت سے محلوں، سڑکوں اور باغات و مناظر سے واقف ہوں، دشق میں میرے عزیز ترین احباب اور دوست تھے، جن سے خاص فکری اتحاد اور مناسبت تھی، اور دشق کا قیام ہمیشہ میرے لئے خوشگوار اور سرت بخش ثابت ہوا، دل کو سکون اور روح کو راحت نصیب ہوئی، آب و ہوا اس آئی، میں جب شوقی کا پشعر ٹپھتا تھا، تو اس میں کوئی مبالغہ نظر نہیں آتا تھا۔

امنت باللہ واستغنیت جنتہ

دشق، روح و جنات و دریاں

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ پر میرا ایمان ہے، میں اس کی جنت کو مستثنیٰ قرار دے کر کہتا ہوں

کہ دشق سرِ پایا باغ و بہار اور روح و دریاں ہے۔

ہم دشق کی طرت بڑھ رہے تھے، باہر سے آنے والے کے لئے دشق کا راستہ دنیا

کے حسین ترین راستوں میں ہے، معروف اور مانوس مقامات سے ہمارا گزر رہو رہا تھا، حماسی

شاعر صمتہ بن عبداللہ کے یہ اشعار میری زبان پر تھے۔

بنفسی تلك الارض ما أطيب الزلى وما أحسن المصطاف والمتربعا

ولیست عشیات الحمی برواجع علیک ولكن خل عینیک تد معا

ترجمہ:- اس سرزمین پر قربان جاؤں، اس کے ٹیلے کتنے خوشگوار و زرخیز اور

موسم بہار اور گرمی گزارنے کے مقامات کتنے خوبصورت ہیں۔

حمی کی شامیں اب واپس آنے والی نہیں ہیں، اس لئے آنکھوں کو جی بھر کر دینے دو۔

میرا ذائقہ کا پہلا سفر رمضان ذی القعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق جون اگست ۱۹۵۱ء میں ہوا تھا یہ کرنل ادیب اششنگلی کا زمانہ تھا، ڈیڑھ مہینہ تک میرا قیام رہا، میں نے تاثرات اپنی ڈائری میں قلمبند بھی کئے تھے۔

دوسرا سفر ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں ہوا، اور تین مہینہ تک قیام رہا، یہ سفر دمشق یونیورسٹی کے کلیہ الشریعہ کی دعوت پر ڈوژینگ پروفیسر کی حیثیت سے پیش آیا تھا، اس وقت شکر علی القوتلی بک صدر جمہوریہ تھے۔

گزشتہ شام کے معاشرہ کی چند جھلکیاں

شام کے معاشرہ اور اس کی عام زندگی کی ان خصوصیات میں جن میں وہ اپنے دوسرے عرب اور پڑوسی ملکوں سے ممتاز تھا، ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ فرق و اختلاف سے قطع نظر مذہب کو عوام کے دلوں میں اثر و رسوخ اور ایک خاص مقام حاصل تھا، معاشرہ علماء کا احترام کرتا تھا، ملک میں بہت سے اسلامی اخلاق و آداب اور شرقی روایات رائج اور باقی تھیں، پورے ملک پر ایک عربی اور اسلامی چھاپ تھی، بے پردگی پہلے دور میں شاذ و نادر اور دوسرے میں کم تھی، اگرچہ وقت اور رجحانات کی تبدیلیوں کے آثار صاف نمایاں تھے، جن کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے لئے بصارت اور معمولی سوچ بوجھ کافی تھی، اس کے لئے بصیرت اور غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی۔

لے اس سفر کی تفصیلات کے لئے دیکھیے مصنف کی کتاب "ذکرات سراج فی الشرق العربی" ص ۲۱۸-۲۶۷

خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی، اور حالات کا تقاضا تھا کہ اسلام اور اس ملک کے مستقبل سے کچھ بچا رکھنے والے مفکرین اور قائدین اس خطرے کی جانب فوراً اپنی توجہ مبذول کریں، مختلف سیاسی نظریات اور مختلف سیاسی پارٹیاں موجود تھیں، وزارتیں تیزی سے ٹوٹ رہی تھیں، حالات میں عدم استقرار اور بے یقینی کی کیفیت رہتی تھی، علما کے اندر اختلافات تھے، اور ایک کو دوسرے سے مختلف قسم کی شکایتیں تھیں، دینی جماعتوں اور تنظیموں میں اتحاد اور ہم آہنگی مفقود تھی۔

دوسری خصوصیت جس میں شام اپنے عرب پڑوسیوں سے ممتاز تھا، اور جسے باہر سے آنے والا ہر شخص محسوس کرتا تھا، وہ تھی وہاں کی خوشحالی، سکون اور دولت کی فراوانی، زمانہ قدیم ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس ملک کی سرزمین کو زرخیز اور میوہ جات اور سبزیوں سے المالا کیا تھا، ہر طرف نہریں رواں اور شفاف و شیریں چشمے جاری تھے، باغات اور مرغزاروں کی کثرت تھی، تجارت کو فروغ حاصل تھا، کسب حلال کے ذریعے کھلے ہوئے تھے، نہ کرنی تھی نہ ایشیا کی نایابی، نہ بے روزگاری تھی نہ کساد بازاری، بارشیں اپنے وقت پر ہوتی تھیں، پیداوار میں کوئی کمی نہیں تھی، ملک میں مشکل سے کوئی شخص بے کار، حالات سے بدلے اور بے زار اور نازنا کا شاکی نظر آتا تھا، سوائے اس کے کہ کسی شخص کی فطرت ہی شکایت اور ناشکری کی ہوا، عوام زندگی کی آسائشوں اور راحتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے، شب و روز بہت سکون اور آرام سے گزرتے تھے، داد و دہش اور خورد و نوش میں بڑی فراخ دلی اور وسعت نظر آتی تھی، گرمی گزارنے لوگ پہاڑوں پر (جو دمشق سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہیں) جھوٹے دمشق اور دوسری تفریح گاہوں پر جاتے تھے، اور وہاں دعوتوں اور تفریح طبع کی صحبتیں گرم ہوتی تھیں۔

یہ ایسے تفریحی سفروں کے لئے ہی کہ انگریزی میں پنک بکٹھے ہیں مجاز میں قیل اور شام میں سیران کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس کو ہندوستان کے بعض علاقوں میں گوٹ بکٹھے ہیں۔

میں جب شام کے باشندوں کو ان نعمتوں سے بہرہ مند اور ان راحتوں اور آسائشوں سے مستمع ہوتے دیکھتا تھا، تو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں شام کے باشندے اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوئی ان نعمتوں اور آسائشوں کی قدر شناسی میں کوتاہی نہ کریں اور ان نعمتوں کا پورا پورا حقی اور شکر نہ ادا ہو پائے۔

اس خوشحال زندگی اور اس پرسکون اور نعمتوں سے بھرپور معاشرہ کی جو کسی حد تک اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر ایمان رکھتا تھا، اور مشرقی روایات کا پابند اور قدردان تھا۔ ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ افراد کے اندر باہمی اعتماد، خیر خواہی اور ایثار و اخوت کے نیک جذبات موجود تھے، اور اسی وجہ سے اس معاشرہ میں ایک روحانی سکون پایا جاتا تھا۔ ایک یورپین فاضل جو دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی وقفہ میں شام گئے تھے، اور عرصہ تک مقیم رہے تھے، اس سے خاصے متاثر اور کسی قدر متعجب ہوئے تھے۔

مخبر احمد ص (سابق LEO, POLD VEISS) اپنی مشہور کتاب (ROAD TO MECCA) میں دمشق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”اہل دمشق کی زندگی میں مجھے ایک روحانی سکون نظر آیا، باہم ایک دوسرے کے ساتھ ان کا جو رویہ اور معاملہ کرنے کا طریقہ تھا، اس میں یہ روحانی سکون اور باطنی طمانیت بڑی دیکھی جاسکتی تھی۔“

آگے مختلف طریقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”دکان والوں کے باہمی معاملات کے طور طریق میں بھی یہ چیز نمایاں تھی چنانچہ چھوٹے اجروں میں بھی جو فٹ پاتھ پر آواز لگاتے ہیں کسی طرح کے خوف و ہراس یا حسد و رقابت کے جذبات نہیں پائے جاتے تھے، اگر کسی دوکاندار کو کچھ دیر

کے لئے کہیں، باہر جانا ہوتا تو اپنی دکان اپنے پڑوسی اور ہمیشہ حرلیت کی ذمہ داری پر چھوڑ کر چلا جاتا تھا، بارہا میں نے دیکھا کہ خریدار ایک دوکان کے سامنے کھڑا ہے، دوکان کا مالک موجود نہیں ہے، خریدار شش و پنج میں ہے کہ دوکاندار کی واسطی کا انتظار کرے یا پڑوس کی دوکان پر جائے، اتنے میں پڑوس کا دوکاندار جو غیر حاضر دوکاندار کا ہمیشہ حرلیت ہے آتا ہے، خریدار کی ضرورت دریافت کرتا ہے، اور اس کا مطلوبہ سامان اپنی دوکان سے نہیں بلکہ اپنے غیر حاضر پڑوسی کی دوکان سے دیتا ہے اور قیمت اس کی نشست گاہ پر چھوڑ دیتا ہے، یورپ میں اس طرح کے نمونے کہاں نظر آتے ہیں؟

بلاتشبہ مشرقی ممالک میں بشمول مرکز اسلام زمانہ کی تبدیلیوں اور مغربی تہذیب اور مادی فلسفوں کے مسموم اثرات کے نتیجہ میں یہ باہمی اعتماد، بھائی چارہ، خیر سگالی اور اجتماعی خیر خواہی کی فضا بڑی حد تک ختم ہو چکی ہے، جس کی بنا پر یہ باطنی سکون اور روحانی اطمینان بھی مفقود ہو گیا ہے۔

لیکن دونوں مرتبہ جب میں شام گیا تھا، تو وہاں کے معاشرہ میں یہ چیز کسی نہ کسی حد تک موجود تھی۔

اخیر دور میں شام کی زندگی اور حالات میں انقلاب

تقریباً ۱۹۶۷ء کے موسم سرما کے آغاز میں شام جانا ہوا جب میں یورپ سے ہندوستان واپس آ رہا تھا، دمشق میں میرا قیام تین روز رہا، شام متعدد فوجی انقلابات سے

۱۷ الطریقہ الی مکہ - ص ۱۶۷ ترجمہ "ROAD TO MECCA"

گزر چکا تھا، جنہوں نے زندگی کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا تھا، اور پورے معاشرہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، میں نے دیکھا کہ ان دلکش، جانفزا اور روح پرور مناظر میں سے اکثر عقابو چکے تھے، شام گزشتہ خوشحالی اور فراوانی سے محروم ہو چکا تھا، باغات جو وہاں کی اہم ترین اقتصاد بنیاد تھے، پیداوار کی کمی کا شکار تھے، بارش کا سلسلہ اکثر منقطع رہتا تھا، ابلتے ہوئے چٹھے خشک ہو چکے تھے، اور پانی کی مقدار بہت کم ہو گئی تھی۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ طبعی حالات و حوادث ہیں جن کا سیاست اور منصوبہ بندی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم اس سلسلہ میں کوئی بحث بھی نہیں کرنا چاہتے، لیکن افسوسناک بات یہ تھی کہ حکومتوں کی بے ثباتی، حکمرانوں کی تبدیلی اور بار بار ملک کی سیاست اور انتظام میں فوج کی دخل اندازی کی بنا پر عوام میں مستقبل سے بے اطمینانی، ایسی اور بے یقینی پیدا ہو گئی تھی، اور یہ بے اطمینانی اور بے چینی زندگی کے ہر میدان میں نظر آتی تھی، خواہ وہ علمی اور تعلیمی میدان ہو یا فکری اور ادبی، سرکاری حلقے، خانگی زندگی، اجتماعی مواقع ہر جگہ یہ چیز نمایاں تھی، دوستوں کی گفتگو میں بھی ظاہر ہوتی تھی، اور ان کے چہروں پر بھی پڑھی جا سکتی تھی، تب مجھے ان انقلابات اور فوجی حکومتوں کے ہولناک نتائج کا اندازہ ہوا، اور معلوم ہوا کہ اشتراکی قائدین ملک کو ترقی دینے، خوشحال بنانے، عزت نفس اور شرافت انسانی کے شعور کو فروغ دینے، امن و سکون پھیلانے اور آزادی خیال عطا کرنے کے جو بے شمار "سرخ" خواب دکھاتے تھے، وہ کس حد تک مثر مندہ تبخیر ہوئے، ان مقاصد کو پورا کرنے کا ذکر ہی کیا جن کا نہ وہ دعویٰ کرتے ہیں، اور نہ جن سے انھیں کچھ ہی ہے، بلکہ بعض اوقات تو وہ ان مقاصد اور اقدار کی نفی بھی کرتے ہیں، اور اس کے خلاف برسریکا رہو جاتے ہیں، مثلاً مذہب، اخلاق اور روح وغیرہ۔

ان لیڈروں کا نعرہ تھا، روٹی بھوکے لئے ایک لقمہ، قوم کی بنیادی ضروریات کی فراہمی، فٹ پاتھ کے آدمی کی کفالت، اور ان کی تنگ و دو بھئی انھیں مقاصد کے حصول کے لئے تھی، جب یہ مقاصد ہی حاصل نہ ہوئے تو اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ یہ فلسفے کوہ کنڈن کاہ برآوردن کے مصداق ہیں، اور اشتراکیت، قومیت اور کمیونزم سب کے سب غیر عقلی اور غیر انسانی فلسفے اور نظاما مائے حیات ہیں، جو محض خوش عقیدگی، خوش فہمی اور جذباتیت پر مبنی ہیں، جن کو عقل، عمل، تجربہ اور نتائج کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاسکتا، یا سلی اصول و مبادی ہیں، جن کا مقصد تخریب یا نظام سے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

اور اب یہ چوتھا سفر، برسوں کے وقفہ کے بعد پیش آیا، یہ وقفہ ماہ و سال کے حساب سے طویل نہیں تھا، لیکن حوادث سے بڑا اور بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس وقفہ میں ملک متعدد انقلابات سے دوچار ہوا، بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں، کتنی حکومتیں آئیں اور گئیں، اسی وقفہ میں ۵ جون ۱۹۶۷ء کا راج فرساجا دہش پیش آیا، اور ان عرب ملکوں کے نقشہ میں جن کی سرحد اسرائیل سے ملتی ہے، اور جو عرب اسرائیل مسئلہ سے براہ راست دوچار ہیں، بڑی اہم اور عظیم تبدیلیاں وجود میں آئیں، گویا یہ وقفہ مسلم عرب قوم کی تاریخ میں فیصلہ کن وقفہ تھا، جس کی جڑیں بہت گہری اور جس کے نتائج و اثرات بڑے دور رس تھے۔

ان قوموں کی زندگی اور حالات میں جن کے سروں پر تلوار ٹٹک رہی ہے، اور جن کو خطرے کا براہ راست سامنا ہے، میں ان تغیرات اور حادثات کے آثار تلاش کر رہا تھا، کہ میری نظر شامی سرحدوں پر ایک بورڈ پر پڑی جس پر چلی خط سے لکھا ہوا تھا:-

”بعث پارٹی ٹھنڈی سرحدوں سے باغی اور علاقائیت کی دشمن“

میں اپنے آپ سے پوچھنے لگا، کیا صورت حال ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۶ء میں بلکہ سامراجی دور میں بہتر تھی۔ خصوصاً سرحدوں کے سلسلہ میں۔ یا اس وقت جب میں شام جا رہا ہوں۔

دمشق میں

خدا کا نام لے کر دمشق میں داخل ہوئے، سعودی سفارت خانہ گئے، سعودی سفیر شیخ محمد مطلق نے ہمارا خیر مقدم کیا اور بتایا کہ ہمارا قیام ”فندق امیۃ الجدیدہ“ میں رہے گا، ہوٹل پہنچنے پر معلوم ہوا کہ جمہوریہ شام کے مفتی شیخ احمد کفتارو وفد کے خیر مقدم کے لئے تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے، جامع البغامین ان کی تقریر کا پروگرام تھا، اس لئے چلے گئے، اس سے فارغ ہو کر ہم سے ملاقات کے لئے تشریف لائیں گے، ان کی جگہ پر شیخ بشیر البانی قاضی دمشق اور مفتی صاحب کے فرزند سید زاہر کفتارو موجود تھے، دونوں نے ہم کو خوش آمدید کہا، اور شیخ کا سلام پہنچایا، کچھ دیر بعد شیخ احمد کفتارو بھی تشریف لائے، ۸ برس کے بعد ملاقات ہوئی، ان ایام کی یاد تازہ ہو گئی، جب ان سے اکثر ملاقات ہوتی تھی، اور حمی اکرا دہ میں ان کے گھر پر شیخ محی الدین میں اور غوطہ میں دیر تک ساتھ بیٹھے تھے، اور تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔

۱۷ شام کا حکمران پارٹی۔

۱۸ دمشق کا سب سے بڑا ہوٹل جس میں حکومت کے، ہان اور دوسرے ملکوں کے معزز حضرات قیام کرتے ہیں۔
۱۹ دمشق کا ایک محلہ ہے، شیخ اکبر شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف متوجہ ہے، شیخ اسی محلہ میں مدفون ہیں۔

جامع اموی میں

نماز جمعہ ادا کرنے کا شہید اشتیاق تھا، اور اسی لئے ہم نے دمشق کے سفر کے لئے جمعہ کا روز طے کیا تھا، جامع اموی میں نماز جمعہ ادا کرنا ایک سعادت بھی ہے، اور اس سے ایک روحانی لذت بھی حاصل ہوتی ہے، میں جب مسجد میں داخل ہوا اور جمعہ کا خطبہ سنا تو شوقی کا دمشقی قصیدہ یاد آیا، اور پھر میری آنکھوں میں آنسو آگئے، جذبہ بتا کا ایک طوفان امنڈ آیا، اور ذہن کے پردے پر یادِ ماضی کے نقوش ابھر آئے، شوقی اپنے قصیدہ میں لکھتا ہے۔

وقفت بالمسجد المحزون أسأله هل فی المصلیٰ أو المحراب مروان
تغیرا لمسجد المحزون واختلفت علی المنابر أحبار وعبدان
فلا الأذان أذان فی منارتہ إذا تعالیٰ، ولا الأذان أذان

ترجمہ :- میں اس غمزدہ مسجد میں کچھ دیکھ رہا ہوں اور دریافت کرنے لگا کہ کیا

مصلیٰ یا محراب میں مروان جیسا طاقتور حاکم موجود ہے ؟

اس حزمین و غمگین مسجد نے زمانہ کی نیرنگی کا تماشا دکھا، اس کے منبر پر کبھی

آزاد انسانوں نے قدم رکھا کبھی غلاموں نے۔

اب نہ اذان کا وہ نغمہ ہے، جو کبھی اس کے میناروں سے بلند ہوتا تھا، اور

نہ وہ سننے والے ہیں، جو اس کو سن کر تڑپ جاتے تھے۔

ملاقات

ہمارے دوستوں کو ایک طویل عرصہ کے بعد ہمارے دمشق آنے کی خبر ہوئی، ان کے

بیشتر تو دمشق چھوڑ کر چلے گئے ہیں، اب وہی حضرات رہ گئے ہیں، جو یا تو اپنی پیرا نہ سالی سے مجبور ہیں، یا انھوں نے طے کر لیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک اس ملک میں اسلام کی امانت کی حفاظت کریں گے اور اس کو سینے سے لگائے رہیں گے، جس میں ملک شام کو ہمیشہ قیادت و رہنمائی کا مقام حاصل رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ ملک شام کی فضیلت میں جتنی صحیح اور کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں، کسی ملک اور کسی شہر کے بارے میں وارد نہیں ہوئیں۔ بعض احباب ہماری ملاقات کے لئے خود تشریف لائے اور ہمارا ارادہ تھا کہ بقیہ احباب کے پاس ہم دوسرے دن حاضر ہوں گے۔

شام کی زندگی میں کچھ نئی تبدیلیاں

عصر کے بعد ہوٹل سے نکل کر جب ہم دمشق کی سڑکوں پر جا رہے تھے تو ہم کو دو نئی تبدیلیوں کا احساس ہوا، ایک تو یہ کہ لوگوں کی گفتگو میں رازداری اور بڑھی ہوئی احتیاط محسوس ہوئی جیسے ہر آدمی کو یقین ہو کہ اس پر پورہ ہے، اور اس کی ہر بات ریکارڈ ہو رہی ہے، ہر شخص قرآن کریم کے اس قول کی تصویر نظر آ رہا تھا۔

مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق۔ ۱۸)

وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔

بعض قابل اعتماد حضرات نے ہم سے کہا کہ آپ یقین رکھئے، ہر جگہ جا سوس پھیلے ہوئے ہیں، جہاں بھی آپ کا قیام ہوگا کچھ آنکھیں آپ کی نگرانی میں اور کچھ کان آپ کی گفتگو سننے میں مصروف ہوں گے، کوئی ہوٹل، کوئی بس، کوئی تفریح گاہ اور پارک اس سے مستثنیٰ نہیں ہے کسی سے بھی اپنے آپ کو مومن نہیں سمجھنا

چاہئے۔

دوسری تبدیلی تھی بے محابا بے پردگی، وسیع پیمانے پر اور عجیب و غریب قسم کا جنسی اختلاط، راستوں اور سڑکوں پر ہر طرف فحش تصویریں اور جنسی جذبات کو برا نگینہ کرنے والے اشتہارات چسپاں اور آویزاں تھے، آپنی نوجوان بڑی تعداد میں موجود تھے، اور ہم کو اندازہ ہوا کہ جو شہر اپنی قدامت پسندی اور وضع داری کے لئے مشہور تھا، آزادی، بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط میں بہت آگے جا چکا ہے، یہ بے راہ روی اور اخلاقی انحطاط اکثر حالات سے بددنی کا نتیجہ اور ناکامیوں اور شکستوں کا رد عمل ہوتا ہے، جس میں قوم کے افراد جن کے دل زنجی اور احساس کمتری میں گرفتار ہوتے ہیں، ایک طرح کی تسکین پاتے ہیں، دوسری طرف خود حکومت کے ذمہ داروں اور قائدین کی طرف سے ایسی فضا پیدا کی جاتی ہے کہ لوگوں کو ان سے محاسبہ، صحیح اسباب کی تلاش اور تنقید کی فرصت ہی باقی نہ رہے، اور ساری قوم خود فراموش اور مست بن کر رہے، پہلی جنگ عظیم کے بعد یورپ میں یہ پیش آیا تھا، اور مصر میں ۵۰ برسوں کے حادثہ کے بعد یہی ہوا۔

ان دونوں تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ جن کا تعلق زندگی کی اخلاقی اور معنوی قدروں سے ہے، ایک تیسری تبدیلی بھی نظر آئی، ملک اقتصادی پسماندگی اور کسی قدر بد حالی کا شکار ہے آمدنی کے ذرائع تقریباً مفقود ہیں، شام اس خوشحالی سے محروم ہو چکا ہے، جس میں گزشتہ عہد میں اسے اقیانوس اور شہرت کا درجہ حاصل تھا، میں نے اس کی توجیہ یہ کی کہ شام اور لبنان کے درمیان سرحدیں بند ہیں، اس لئے ممکن ہے، یہ ایک ہنگامی صورت حال ہو، مگر کچھ معلوم ہوا کہ معاملہ صرف اتنا ہی نہیں ہے، کیونکہ میں نے دیکھا کہ لوگ اس صورت حال سے بہت پریشان ہیں، ایک گھٹن محسوس کر رہے ہیں، اور ان کو گزشتہ خوشحالی کی خوشگوار یادیں ستاتی ہیں،

جب دولت کی فراوانی تھی، لوگ امن و سکون کی زندگی گزار رہے تھے، اور شام اس آیت کو یہ کی تصویر نظر آتا تھا:

صَرَبَ اللهُ مَثَلًا قَرْيَةً آمِنَةً
مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ
كُلِّ مَكَانٍ - (النحل - ۱۱۳)

اللہ نے ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان
فرماتے ہیں کہ وہ (بڑے) امن و اطمینان میں
(رہتے) تھے (اور) ان کے کھانے پینے کی چیزیں
بڑی فراغت سے ہر چار طرف سے ان کے
پاس پہنچا کرتی تھیں۔

ماضی اور حال میں یہ نمایاں فرق مجھے ہر جگہ محسوس ہوا اور عام فضا اور عام احساس
یہی تھا، مگر میں نے اس کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی، میں نے کہا یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں
ہے، قوموں کی زندگی میں ایسے اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، اگر ملک باعزت، مستحکم اور طاقتور ہو،
اس کی سرحدیں محفوظ ہوں، اس کی طرف دشمن نگاہ اٹھانے اور اس پر دست درازمی کرنے کی
جرات نہ کر سکتا ہو اور اس کی زمین کا ایک ایک اپنچ اس کے باشندوں کے حصے میں ہو تو پریشانی
کی کوئی بات نہیں ہے، بس اوقات ملکوں اور قوموں کو اس طرح کے ہنگامی حالات کا سامنا کرنا
پڑتا ہے، اور ایک طویل عرصہ تک کفایت شعاری اور ننگی کی زندگی گزارنی پڑتی ہے، لوگ صرف
سدرموت کے لئے کھاتے اور تن ڈھانکنے کے لئے پہنتے ہیں، تفریح و تفریح کے سامان (LUXURY)
سے محروم رہتے ہیں، مشرق اور مغرب کی بعض قوموں نے برسوں تک یہ زندگی گزار لی ہے اور
کسی طرح کی پریشانی اور اضطراب کا مظاہرہ نہیں کیا، آخر کار مشکلات و مصائب کے باوجود
چھٹ گئے، بحران ختم ہو گیا، اور کشادگی و خوشحالی کے ایام واپس آگئے، عرب اور مسلم اقوام کو تو
بد رجب اولی اس صبر، استحکام اور استقلال کا ثبوت دینا چاہئے کہ ان کا دین اسی کی تعلیم دیتا ہے،

ان کے سامنے اسوۂ رسول اور صحابہ کرام کی زندگی کا نمونہ ہے، اور اس پر ثواب کے بڑے بڑے وعدے ہیں۔

لیکن توجیہ اور تاویل کی ساری عمارت زمین پر آرہی، جب میری نظر جولان (گولان) کی بلندیوں پر پڑی جن پر اسرائیل کا تسلط ہے جس کی وجہ سے شام اور خود دمشق ایک ایسی خطرہ سے دوچار ہے، اور اسی سے ملک کا مستقبل وابستہ ہے، جب تک گولان پر یہودیوں کا قبضہ ہے، شام کا وجود اسرائیل کے رحم و کرم پر موقوف ہے، معلوم ہوا کہ گولان پر اسرائیل کا اسٹیلا، بغیر کسی جنگ یا کشمکش کے ہوا تھا، شام کے باشندوں اور خود محاذ جنگ پر برسبر پکار فوج کے لئے بھی یہ ایک خلاف توقع بات تھی، جو بالکل ڈرامائی انداز میں پیش آئی۔

ملاقاتیں

شیخ احمد کفتارو کے ساتھ شارع مطار پران کے خوبصورت اور وسیع فام میں دیکھ پ مجلس رہی تصویب اور تزکیہ نفس کی ضرورت، انگریزی دینی تربیت اور موجودہ زمانہ میں دعوت تبلیغ کے اصول اور صحیح طریقہ کار کے موضوع پر تبادلہ خیال رہا، غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت اس کی نشاۃ ثانیہ اور مستقبل کے بارے میں شیخ بہت پر امید نظر آتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ اگر مخلص و صاحب حکمت مبلغین اور داعی الی اللہ تیار ہو جائیں، جو صحیح داعی اسلام کے اوصاف سے متصف ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ دین کی طرف راغب نہ ہو، انھوں نے بڑی تفصیل سے اپنے دعوتی اور تبلیغی تجربات کا تذکرہ کیا، ان کو امر بیکار اور روس کے دوروں میں جو انھوں نے ابھی حال میں کئے تھے، جو خوش آئند تجربے ہوئے اور وہاں کے ذمہ داروں اور نوجوانوں نے جس توجہ سے ان کی بات سنی اس کا وہ دیر تک

تذکرہ کرتے رہے۔

صبح بھی شیخ کی دعوت پر ہم لوگ ان کے فارم میں گئے اور ویز تک نشست ہوئی، طے ہوا کہ اتوار کے دن وزیر اوقاف جناب عبدالستار السید سے ملاقات کریں گے، وہی ہمارے دورہ کا پروگرام مرتب کریں گے، پھر بعض تاریخی مقامات دیکھنے گئے اور بعض مسلم محلوں میں جانا ہوا، ہوٹل میں ہمارے پہنچنے کے دن ہی شام کو شام کے جلیل القدر عالم اور دینی پیشوا اور مربی شیخ حسن حبیب اللہ تشریف لائے اور انھوں نے اگلے دن ہم کو کھانے پر مدعو کیا، جس کو ہم نے شکر یہ کے ساتھ قبول کیا، اور ہفتہ کے روزانہ کی قیام گاہ پر دوپہر کا کھانا کھایا، اس موقع پر ان کے خاندان کے چند افراد اور شہر کے وہ علماء تھے، جن کا ان سے شاگردانہ و نیاز مندانہ تعلق ہے، دوستانہ اور برادرانہ مجلس رہی گفتگو کا موضوع تھا، اسلامی شریعت اور اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام اور وہ طبعی کمزوریاں اور خوبیاں جو عورت کی خصوصیت ہیں؟

دمشق کے سعودی سفارتخانہ نے طے کیا کہ اتوار کو وفد کے اعزاز میں سفارتخانہ میں ایک جلسہ منعقد کیا جائے گا، جس میں وزراء، سفراء، علماء اور عمائدین شہر کو دعوت دی جائے گی، ہم نے طے کیا کہ دو شنبہ کی صبح کو حلب جائیں گے، اور راستہ میں ایک دو گھنٹہ کے رے حمص اور حماہ میں بھی ٹھہریں گے، اور پھر چپارٹنہ کو دمشق واپس آجائیں گے، دمشق میں دو دن قیام کیگا

لے شیخ حسن جبکہ اس وقت شام کے سب سے مقبول اور ہر دل عزیز عالم ہیں، وہ اپنی اصول پسندی حکومت سے بے نیازی اور پاکیزہ زندگی کی وجہ سے عوام و خواص میں یکساں طریقے سے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، دمشق کے مشہور مجلہ بردان میں جو ہمیشہ سے علماء کا مرکز رہا ہے، اور جس کی حیثیت دمشق میں تقریباً وہی ہے جو لکھنؤ میں فرنگی محل کی ہے، ان کا مکان اور آزاد دینی مدرسہ تھا، حکومت شام نے اس کو سرکاری انتظام میں لیا، اور ان کو بے دخل کر دیا، اب بھی وہ درس و تدریس اور وعظ و تذکرہ میں مشغول رہتے ہیں۔

۱۸۰

اور اس انشاء میں مختلف جلسوں اور تقریبات میں شرکت کی جائے گی، ملاقاتوں وغیرہ کا پروگرام رہے گا، جسے مفتی صاحب اور وزیر اوقاف مشورہ سے مرتب کر لیں گے، پھر انشاء اللہ اللہ رحمان رواں لگی ہوگی۔

عصر کے بعد شیخ سید کی الکتا^۱ سے ملاقات کے لئے دمشق کی گرمی گزارنے کی مشورہ جگہ زبانی گئے، شیخ عرصہ سے خانہ نشین اور صاحب فراش ہیں، چلنے پھرنے سے معذور ہیں دو سال سے رابطہ کے اجتماعات میں بھی شرکت نہیں کر سکے ہیں، کچھ دیر تک بڑے پرسکون اور خوشگوار ماحول میں ملاقات رہی ان کا خاندان قدیم زمانہ سے مذہبی اور علمی خاندانوں میں شمار ہوتا ہے، علم و دین کی خدمت اور علماء کی تنظیم میں شیخ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

خوابِ بوحقیقت تھا

۱۰ بجے رات میں ہم ہوٹل واپس آئے، دمشق کے بعض دوستوں اور اپنے بعض شاگردوں کو جنھوں نے مدوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی ہے، وقت دے چکے تھے، لبنان کی بعض تقریریں جو قلمبند نہیں ہو سکی تھیں، ان کو بھی ان دوستوں کی مدد سے قلمبند کرنے کا خیال تھا، بعض عزیزوں کی معیت میں قدیم دوستوں اور دمشق کے بزرگوں کی ملاقات کے لئے جانا تھا۔

لہ سید کی کتابی شام کے مشہور عالم، شیخ طریقت اور رابطۃ العلماء یعنی شام کی جمعیتہ العلماء کے صدر اور رابطۃ عالم اسلامی کے ممتاز رکن تھے، ان کا خاندان خراب قصبی کا مشہور جنرل سادات کا خاندان ہے جو کتابی کے نام سے مغربی اور مشرقی ممالک میں مشہور ہے، اس خاندان میں بڑے بڑے محدث اور صوفی گزے ہیں، سید کی کتابی کے والد سید جعفر کتابی جلیل القدر محدث اور شیخ طریقت تھے، انھوں نے مغرب سے آکر دمشق میں بود و باش فرمایا، انھوں نے کئی برسوں میں سید کی کتابی صاحب نے اس دار فانی سے رحلت کی رحمت اللہ تعالیٰ وغفر لہ۔

جن سے شام کے گزشتہ سفروں میں ایسے روابط قائم ہو گئے تھے، جن میں مرور ایام سے کوئی کمزوری نہیں آئی، جیسے علامۃ الشام شیخ محمد بیجۃ البیطار، سابق مفتی شام ڈاکٹر ابوالیسر بن عابدین، شیخ احمد الدقر صدر الجمیۃ الغزالیہ، اور شیخ زین العابدین، ان حضرات میں بعض مریض رہتے ہیں، اور بعض ضعیف ہو چکے ہیں، صحیح اللغۃ العربیۃ بھی جانے کا خیال تھا جس کا سالہ ۱۹۵۶ء سے میں رکن ہوں، اسی طرح صحابۃ ائمہ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے منارات کی زیارت کرنی تھی۔

ہم بستر پر دراز ہو گئے، ہر شخص تھکا ہوا تھا، حالات معمول پر تھے، کوئی نئی اور پریشان کن بات نہیں معلوم ہوتی تھی، میں گہری نیند میں تھا کہ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور میں نے اپنے بھانجے مولوی محمد رابع سلمہ کو ہٹل کے ایک ملازم سے ٹیلیفون پر گفتگو کرتے ہوئے سنا۔

”وہ نیچے ہیں یا اوپر چڑھ آئے ہیں؟“

”نہیں وہ اوپر پوچھ گئے ہیں، ہٹل کے ذمہ دار نے جواب دیا۔“

یہ بزرگ ردالمحتار جس کو عام طور پر ”شامی“ کہتے ہیں، کے مصنف علامہ ابن عابدین کے... پڑھتے ہیں، میرین کے ڈاکٹر تھے، لیکن اپنی دینی تعلیم، خاندانی ذوق اور ذاتی مطالعہ سے کئی سال تک مفتی جمہوریہ کے اہم عہدہ پر فائز رہے، دینی حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

علامہ شام کے مشہور شیخ طریقت اور اساتذہ و مراد شیخ علی الدقر کے فرزند جو شام میں متعدد دینی مدارس کے بانی اور علماء کی ایک کثیر تعداد کے استاد و مراد تھے۔

علامہ شیخ زین العابدین شیخ محمد ناصر حسین تونسلی کے برادر اصغر جو مصر کی مشہور علمی و دینی شخصیت اور سابق شیخ اللہ ہر تھے، بہت عمر بزرگ اور ذی استعداد عالم ہیں۔

اور پھر ہم نے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنی، دروازہ کھول دیا گیا اور تین اشخاص
جو شہری لباس میں تھے، مکہ میں گھس آئے اور ہم سے کہا، "سامان باندھئے اور تشریف
لے چلیے؟"

کہاں؟ ہم نے دریافت کیا۔

معلوم نہیں، جو اب ملا۔

اس کے بعد وہ اتاذا احمد محمد جمال اور اتاذا عبدالشہر باہری سے ملے اور ہم کو
ایک دوسرے سے ٹٹنے سے روک دیا، ہم کو یقین ہو گیا کہ کسی نہی صورت حال سے ہم کو دوہرا
ہوتا ہے۔

اتاذا احمد محمد جمال نے سعودی سفیر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کو
صورت حال سے آگاہ کریں مگر اس کی اجازت نہیں دی گئی، اتاذا نے اس غیر مذہب اور
کریخت رویہ پر احتجاج کیا اور کہا کہ ہم کوئی بھیڑ بکری نہیں ہیں کہ ہم کو زبردستی بانکنے کی
کوشش کی جائے، ہم سب دریافت کرنا چاہتے ہیں، مگر احتجاج بے سود رہا۔

پھر ہم ایک کار میں سوار ہوئے جو ہٹل کے سامنے کھڑی تھی، ہمارے ساتھ وہ
لوگ بھی سوار ہوئے، اور راستہ میں ہم کو پتہ چلا کہ ہم لبنانی سرحدوں کی سمت جا رہے ہیں، بلکہ
زیادہ صحیح لفظوں میں لے جائے جا رہے ہیں۔

ساری کارروائیاں بڑی تیزی سے انجام پائیں، ہم ایک لبنانی کار میں منتقل ہو گئے
جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے سے اسی مقصد کے لئے وہاں موجود تھی، اور ہم نے بیروت کا
رخ کیا، بیروت صبح سویرے پہنچے، بیروت میں دو ستوں کو جنھوں نے دو روز پہلے ہم کو
رخصت کیا تھا، دوبارہ بیروت اچانک واپسی پر بہت حیرت ہوئی، اسی طرح دمشق میں

ہمارے احباب کو نصف شب میں اچانک شہر چھوڑنے پر خاصی تشویش اور حیرت ہوئی اور اس کی کوئی وجہ ان کو معلوم نہیں ہو سکی۔

یہ سب کچھ ایک ڈرامائی انداز میں آیا جس کے سین بہت مختصر تھے، ہمارے لئے تو یہ ایک خواب تھا، جس کا آغاز بہت لذیذ اور جس کا انجام پریشان کن تھا، ہم گمان و یقین کی درمیانی کیفیت میں مبتلا تھے، اور فیصلہ نہیں کر پارہے تھے کہ یہ سب کچھ عالم خواب میں پیش آیا، یا عالم بیداری میں، اس میں ذمہ داروں کا اشارہ اور ارادہ شامل تھا، یا ان کی لاعلمی میں پیش آیا۔

قرآن مجید میں یسنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:-

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا۔ (القصاص - ۱۵)

موسیٰ شہر میں اس وقت داخل ہوئے، جب شہر کے سب لوگ نیندا اور غفلت میں تھے۔

ہمارا حال اس کے برعکس تھا، ہم شہر سے نکلے اس وقت جب سارے لوگ گری نیند سو رہے تھے، اور کسی کو ہماری خبر نہ تھی۔

اس طرح دمشق کا دورہ بہت مختصر رہا، اور کتنی خواہشیں اور آرزوئیں تھیں جو ناتمام ہی رہ گئیں۔

بیروت کے اخبارات الحیاء نے اس واقعہ کی خبر ۸ رجب ۹۳ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۷۳ء کو دوشنبہ کے روزنامے کی اور اس سے بیروت میں ہمارے دوستوں کو اس واقعہ کا علم ہوا، اسی روز بی بی سی لندن اور اسرائیل ریڈیو نے بھی یہ خبر نشر کی اور بیروت اور دوسرے عربی ممالک کے اخبارات نے اس واقعہ پر تبصرہ کیا، اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

۱۸۴

بیروت میں سارے دوست و احباب ملاقات کے لئے آئے، واقعہ کی تفصیلات دریافت کرتے، موحیرت ہوتے اور مسئلہ سے دلچسپی کا اظہار کرتے۔



ہارون رشید کے پایہ تخت بغداد میں

ترجمہ

مولوی محمد اجمل یوب اصلاحی ندوی

مکتبہ المدینہ

بیتنا

مکتبہ المدینہ

اسلامی ثقافت و تاریخ میں بغداد کا مقام

اسلام کی ریاسی، ثقافتی اور تہذیبی تاریخ کا جتنا بڑا حصہ بغداد سے متعلق ہے، اتنا کسی دوسرے اسلامی شہر یا دارالسلطنت سے نہیں ہے، جتنے واقعات اور افسانے بغداد سے وابستہ ہیں، اتنے کسی دوسرے شہر سے وابستہ نہیں ہیں، بغداد اسلامی دور میں چمکا، پوری پانچ صدیوں تک عباسی حکومت کا دارالسلطنت رہا، زمانہ قدیم میں متمدن دنیا کے بیشتر حصہ پر حکمرانی کی، علم و فن کے امام پیدا کئے، دنیا کے گوشہ گوشہ سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین نے اس کا رخ کیا اور وہیں بود و باش اختیار کرنی، یہی وجہ ہے کہ ماہرین فن اور عظیم دانشوروں کی اتنی بڑی تعداد کا اجتماع کسی بھی دوسرے اسلامی شہر میں نہیں ہوا۔

بچپن میں دور دراز شہروں میں سے مکہ اور مدینہ کے بعد جس شہر کا نام سب سے پہلے کانوں میں پڑا، وہ بغداد ہی تھا، پہلی کتاب جس سے ہم نے حروف تہجی کی تعلیم حاصل کی وہ قاعدہ بغدادی تھی، یہ قاعدہ بغدادی ہی درحقیقت پورے اسلامی کتب خانہ کا دروازہ اور

قرآن و حدیث، اسلامی علوم و فنون اور اردو و فارسی زبانوں کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔

اسلامی تاریخ، صرف و نحو اور تینوں فقہی مکاتب فکر (حنفی، شافعی، حنبلی) کے مطالعہ میں جو راستہ اختیار کرتے تھے، وہ یا تو بغداد سے گزرتا یا بغداد ہی سے نکلتا یا بغداد ہی جاتا تھا، چنانچہ افکار و نظریات کے نشوونما، کوفہ و بصرہ، معتزلہ و اشاعہ اور اسی طرح متکلمین و محدثین کے اختلافات کی جو تاریخ بھی لکھی جائے گی، اس میں بغداد کا حوالہ اور اس کی جانب اشارہ ضروری ہے۔

یہی مقام تھا جہاں امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ابتلا پیش آیا تھا، جس میں آپ نے غیر معمولی صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا تھا، یہیں امام غزالی کے وہ حلقے درس قائم ہوتے تھے جن پر خلفاء کی مجلسیں بھی رشک کرتی تھیں، یہیں علامہ ابن الجوزی کی وعظ و نصیحت کی مجلسیں گرم ہوتی تھیں، جن میں اللہ کے نیک اور صالح بندے کثرت سے شریک بنتے تھے، یہیں شیخ عبدالقادر جیلانی کا وہ مدرسہ تھا، جو تعلیم و تزکیہ دونوں کا جامع تھا، یہیں زہد و تقویٰ اور عفت و پاکبازی کی وہ زندگی گزرتی تھی جس کی تصویر یہیں ابو نعیم اصفہانی کی کتاب "حلیۃ الاولیاء" اور ابن الجوزی کی "صفة الصوفیة" میں نظر آتی ہے، اور یہیں ابو یوسف اور قس و سرود کی وہ آزاد اور رنگین زندگی بھی بسر ہوئی ہے، جس کے نمونے یہیں ابو ابرقہ اصفہانی کی کتاب "الافغانی" اور گنام مؤلفین کی مشہور کتاب "الف لیلة وليلة" میں ملتے ہیں، بغداد ان دنوں طرز کی زندگیوں اور دونوں قسم کے رجحانات میں قیادت و سربراہی کا مقام رکھتا تھا، مذکورہ کتابوں میں سے ہر کتاب بغداد کی اس متضاد زندگی کے ایک نمونہ کی نمائندگی اور تصویر کشی کرتی ہے، بغداد جہاں دولت و جلال و فرات کی طرح بہتی تھی، وہاں خیر و شر دونوں کے محركات

موجود تھے، جہاں اصلاح اور افساد دونوں کی دھجوتوں اور تحریکوں کے علمبردار موجود تھے، ہر بڑے شہر اور دارالسلطنت پر جس کی چھاپ تھی۔
 — تو بغداد کا سفر ضروری ہے، خواہ کتنا ہی طویل ہو اور ہمیں اندیشہ لاحق ہو کہ
 خدا نخواستہ یہاں بھی اسی حادثہ سے دوچار نہ ہونا پڑے جو دمشق میں پیش آیا تھا۔

بیروت سے بغداد

بغداد لے جانے والے طیارے کے انتظار میں ہم نے تین دن بیروت میں گزارے
 لبنانی طیارہ کا وقت دو شنبہ، اگست ۳۱ تھا، بیروت کے سعودی سفارتخانہ نے بغداد
 کے سعودی سفارتخانہ سے رابطہ قائم کیا، اور بغداد کے سعودی سفیر نے سرکاری حلقوں سے
 رابطہ قائم کر کے ہمیں بتایا کہ عراقی حکومت وفد کو خوش آمدید کہتی ہے، اور ۵ دن تک وفد کی
 میزبانی کے لئے آمادہ ہے۔

دو شنبہ کے روز عشا کے وقت ہم خدا کا نام لیکر روانہ ہوئے، اور تقریباً نصف شب
 میں بغداد پہنچے، سعودی سفیر عروت، آب علی صقر، عراقی مجلس اوقاف کے نائب صدر عبدالمطلب قیاسی،
 علماء بغداد کی ایک جماعت اور سعودی سفارتخانہ کا عملہ ہمارے استقبال کے لئے ہوائی اڈہ پر
 موجود تھا، ایک گھنٹہ تک ہوائی اڈہ کے استقبالی ایوان میں رہے، جہاں حضرات علمائے کرام
 سے تعارف ہوا، جن میں سے بیشتر اوقاف سے متعلق نیز مسجدوں کے امام و خطیب اور مدارس
 کے اساتذہ تھے، پھر ہم نے امیسیٹر ہوٹل کا رخ کیا، یہ درجہ کے سامنے شارع ابو نواس
 پر ایک عظیم الشان ہوٹل ہے، بغداد میں شدید گرمی تھی، بادِ سموم کے تند جھونکے چل رہے تھے،
 لیکن ہوٹل ایر کنڈیشنڈ تھا، اس لئے رات بڑے سکون اور آرام سے گزری۔

سرکاری ملاقاتیں اور دورے

دوسرے روزہ، ۲۳ اگست ۱۹۷۳ء کو پہاڑ شنبہ کی صبح کو وفد کی سرگرمیاں شروع ہوئیں، پہلے دیوان الاوقاف گئے، وہاں معلوم ہوا کہ ہمارا پروگرام جس کی روشنی میں ہم کو نقل و حرکت کرنا ہے، وزارت خارجہ مرتب کرے گی، وہی ملاقاتوں اور دوروں کا تعین بھی کرے گی، وزارت خارجہ نے ہمارے لئے ایک رفیق سفر مقرر کیا، جو وزارت ہی کا ملازم تھا، اسی کی رفاقت اور نگرانی میں ہم کو چلنا پھرنا تھا، بعد میں محسوس ہوا کہ حکومت کی جانب سے دو اشخاص اور بھی متعین ہیں، جو ہمارے ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ہمہ وقت ہماری نگرانی کرتے رہتے ہیں۔

دیوان الاوقاف سے قصر جمہوری گئے، جہاں "سجل التشریفات" میں اپنا نام درج کرایا ہمارے سرکاری رفیق سفر نے بتایا کہ اس کا قومی امکان ہے کہ صدر جمہوریہ احمد حسن بکر ملاقات کے لئے ہم کو بلائیں اس لئے مناسب یہی ہے کہ بغداد سے باہر کہیں کا سفر نہ کیا جائے۔

سب سے پہلے ہم نے امام اعظم (ابو حنیفہ) کی مسجد کی زیارت کی، ظہر کی نماز ادا کی، امام صاحب کے وفادار اور لائق شاگرد اور حنفی مسلک کے اہم سنون امام ابو یوسف کی مسجد دیکھی عصر کے بعد سیدنا عبد القادر جیلانی کی مزار کی زیارت کے لئے "الحضرة القادریۃ" گئے، آپ ہی کی مسجد میں نماز عصر ادا کی، سیدنا جیلانی کی خانقاہ کے احاطہ میں ایک کتب خانہ بھی ہے اس کو دیکھا

۱۷۰۰ء حجاز میں پر مملکت میں آنے والے سبز زہمان دستخط کرتے ہیں، اور جو صدر جمہوریہ کے سامنے پیش ہوتا ہے، یہ مملکتوں کی ایک خلاقی رسم ہے، جو باہر سے آنے والے ممتاز اشخاص کو ادا کرنی پڑتی ہے۔

۱۷۰۰ء وہ جگہ جہاں شیخ عبد القادر جیلانی "بغداد میں مدفون ہیں، "الحضرة القادریۃ" یا "الحضرة الیکلانیۃ" کے نام سے مشہور ہے۔

اور پھر کچھ دیر کے لئے کانٹھ لے گئے۔

جمہور کی صبح کو بعض وزراء کی ملاقات کے لئے نکلے جن کا نام سرکاری پروگرام میں درج تھا، ان میں ابتدائی ادب، صنعتی تعلیم کے وزیر اسٹاذ احمد اجویری اور اعلیٰ تعلیم کے وزیر ڈاکٹر حسین الشادوی تھے، موخر الذکر وزیر حال ہی میں ہندوستان کے دورے سے واپس آئے تھے، گفتگو کا موضوع تھا: ایک عرب اسلامی ملک کے لئے صحیح تعلیمی پالیسی کیا ہے؟ مثلاً عراق میں جو اسلام کی دعوت و اشاعت کا مرکز رہا ہے، اور جسے پورے عالم اسلامی میں علمی و فکری قیادت کا مقام حاصل تھا، دونوں کی گفتگو محتاط اور شائستہ تھی، گفتگو میں ناوانستہ طور پر چند لفظ ایسے بھی ٹپک پڑے تھے، جو اس قوم کی شخصیت اور اس عظیم علمی اور مذہبی ملک کے تابناک ماضی کے شعور کی غمازی کرتے تھے، احساسات و جذبات کو دبانے، ماضی کے اثرات کو ختم کرنے اور زندگی کے ٹھوس حقائق کو نظر انداز کرنے کی کوئی کوشش آج تک پورے طور پر کامیاب نہیں ہو سکی یہاں تک کہ روس میں بھی اس طرح کی کوششیں، بار آور نہیں ہوئیں، اس لئے کہ یہ فطرت سے تہرہ آرمائی اور حقائق سے انکار ہے۔

دیوان الاوقاف کے اعزازی جلسہ میں

دیوان الاوقاف نے جس کے قائم مقام صدر شیخ عبدالرزاق فیاض تھے (صدر ماسکو کے دورہ پر گئے ہوئے تھے) وفد کے اعزاز میں جامع الشہداء میں ایک عشاءِ دہا میں بنداؤ کے علماء، مساجد کے ائمہ اور واعظین و مشائخ کی خاصی تعداد شریک تھی، اہم شخصیاں

لہامام موسیٰ کانظم اور ان کے پوتے محمد اتقی ابجد کا مدفن، یہ دونوں حضرات شیعوں کے نزدیک شاعرشی

انگریز شاعر ہوتے ہیں، یہ تمام کانٹھین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

سابق مفتی عراق شیخ نجم الدین واعظ اور مدرسہ محمد القادر جیلانی کے استاد شیخ عبد الکریم موجود تھے، وقت کے بیشتر حصہ میں خاموشی چھائی رہی، اگر کسی نے کچھ کہا تو بس بقدر ضرورت، مگر ان کی خاموشی گفتگو سے زیادہ بلیغ اور صورت حال کی عکاس تھی، ان کے روشن چہروں کی لکیریں اور ان کی ذہین آنکھوں کی چمک جیسے کہ رہی ہو مگر یہ پہرہ دار موجود نہ ہوتے جو ہماری سانسوں کو گنتے اور ہمارے الفاظ کو ریکارڈ کرتے ہیں، تو آپ کے ساتھ ہمارا رویہ کچھ اور ہوتا، گویا زبان حال کہتی تھی:

گفتگو آئیں درویشی نہ بود

ورنہ باتو ماجرا ہا دشتیم

کچھ آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان اور کچھ سینوں میں الفاظ کا ہیجان نظر آیا زبان حال

سے سب متنبی کا شعر پڑھ رہے تھے:

الحزن یقلق والتجمل یردع

والہ مع بینہما عصی طیح

ترجمہ: غم تعلق انگیز ہے اور میر و قارئیناں گیر، اور انساویک عیب کشف

سے دوچار ہیں۔

یک حرف کا شکے ست کہ صد جانوشہ ایم

رمادی عراق کا ایک علمی اور ذہنی مرکز ہے، وہاں کے علماء کا ایک وفد ہماری ملاقات

کے لئے آیا اور مادی آنے کی دعوت دی تاکہ وہاں وہ اپنے اسلامی جذبات اور ذہنی احساسات

کا بے تکلف اظہار کر سکیں اور ہمیں ان کی علمی و ذہنی سرگرمیوں سے واقفیت ہو، نیز اس شہر کی

زیارت کی سعادت بھی حاصل ہو جو بہت سے علماء و مشائخ کا مرکز رہا ہے، ہم نے ان کے اس پاکیزہ اور نیک جذبہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا، ہمارے لئے کوئی مانع نہیں ہے، بشرطیکہ زیارت ظاہر کی منظوری حاصل کرنی جائے جس نے ہمارا پروگرام مرتب کیا ہے۔ اندازہ ہوا کہ انھیں اپنے شہر میں ہم سے ملنے اور تبادلہ خیال کرنے کا شدید اشتیاق تھا، چنانچہ انھوں نے وزارت سے رابطہ قائم کیا اور درخواست کی کہ ان کو اپنے شہر میں اپنے علمی اور دینی بھائیوں اور رابطہ عالم اسلامی کے وفد کو — جس کے دورہ کی نوبت ایک طویل وقفہ کے بعد آئی ہے — دعوت دینے کا موقع دیا جائے، اپنی اس خواہش اور جذبہ کے جواز کے لئے اور سند کے طور پر انھوں نے ایک نظریہ پیش کیا کہ جب ضیاء الدین بابا خانوف جو روس کے حلیل القدر علماء میں شمار ہوتے ہیں، عراق کے دورہ پر تشریف لائے تھے تو ان کو دعوت دی گئی تھی، اور حکومت نے اس کی اجازت بھی دے دی تھی، گویا، اس طرح وہ رابطہ کے وفد کو دعوت دینے کے سلسلہ میں اپنے وقت کے لئے دلیل پیش کر رہے تھے، اور ان ذمہ داروں کے لئے دلوں کو نرم کرنا چاہتے تھے جنہوں نے باہر کے ایک عالم کو دعوت دینے کی اجازت دیدی تھی، اس مثال سے بہت سے مضمرات کی جانب ہماری رہنمائی ہوئی، اور جس عجیب صورتحال سے ملک دوچار ہے، اس کو سمجھنے میں بہت مدد ملی، جو کسی کتاب یا بلینے ترین عبارت سے سمجھ میں نہیں آسکتی تھی، بعد میں معلوم ہوا کہ رادھی کے لوگ، اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے، اور وزارت خارجہ نے ان کی درخواست منظور نہیں کی۔

ہم نے جمع کی زیارت کی خواہش ظاہر کی جو عراق بلکہ شعی دنیا کا ایک ہم علمی و دینی مرکز ہے، جہاں ہزاروں طلبہ جن کی بڑی تعداد ہندوستانی ہے، رہتے ہیں، اسی طرح کہ بلا اور کوفہ جانے کی بھی درخواست کی مگر جواب میں کہا گیا، اندیشہ ہے کہ صدر جمہوریہ ملاقات کے لئے

۱۹۴

طلب کریں اور آپ حضرات اس وقت شہر میں موجود نہ ہوں، جب بھی بغداد سے باہر کی جگہ جانے کی درخواست کی جاتی ہے جواب ملتا اور یہی عذر پیش کیا جاتا، البتہ مسلمان پائلٹ اور مدائن کے تاریخی مقامات دیکھنے کا موقع ملا جو بغداد سے ۳۰ کیلو میٹر دور جنوب میں دجلہ کے مشرقی ساحل پر واقع ہیں، اگرچہ یہ دورہ بھی سرسری رہا۔

شیدہ علمدار کی ایک جماعت نے ہوٹل میں وفد سے ملاقات کی اور کچھ دیر تک ساتھ بیٹھے رہے، پہلے داییں اور بائیں کرائٹس کا تبیین“ مسلط تھے، ان علمدار نے نجات اور کربلا کی زیارت کا شوق دلایا، اور اس دورہ کی ضرورت اعلیٰ و دینی قدر و قیمت کا بھی ذکر کیا، نیز یہ کہ وہاں کے علماء ہماری ملاقات کے متشاق ہیں، ہم نے وہاں جانے اور وہاں کے علماء کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے لئے کئی آدمی ظاہر کی لیکن ہم نے کہا کہ ہم اس ملک میں گھومنے پھرنے میں آزاد نہیں ہیں، اور بغداد سے باہر جانے کے سلسلے میں وزارت کا عندیہ ہے کہ ممکن ہے، عزت مآب صدر اپنی ملاقات سے مشرف کرنے کے لئے ہم کو طلب کریں اور اس وقت ہم بغداد میں موجود نہ ہوں جس کے نتیجے میں اس ملاقات کی سعادت سے محروم ہو جائیں۔

بغداد یونیورسٹی، مجمع علمی العراقی اور مجمع علمی الکردی میں

اس مختصر قیام کے دوران بغداد یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سعد الراہی سے ملاقات ہوئی، یونیورسٹی کے مقاصد اور تعلیم کا موضوع زیر بحث رہا، ڈاکٹر صاحب بغداد یونیورسٹی کی ابتداء اس کی توسیع اور اس کے مختلف شعبوں پر گفتگو کرتے رہے، یہ ہمارے سرکاری پروگرام کی مقرر کردہ آخری ملاقات تھی۔

لے وہ مقام جہاں حضرت سلمان فارسی مدفون ہیں، انھیں کے قریب ذرا فاصلے سے حضرت خزیمہؓ کے قبرستان کا مقبرہ

علمی اور ادبی ذوق نے ہم کو مجبور کیا کہ المجمع علمی العراقی (عراق اکیڈمی) اور المجمع علمی الکردی (کرد اکیڈمی) دیکھنے جائیں، جن کی علمی اور تحقیقی کوششوں کی ہم قدر کرتے ہیں، المجمع علمی العراقی میں محقق عالم ڈاکٹر ناجی معروف جن کی تحقیقات، بلند پایہ علمی مضامین تصنیفات سے استفادہ کا موقع بھی ہم کو ملا تھا، مجمع کے صدر عبدالرزاق محی الدین، استاذ یوسف عز الدین اس کے جنرل سکریٹری فاضل طائی اور بہائے پرانے دوست اور عراق کے اسلامی شاعر ولید الاعظمی نے ہمارا استقبال کیا، صدر مجمع اور ڈاکٹر ناجی معروف نے المجمع علمی الکردی بھی دیکھنے کی فرمائش کی، دونوں اکیڈمیوں نے اپنی بعض مطبوعات ہم کو بطور ہدیہ پیش کیں۔

نئے تجربے

شارع تنزیہی پر واقع ایک بڑے مکتبہ میں گئے اور اپنی بعض تصنیفات تلاش کیں مگر ایک تصنیف بھی نہ ملی، یہ مکتبہ ان اسلامی کتابوں سے خالی نظر آیا، جو اسلام کی سر بلندی کا پیام دیتی ہیں، ہم کو معلوم ہوا کہ اکثر وہ کتابیں یہاں ممنوع ہیں جو اس ملک میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیاء کی دعوت دیتی ہیں، اور جن میں موجودہ حالات پر تنقید ہے، اس شہر میں جو مشرق عربی کا اہم ثقافتی مرکز ہے، اور جس پر ایک ترقی پسند پارٹی حکمران ہے جو فکرو خیال اور عقیدہ و ضمیر کی آزادی کی قائل ہے، یہ بات بڑی تعجب انگیز ہے۔

سعودی سفارتخانہ نے وفد کے اعزاز میں ایک عشاء کیے دیا، جس میں صوفی خاتمانہ کا عملہ اور دو حضرات شریک تھے، جو ہماری رفاقت کے لئے مقرر کیے گئے تھے، یہی لوگ وزارت خارجہ عراقی حکومت کی نمائندگی کر رہے تھے، جملہ ادرین میں سے کوئی شخص وفد کے ارکان

اور اپنے دینی و علمی بھائیوں سے ملاقات کے اشتیاق کے باوجود شریک نہ ہو سکا۔

عراقی میوزیم — تاثرات

۱۱ اگست ۱۹۶۳ء جمعہ کے روز عراقی میوزیم دیکھنے گئے، ہماری رہنمائی کے لئے اس کے فاضل ڈائریکٹر موجود تھے، جو آثار قدیمہ کے ماہر ہیں، عراق کی تہذیب، تاریخ، معاشرہ اور حکومتیں ہزار سال قبل مسیح سے آج تک جن ادوار و مراحل سے گزری ہیں ان کا مشاہدہ کرایا، مثلاً بابلی دور، کشتی دور، سلوٹی دور، فرشی دور وغیرہ، ہماری توجہ کا مرکز اسلامی عہد اور اسلامی آثار رہے اگرچہ اسلامی آثار بہت کم ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے ہم کوئی تاریخی فلم دیکھ رہے ہوں جس میں ایک حکمراں آتا ہے، دوسرا جاتا ہے، ایک حکومت برسر اقتدار آتی ہے، دوسری زوال پذیر، ایک شہر آباد ہوتا ہے، دوسرا برباد، بلند اور پر شکوہ عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں، اور شہم زدن میں ویرانوں اور کھنڈروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، یہ ساری چیزیں اس طرح گزر رہی تھیں، جیسے تاریخ کوئی ہزلیہ ڈراما (COMEDY) ہو جس میں حقیقت و واقعیت نام کو نہ ہو، جیسے پچوں کا ڈراما ہو جس میں کوئی بادشاہ کا کردار ادا کر رہا ہو کوئی وزیر کا، کوئی خاتون کا، کوئی کمزور کا جیسے علی بابا یا الف لیلہ کے لہذا کے تاجر کا قصہ ہو، اور قصہ کے ماہر فن کار نے جس شخص کے حوالہ جو کر دیا ہے، وہ ادا کر رہا ہے، کوئی کردار اس کے حکم سے انحراف نہیں کرتا سب کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے، سب اس کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں، اور شہر شخص بھول جاتا ہے کہ وہ اپنے فعل میں مختار اور آزاد نہیں ہے، بلکہ مجبور اور پابند ہے، پھر آرزوؤں اور تمنائوں میں کھو جاتا، اور اپنے خیالی جزیروں میں گم ہو جاتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہی کردار

ادا کرتا رہے گا، اور اس کی طاقت و قوت اور حکومت و سلطنت کبھی زوال پذیر نہیں ہو سکتی۔
ان تاریخی معلومات اور ماہ و سال کی تیز رفتار تبدیلیوں سے میرا حجامی اوب گیا اور قوت
و طاقت اور حکومت و دولت پر سے خواہ کتنی ہی وسیع، ہمہ گیر اور دیرپا نظر آئے میرا یقین
اعتماد جاتا رہا۔

ماضی کے کچھ نقوش اور یادیں

ہم نے سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے مقدس زیارت کی اور شیخ کی مسجد میں ایک سے
زیادہ مرتبہ نماز ادا کی شیخ کا شمار امت اسلامیہ کے ان چند شخصیات میں ہوتا ہے، جن کو
الشرائع نے قبول عام اور بقا و دوام بخشا، ایسی شہرت و مقبولیت شاذ و نادر ہی کسی کو
نصیب ہوتی ہے، میری نگاہوں کے سامنے شیخ کے وہ عظیم الشان کارنامے پھرنے لگے،
جو اسلام کی تبلیغ و اشاعت، معاصی کی روک تھام، نفوس کے تزکیہ، طاعت شکنی اور خدا ہی
سے امید و بیم کا رشتہ استوار کرنے کی شکل میں ظاہر ہوئے، میں سوچنے لگا، شیخ کی مجالس حاضرین
و سامعین سے کیسے کھپا کھپا بھری رہتی تھیں، یہود و نصاریٰ جو حق درجوق حلقہ بگوش اسلام
لے میں نے اپنی کتاب "تاریخ دعوت و عہدیت" حصہ اول میں شیخ کے حالات اور کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔
لے لیکن بڑی ستم ظریفی ہے کہ جاہلوں نے آپ کی دین خالص اور صرف الشرائع سے لو لگانے کی دعوت اور
سنت محمدی کی مداخلت سے کوئی سبق نہیں لیا اور آپ کی تعظیم میں ایسے طریقے اختیار کرنے لگے جو توحید
اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں، مثلاً سجدہ کرتے ہیں، قبر کا پوس لینے اور طواف کرتے ہیں، ہم کو ان غیر اسلامی
مناظرہ بہ سخت تکلیف ہوئی، ہم نے بعض ذمہ داروں کو توجہ دلائی کہ جاہلوں کو ان منکرات کے ارتکاب کو سخت
نہ دیں، ہمارا خیال ہے کہ اگر وزارت اوقاف یا نقابت الاشراف اس کا عزم کرے تو کوئی مشکل کام نہیں ہے

۱۹۸

ہوتے تھے، قاتل، رہزن اور عیار و شاطر افراد تو بہ کرتے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے تھے، کس طرح دلوں میں نرمی، جھکاؤ اور خشوع و انابت کی کیفیات پیدا ہوتی تھیں، پتھر موم اور دشمن دوست بن جاتے تھے۔

شیخ اگر اس وقت ہوتے

شیخ کا دور عباسی خلافت کے عروج کا دور تھا، اسلام کا بول بالا تھا، ساری دنیا مسلمانوں کے زیر نگیں تھی، لیکن اس کے باوجود شیخ بغداد اور عالم اسلام کی صورت حال سے مطمئن نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ اسلام میں ضعف اور مسلمانوں میں نفاق سرایت کر گیا ہے، اسلامی معاشرہ انھیں امراض میں مبتلا ہو گیا ہے، جو گزشتہ قوموں اور حکومتوں کی تباہی اور زوال کا سبب بنے، یعنی مادہ پرستی، بوالہوسی، حب جاہ، خود غرضی، غیر اللہ کی غلامی، فضائل اخلاق اور اصل دین سے بے پروائی اور غفلت، بادشاہوں اور امرا کی خوشامد وغیرہ۔

میں نے اپنے دل میں کہا، شیخ اگر اس وقت تشریف رکھتے اور آج کا بغداد دیکھتے تو ان کے قلب حساس و درد مند پر کیا گزرتی، وہ ملاحظہ فرماتے کہ اہل زمانہ اور ابناء کے وطن کس طرح بتان لو کے پجاری اور جب دنیا کے زناری بن چکے ہیں، اسلام کی بجائے دوسری شریعتوں، دنیاوی مذاہب اور خود ساختہ نظامہائے حیات سے رشتہ جوڑ لیا ہے، اور کئی طرح انھوں نے باہر سے زندگی کے طوطے حکومت کے انداز اور سیاسی و اقتصادی نظام درآمد کر لئے ہیں، شیخ جو حالی نسب ہاشمی خلیفہ کی بے راہ روی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اور اس کے اخلاق و اعمال پر بے محابا تنقید فرماتے تھے، اس صورت حال کو کیسے گوارا کرتے کہ آج ایک عیسائی قائد یا لٹریچر جس کا اس ملک سے مذہب و نسب کا کوئی رشتہ نہیں ہے، ہارون رشید اور

اس کے فرزندوں کے تحت پر جلوہ افروز ہے، اور پچھلی صدی مسلمانوں اور عربی النسل قوموں کو اپنے ڈیڑے سے اس طرح ہانک رہا ہے، جیسے کوئی چرواہا بھیڑ بکریوں کے گلے کو ہانکتا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر شیخ کا درد و کرب

مجھے یاد آیا کہ چھٹی صدی ہجری میں جب بغداد دعوت و اصلاح اور علم و ثقافت کا مرکز اور اسلام ملک کے امداد باہر سرچلگے طاقتور ہو چکا تھا، شیخ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا تھا،

’دین محمدی کی دیواریں منہدم ہو چکی ہیں، اسلام کی بنیاد کھوکھلی ہو رہی ہے‘

آؤ اسے اہل زمین آؤ، جو حصہ کر گیا ہے، اس کو اٹھا دیں اور مرتب کر دیں۔

اے آفتاب و انتہاب اور اے یل و نثار آؤ، لوگو! اسلام فریاد کر رہا ہے، مدد کے لئے پکار رہا ہے، ان فساد و فحار، گمراہ و بدعتی نظام اور فریب کا مدد لوگوں نے اسلام کو دل گرفتہ کر دیا ہے؛

یہ درد مندی اور بے قراری اس زمانہ میں شیخ کو ہو رہی تھی، جو بڑی خیر و برکت کا زمانہ تھا تو آج اگر شیخ موجود ہوتے تو ان کی بے قراری کا کیا عالم ہوتا جب دیکھتے کہ مسلمان خود اسلام پر ظلم و تم ڈھا رہے ہیں، مذہب کو کارگرمیات سے بے دخل اور بے تعلق کر دیا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو جو صحیح علم حکیمانہ اور عادلانہ دستور زندگی، اور انھیں کی زبان میں جو معجز کتاب عطا ہوئی تھی، اور آپ کی نبوت و قیادت کے سائے میں انھیں جس شرف و سر بلندی اور جس سرخروئی و ہر دلعزیزی سے نوازا گیا تھا، اس کی انھوں نے کوئی قدر نہ کی اور اس کو چھوڑ کر دوسرے مذاہب و ادیان اور دوسرے فلسفوں اور نظماں کی قیادت

سے رشتہ جوڑ لیا، ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمان یہاں سے آدھی دنیا پر حکومت کرتے تھے، دنیا و آخرت دونوں کی سعادتوں سے بہرہ اعموز ہوتے تھے، اور اجسام و قلوب سب پر ان کی حکمرانی تھی، لیکن جب مسلمانوں نے اسلام کی نعمتوں کو ٹھکرا دیا، تو ذلت و خواری اور فلاح و اوبار کے غار میں جا گرے۔

عراق انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد

ہم روزانہ شہر جاتے شارع رشید سے گزرتے جو ہمارے ہونٹوں سے قریب ترین سڑک تھی، رصافہ اور کرخ کے درمیان چیل قدمی کرتے اور ان مقامات سے وابستہ اشعار و واقعات یاد کرتے، اس جسر (پل) سے گزرتے جو ان دونوں علاقوں کو ایک دوسرے سے جوڑتا ہے، اور وہ غزلیہ اشعار یاد کرتے جو اس جسر (پل) کے بارے میں کہے گئے ہیں، بعد میں متعدد نئے پل بھی تعمیر کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ دجلہ کو پار کرتے ہیں۔

اس سے پہلے ۱۹۵۶ء میں بغداد آنا ہوا تھا جب شاہ فیصل بن غازی کی حکومت تھی، اور نوری السعید پاشا وزیر اعظم تھے، یہ صحیح ہے کہ وہ کوئی مثالی دور نہیں تھا، اور نہ حکومت اسلامی نظام کے مطابق تھی، حکومت کی پالیسی، ذمہ داروں کی مطلق العنانی اور اس وقت کے حالات پر شدید نکتہ چینی کی گنجائش ہے، عوام اور حکومت کے درمیان ایک خلیج حائل تھی، ظلم و استبداد تھا، بدعنوانی اور مطلق العنانی تھی، عراقی حکومت برطانوی سیاست کے چشم و ابرو پر گھوم رہی تھی، یقیناً یہ صورتحالی خلط اور قابل تنقید تھی، اگر حکام کا رویہ درست ہوتا اور اسلامی شریعت اور اس کے منصفانہ اصولوں پر عمل کیا جاتا تو بہت ممکن تھا کہ ملک اس سے زیادہ مضبوط،

۱۔ بغداد کا مغربی محلہ کرخ کے نام سے مشہور ہے جس کے بارے میں ابو العلاء معری کہتا ہے۔ (باقی صفحہ پر)

مستحکم اور خوشحال ہوتا۔

لیکن جب میں بغداد کی سڑکوں پر ٹہلتا تھا، لوگوں کی باتوں کو سنتا اور ان کے چہروں کو پڑھتا نیز اپنے اس دورے کے بعض مخصوص تجربات کی روشنی میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ عبدالکریم قاسم کے انقلاب سے پہلے ملک زیادہ خوشحال اور مستحکم تھا، قوم میں آج سے زیادہ آزادی، بے فکری اور اعتماد تھا، ۱۹۵۶ء میں جب میں بغداد آیا تھا، تو کسی طرح کے دباؤ، پابندی اور پپرہ کا احساس نہیں ہوا تھا، میں پوری آزادی سے بغداد اور بیرون بغداد گھومنا پھرتا تھا، جس سے چاہتا میں ملاقات کرتا اور جو چاہتا مجھ سے ملاقات کرتا اور کسی طرح کی باز پرس کا

(باقی صفحہ ۲۰۲ کا) فیہا برق لیس، الکرخ داری و امانا دمانی الیہ الدھر صند لیا ل

فہل زیادہ من مام الموعود قطرة تغیث بها ضامن لیس بسال

ترجمہ:- اسے برق! کرخ میرا وطن نہیں ہے، اگر کشایا میں نے کچھ دنوں سے یہاں لاکر چھوڑ دیا، کیا تیرے پاس معرکہ پانی کی کوئی بوند نہیں ہے؟ جس سے تو ایک تشنہ لب کی پیاس بجھاسکے؟

کرخ بغداد کا قدیم محلہ ہے، مشرقی علاقہ رصافہ کے نام سے مشہور ہے، یہ نام ہارون رشید نے رکھا تھا، اور اس میں ایک محل بھی تعمیر کیا تھا، رصافہ کے بک میں ابن الجہم کتاب ہے:

عیون المہابین الرصافۃ والمجر جبلین المہودی من حیث اوردی وکلا اوردی

اثرن لی الشوق القدیم ولم اکن سلوت ولكن زدن جھرا علی جھرا

ترجمہ:- فراخ چشم حسینوں نے جو رصافہ اور جسر کے درمیان خوشخامی میں مصروف ہیں، مجھے علوم و مہلوم طریقہ پر اپنی محبت کا اسیر بنایا۔

انھوں نے میرے قدیم شوق میں جو ابھی افسردہ نہیں ہوا تھا، ایک نئی تحریک پیدا کر دی اور اس

شرارہ محبت کو ہوا دیکر اور فرما کر دیا۔

اندیشہ نہ ہوتا۔ ”جمعیتہ القاد فلسطین“ کے مرکز میں میری ایک تقریر ہوئی تھی، جو بعد میں اذیتہ ایمان و اخلاق“ (ایمان و اخلاق کا بحران) کے نام سے شائع ہوئی، اس تقریر میں نوجوانوں اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، میں نے پوری آزادی سے تقریر کی تھی، عراق اور عالم اسلامی کے اخلاقی انحطاط، موجودہ معاشرہ کے ایمانی اور اخلاقی بحران، باضمیر و بااصول افراد کے فقدان جیسے موضوع پر میں نے بے لاگ تبصرہ کیا تھا، مگر یہ اسی حلقوں میں اس تقریر سے کوئی کھلبلی نہیں مچی اور مجھے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور بغداد سے اسی طرح آزاد دہے فکر اور سرور و مطمئن آیا تھا، جس طرح بغداد میں داخل ہوا تھا انسان کی فطرت ہے کہ وہ نفع و نقصان، سود و زیاں اور کامیابی و ناکامی کے درمیان موازنہ کرتا ہے۔

تو آخر ان ملکوں کو ان ہولناک انقلابات سے کیا ملا جو حالات کو سدھارنے قوم کو ظلم و استبداد کے آہنی پنجہ سے آزاد کرنے اور اس کی اس فطری حریت کو بحال کرنے کے لئے رونما ہوئے تھے۔

یہ ایک سوال ہے جس کا جواب ہم ان تمام لوگوں سے چاہتے ہیں، جو حقیقت پسند اور حق شناس ہیں اور جو عرب اسلامی ملکوں کے مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

جامع الشہداء میں خطاب

نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے دیوان الاوقاف نے ہمارے لئے جامع الشہداء کا تعین کیا تھا جو بغداد سے کئی کیلومیٹر دور ہے، اور اس شدید گرمی میں دوپہر کے وقت وہاں پہنچنے میں لوگوں کو بڑی دقت پیش آتی ہے، معلوم نہیں کیسے ہماری آمد کی خبر علماء اور مسلم نوجوانوں تک

پہنچ گئی، جو اپنے دینی بھائیوں سے ملاقات کرنے اور ان کی باتیں سننے کے مشتاق تھے، چنانچہ مسجد نمازیوں سے بھڑکی، مجھ سے متعدد آدمیوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں نماز بوقت تقریر کروں، میں نے ہر چند معذرت کی مگر بے سود آخر کار میں نے معاملہ ذمہ داروں پر تال دیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ خدا نخواستہ کوئی ناخوشگوار بات پیش آجائے اور اس کا اثر ان دوستوں پر پڑے جنہوں نے تقریر کی خواہش کی تھی، اور اسی لئے جامع مسجد میں تشریف لائے تھے، ذمہ داروں نے منظوری دے دی۔

میں سوچنے لگا کہ میری آج کی تقریر کا موضوع کیا ہو، مجھے محسوس ہوا کہ گفتگو کا دائرہ تنگ اور موقع نازک ہے، ایسے وقت میں قرآن نے میری دستگیری کی اور قرآن ہمیشہ ہی تیر اور پریشان آدمی کی دستگیری... اور... رہنمائی کرتا ہے، اسے خدا کا الہام اور اس کی توفیق کہئے کہ اسناد عبدالرزاق فیاض نے اپنی شریں اور گونجنے والی آواز میں نماز سے پہلے سورہ انبیاء کی تلاوت کی تھی، میں نے اسی سورہ کی ایک آیت لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ، ”کو لے یا اور اس آیت کریمہ نے گفتگو کا ایک وسیع میدان میرے سامنے کر دیا، ایسی گفتگو جو دلوں کو چھوتی تھی، زندگی سے جس کا گہرا تعلق تھا، اور جو صورت حال پر منطبق بھی ہوتی تھی، میں نے کہا:

قرآن ایک صفا شفا آئینہ ہے جس میں افراد اور قومیں
اپنا چہرہ دکھتی اور اپنا مقام پہچانتی ہیں

”حضرات!

میں نے ایک عزیز دوست سے سورۃ الانبیاء کی تلاوت سنی تو اس کی ایک عبارت آئی

آیت نے میرے ذہن میں بے شمار معانی کے دریچے کھول دیئے۔ ارشاد باری ہے
 لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ
 ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝
 نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے
 تو تم غور کیوں نہیں کرتے؟
 (الانبیاء، ۱۰۔)

یہ آیت ہمیں... بتاتی ہے کہ قرآن ایک صاف شفا، سچا، وفادار و دیانت دار
 آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنے خدو خال دیکھ سکتا ہے، معاشرہ میں اپنا مقام
 پہچان سکتا ہے، اور خدا کے نزدیک اپنا مرتبہ معلوم کر سکتا ہے، کیونکہ قرآن انسانوں
 کے اخلاق و صفات بیان کرتا ہے، اور اس میں انسانیت کے اعلیٰ اور ادنیٰ
 ہر طرح کے نمونہ کی تصویریں موجود ہیں۔ ﴿ذِكْرُكُمْ﴾ یعنی اس کتاب میں
 تمہارا بیان ہے، تمہارے حالات و اوصاف مذکور ہیں، جیسا کہ بہت سے علماء
 نے سمجھا ہے، سلف قرآن کو ایک زندہ، بولنے والی اور زندگی سے سبز کتاب
 تصور کرتے تھے، ان کے نزدیک قرآن کوئی تاریخی اور آثار قدیمہ کی چیز نہیں تھی، جو
 صرف ماضی اور اگلے وقتوں کے لوگوں سے بحث کرتی ہو اور جس کا زندہ لوگوں سے
 بدلتی ہوئی انسانی زندگی اور انسانیت کے ان بے شمار و لامحدود نمونوں سے
 جو ہر زمان و مکان میں موجود رہتے ہیں کوئی تعلق نہ ہو۔

ہمارے اسلاف اپنے اخلاق و اوصاف اور اپنے اندرون کو بخوبی جانتے تھے
 ہر چیز ان کے سامنے روشن اور عیاں ہوتی تھی، وہ اسی قرآن سے رہنمائی حاصل
 کرتے تھے، اسی عجیب و غریب کتاب میں اپنے چہرے ڈھونڈتے اور اپنے اخلاق و
 اطوار کی سچائی اور صحیح تصویر تلاش کرتے تھے، اور بہت آسانی سے خود کو اس کتاب میں

پاجاتے تھے، اور پہچان لیتے تھے، اگر ذکر خیر مڑتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور کچھ اور مڑتا تو استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتے تھے۔

اس آیت کی تلاوت پر مجھے سیدنا احنف بن قیس کا ایک واقعہ یاد آیا حضرت احنف بن قیس کبار تابعین میں سے ہیں، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مخصوص ترین اصحاب میں ان کا شمار ہے، حلم میں ضربا مثل تھے، مگر اس کے باوجود جب غصہ ہو جاتے تو ان کی غیرت و ہمت میں جوش آجاتا، لوگ کہتے تھے کہ جب احنف کو غصہ آتا ہے تو ان کے ساتھ ایک لاکھ تلواریں غضبناک ہو جاتی ہیں، یہ واقعہ میں نے ابو عبد اللہ محمد بن النصر المرزوسی (متوفی ۲۷۵ھ) کی تصنیف "قیام البیئ" میں پڑھا ہے، مصنف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد تلذذ میں تھے، اور گمان غالب ہے کہ اس کتاب کی تالیف آپ ہی کے شہر بغداد میں ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت احنف بن قیس تشریف فرما تھے کہ انھوں نے کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو چونک پڑے اور فرمایا، ذرا قرآن مجید لانا میں اپنا ذکر تلاش کروں اور معلوم کروں کہ میں کس کے ساتھ ہوں اور کس سے مشابہ ہوں۔

قرآن مجید کھولا تو اس آیت پر نظر پڑی جس میں کچھ لوگوں کے متعلق ارشاد

۱۰۶:

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّذِينَ
رَاتِ كَ تَقْوٰطِے سے حصے میں سوتے
مَادِهِمْ جَعَوْنَ ۝ وَالْأَسْحَارُ
تھے، اور اوقات سحر میں بخشش مانگا

کرتے تھے، اور ان کے مال میں مانگنے
 ۵ وَتَبْتَغُوا عَنْهُمْ
 ۵ حَقَّ السَّئِلِ وَالْمَحْرُومِ
 (الذاریات - ۱۷-۱۹)

پھر یہ آیت گزری:-

ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے
 ۵ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
 ۵ يَدْعُونَ بِهِمْ خَوْفًا وَطَمَعًا
 ۵ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ
 (السجدہ - ۱۶)

خرچ کرتے ہیں۔

پھر ان کے سامنے ایک گروہ آیا جس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ
 ۵ وَالَّذِينَ يَسْتَوُونَ لِرَبِّهِمْ
 ۵ سُجَّدًا وَقِيَامًا
 (الفقان - ۶۲)

بسر کرتے ہیں۔

پھر ان کا گزرا یہ لوگوں کے پاس سے ہوا جن کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے۔
 ۵ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ
 ۵ وَالصَّرَّاءِ وَالْكَالِمِينَ
 ۵ الْغِيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ
 ۵ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
 (آل عمران - ۱۳۲)

وَيَقُولُونَ إِنَّا نَأْتِيكُم بِالْبَهْتِنَا
لِشَاعِرٍ تَجْتَنِبُونَ ۝
(الصفۃ - ۳۵-۳۶)

غزور کرتے تھے اور کہتے تھے بھلا ہم
ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے کہیں
اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔

پھر ان کا ذکر گزرا:

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ
اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا
ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِمْ إِذَا
هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ (الزمر - ۲۵)

اور جب تھا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے،
تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے
ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں اور
جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا
جاتا ہے، خوش ہو جاتے ہیں۔

پھر ان حضرات کا تذکرہ سامنے آیا جن سے سوال کیا جائے گا:

مَا سَأَلَكُمْ فِي سَفَرِهِ قَالُوا
لَمْ نَكُ مِنْ الْمُضَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ
نَطْعِمُ الْمُسْكِينِ ۝ وَكُنَّا نَعْمُونَ
مَعَ الْخَالِصِينَ ۝ وَكُنَّا نَكْتُمُ
بِیَوْمِ الدِّينِ حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينَ ۝
(المدثر - ۲۲-۲۴)

(سوال ہوگا) تم دوزخ میں کیوں
پڑے، وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز
نہیں پڑھتے تھے، اور نہ فقیروں کو
کھانا کھلاتے تھے، اور اہل باطل کی
ہاں میں ہاں ملاتے تھے، اور روزِ جزا
کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں

موت آگئی۔

پھر ٹھہر گئے اور فرمایا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں ان لوگوں سے برادرتی ظاہر کرتا
ہوں، اس کے بعد ورق اٹتے رہے، اور تلاش کرتے رہے، آخر کلا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَأَخْرُوتَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ
 خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرًا سَيِّئًا
 عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَسْوِبَ عَلَيْهِمُ
 إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ
 اور کچھ اور لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا
 اقرار کرنے میں، انھوں نے اچھا اور
 برے عملوں کو ملا جلادیا تھا، قریب
 ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے توبہ فرمائے
 بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔
 (التوبہ - ۱۰۲)

تو فرمانے لگے: خداوند! میں انھیں لوگوں میں سے ہوں!

آئیے ہم بھی اپنا ذکر اور اپنی تصویر پوری دیانت داری اور سنجیدگی سے قرآن
 میں تلاش کریں قرآن بشیر بھی ہے اور نذیر بھی، صاحبین کے ساتھ کفار و مشرکین کا
 بھی تذکرہ اس میں موجود ہے، قرآن افراد اور جماعتوں دونوں کی تصویر کشی کرتا ہے
 ارشاد ہے:-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ
 قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ
 اللَّهُ عَلَيْهِ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ
 الَّذِي أَخْصَمَ ۖ وَإِذْ اتَّوَلَّىٰ
 سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا
 وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ
 اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو
 دنیا کی زندگی میں تم کو دلکش معلوم
 ہوتی ہے اور وہ اپنے فانی انصیر پر
 خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ
 سخت جھگڑا لوٹے اور جب پٹھ پھیر کر
 چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے

۱۰ آیات کا ترجمہ مولانا فتح محمد صاحب کے ترجمہ قرآن سے براہے نام فرق کے ساتھ منقول ہے۔

۱۱ کتاب قیام اللیل طبع لٹمان ۱۳۲۰ھ صفحہ ۱۳۔

۱۲ بعض لوگوں نے، توئی، کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ جب اس کو حکومت اور اقتدار حاصل ہوتا ہے

وَإِنَّهُ لَأَكْبَرُ الْفَسَادِ
وَإِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ
أَخَذْتَهُ الْعِزَّةَ بِالْإِثْمِ
فَحَسِبْنَاهُ جَهَنَّمَ وَنَبِيًّا
الْمُهَادَى

تاکہ اس میں قتلہ انگیزی کرے اور
کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں
اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے
اور خدا قتلہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا
اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا
سے خوف کرو، تو غرور اس کو گناہ
میں پھنسا دیتا ہے، اسو ایسے کو جہنم
سزاوار ہے، اور وہ بہت برا
ٹھکانہ ہے۔

(البقرہ - ۲۰۴-۲۰۶)

پھر اس کے بعد ارشاد ہے:-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي
نَفْسَهُ أَتَيْتَهُمْ مَّرْضَاتٍ
وَأَنَّهُمْ رَوُّوفٌ بِالْبَيَارِهِ
الْبَقَرَةِ - ۲۰۷

اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی
خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی
جان بیچ ڈالتا ہے اور خدا بندوں
پر بہت مہربان ہے۔

ایک جماعت کا ذکر اس طرح ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ
مَلْفُومًا مِّن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ
بِقَوْمٍ مَّيْمَنَهُمْ وَيُجِيبُونَ أَذْلَهُ
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ

اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے
دین سے پھر جائیگا، تو خدا ایسے لوگ
پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے
اور جسے وہ دوست رکھیں، اور جو

مومنوں کے حق میں نرمی کریں، اور
 کافروں سے سختی سے پیشیائیں، خدا
 کی راہ میں جہاد کریں، اور کسی ملامت
 کرنے والے سے نہ ڈریں، یہ خدا کا
 فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا
 ہے، اور خدا بڑی کثرت سے والا اور
 جاننے والا ہے۔

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 فَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ
 ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن
 يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
 (المائدہ - ۵۴)

ایک دوسری جماعت کا تذکرہ اس طرح ہے:-

مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں،
 جو اقرار انھوں نے خدا سے کیا تھا،
 اس کو سچ کر دکھایا، تو ان میں بعض ایسے
 ہیں، جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے،
 اور بعض ایسے ہیں جو انتظار کر رہے
 ہیں، اور انھوں نے (اپنے قول کو)
 ذرا بھی نہیں بدلا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا
 مَا عَاهَدُوا وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ غَمِيمٌ
 مَن قَضَىٰ نَجْبًا وَمِنْهُمْ مَّن
 يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا بَدْلًا
 (الاحزاب - ۲۳)

شکر اور احسان شناسی کی نزعیت دلاتے ہوئے قرآن انبیاء اور ان کے تابعین
 کا ذکر کرتا ہے، اور ناشکری، احسان فراموشی، غرور اور حسن سلوک کا جواب بدسلوکی
 سے دینے کی مذمت کرتے ہوئے، اور اس کے انجام بد سے ڈراتے ہوئے فرماتا

ہے:-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا
نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا
قَوْمَهُمْ دَارَ الْبُورِ
کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا
جنہوں نے خدا کے احسان کو ناشکری
سے بدل دیا، اور اپنی قوم کو تباہی کے
گھر میں اتارا۔ (ابراہیم - ۲۸)

اور اس کی مثال ایک بستی سے دیتا ہے جس نے خدا کی نعمتوں کو فراموش کر دیا۔
اور جس کے افراد اپنی خوشحالی پر اتارنے لگے، ارشاد ہوتا ہے:-

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً
كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا
رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ
فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَقَهَا
اللَّهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ
بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝
اور خدا ایک بستی کی مثال بیان فرماتا
ہے کہ (ہر طرح) اس میں سے بستی
تھی، ہر طرف سے رزق بفرماغت
چلا آتا تھا، مگر ان لوگوں نے خدا کی
نعمتوں کی ناشکری کی، تو خدا نے
ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک
اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری

کا) مزہ چکھا دیا۔

یہ انسانی اور اخلاقی نمونے جو قرآن نے مختلف ناموں سے پیش کئے ہیں
کہیں کسی مطلق النسان فرمانروا کے نام سے مثلاً فرعون، کہیں کسی سرکش وزیر
یا امیر کے نام سے مثلاً ہامان، کہیں کسی متکبر اور خبیث سرماہیہ دار کے نام سے
مثلاً قارون، کہیں کسی ظالم و جاہل قوم کے نام سے مثلاً عاد کہیں کسی مشہور اور
ماہر صنعت قوم کے نام سے مثلاً ثمود یہ تمام لازوال انسانی نمونے ہیں جو کسی

زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، اور یہ تمام نمونے انسانی فطرت کے مختلف کمزور پہلوؤں اور گوشوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے ان افراد اور جماعتوں کے انجام پر بھی روشنی ڈالی ہے اور صفائی کے ساتھ کہا ہے کہ جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے گا اور ان کو اپنا رہنما اور قائد تسلیم کرے گا، اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان افراد اور جماعتوں کا ہوا۔

مِنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَقُوْا مِنْ قَبْلُ مَا
 جَوَّكَ يٰۤاٰدَمُ كَذٰرِكَيْۤهٖۤنِ اِنْ يٰۤاٰدَمُ كَانَتْ
 وَكَانَ اَمْرًاۙ سَهِيْۤمًاۙ مَّقْدُوْرًاۙ
 (۱۱۶: اب-۳۸)

تقریر ختم ہونے کے بعد حاضرین مصافحہ و معانقہ کے لئے بل پڑے اور ایک نے میرے کان میں چپکے سے کہا: ہجوم دس گنا ہوتا اور پورا بغداد امنڈ آتا، اگر حالات معمول پر ہوتے اور لوگوں کو آزادی حاصل ہوتی:

بصرہ نہ دیکھنے کا افسوس

ہم نے بصرہ جانے کی درخواست کی جو قدیم تاریخ میں علم، زہد اور دعوت اسلامی کا اہم مرکز، اموی دور میں دمشق کے بعد سب سے بڑا شہر اور سیدائتا بعین جن بصری کا وطن رہا ہے، لیکن وہی پرانا جواب ملا کہ ہو سکتا ہے، صدر جمہوریہ آپ کو طلب کریں اور آئیے گ نہ لیں، گویت جاتے وقت ارادہ تھا کہ بصرہ میں رک کرواں سے عمان جائیں گے مگر موقع نہ مل سکا

بغداد سے روانگی

اتوار کی شام کو بغداد سے روانہ ہوئے، دل میں اس کی یاد اور اس کی محبت

۲۱۴

چٹکی لے رہی تھی، اور زبان حال گویا تھی ہے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھوٹی کم نکلے



شہیدوں اور پاسبانوں کی سرزمین اردن میں

ترجمہ

مولوی محمد اجمل ایوب اصلاحی ندوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مَنْ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ رَسُوْلِیْ فَاِنَّهُ کَافِرٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مَنْ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ رَسُوْلِیْ فَاِنَّهُ کَافِرٌ

بغداد سے عثمان

چار عرب اسلامی ملکوں کے اس دورہ کی آخری منزل مشرق اردن تھا، اور غالباً یہ اچھا ہی ہوا، کیونکہ انہما خیال کی جتنی آزادی اور جتنا موقع وہاں حاصل ہوا وہ ان ملکوں میں قطعاً حاصل نہیں ہوا، جہاں کی حکومتیں جمہوریت و قومیت کی علمبردار ہیں، اور جو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ان پر کوئی ایک فرد یا کوئی مخصوص خاندان حکمرانی کرے، ان کے نزدیک یہ رجعت پرستی اور پسماندگی کی علامت ہے، جس کی اس آزاداؤ ترقی یافتہ دور میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اتوار ۱۲ اگست ۱۹۳۷ء رات کو تقریباً ۹ بجے ہم بغداد سے روانہ ہوئے، ہم کو رخصت کرنے کے لئے سعودی سفیر اور بغداد کے بعض اساتذہ جو سعودی عرب میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، تشریف لائے تھے، بصرہ کے ہوائی اڈہ پر ایک گھنٹہ کے لئے اترے اس عظیم علمی اور تاریخی شہر کی زیارت کی اجازت نہیں مل سکی تھی، جو دین، علم اور ادب و نحو کا ایک مستقل مکتب فکر تھا، ہوائی اڈہ پر اچانک سعودی تو نصل سے ملاقات ہوئی، انہوں نے

بہت اصرار کیا کہ ہم بصرہ میں ان کی میزبانی میں کچھ وقت گزاریں اور اس تاریخی شہر کی سیر کریں، اس غیر متوقع ملاقات سے ہم سب کو بہت مسرت ہوئی، پھر کویت کے لئے طیارہ پر سوار ہو گئے، رات کویت میں گزارى، بشیر من (SHERATON) ہوٹل میں قیام کیا، جہاں شیخ عبدالرزاق صالح، ہمارے دوست ڈاکٹر عبداللطیف خاں اور برادر عزیز ابراہیم حسنی ملاقات کے لئے آئے اور کچھ دیر ساتھ بیٹھنے کے بعد ہم کو آرام کرنے کے لئے چھوڑ گئے۔

دو ذیہجہ ۱۳ اگست ۲۰۰۷ء کی صبح کو ہم نے عمان کا رخ کیا، اور ظہر سے پہلے پہنچے، ہوائی اڈہ پر ہمارے استقبال کے لئے وزارت اوقاف کے سکریٹری استاذ عبدالصمد، پاکستان میں اردن کے سفیر اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تالیسی کے رکن سید کامل الشریف، سعودی مدارالمہام استاذ محمد مہیش اور دوسرے حضرات موجود تھے، ہوائی اڈہ سے اردن کے مشہور ہوٹل "انٹر کونٹیننٹل اردن ہوٹل" گئے، راستہ میں سید کامل الشریف نے ہم کو بتایا کہ شاہ حسین کو جب وفد کے دورہ اردن کی اطلاع ملی تو انھوں نے مسرت کا اظہار کیا، اور خوش آمدید کہا، اور توقع ہے کہ وہ کسی وقت وفد کو ملاقات کے لئے یاد فرمائیں، ہم نے اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا جس کا اظہار اس شریف خاندان سے کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔

وزارت اوقاف کی میزبانی

ادقاف اور اسلامی امور کی وزارت کی میزبانی میں ہم نے ہوٹل میں قیام کیا جس کے نگران اور ذمہ دار ڈاکٹر اسحاق فرحان ہیں۔ وزارت اوقاف کی طرف سے ہر سال ایک تعلیمی و ثقافتی پروگرام چلایا جاتا ہے جس اتفاق سے ہمارا آنا اسی زمانہ میں ہوا جب اسلامی ثقافت کی اشاعت اور اسلامی شعور بیدار کرنے کے لئے مختلف علمی جلسوں منعقد کی جا رہی تھیں،

لکچرز کے پروگرام تیار کئے جا رہے تھے، جب ہم دمشق میں تھے، اسی وقت وزارت کے سکریٹری نے ہم سے ان ثقافتی تقریبات میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تھی، اور محترم وزیر اوقاف نے ہندوستان میں راقم سطور کی قیام گاہ پر دعوت نامہ بھی ارسال کیا تھا، وفد کے دورہ اڑن کے موقع کو وزارت نے غنیمت جانا، اور وفد کو اپنا مہمان بنایا، خطبات، ملاقاتوں اور دوروں کا پروگرام مرتب کیا، اور اسے شائع کیا۔

محترم وزیر اوقاف نے ہٹل میں ہم سے ملاقات کی، آپ مشرق عربی کی گئی چینی تعلیمی و تربیتی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں، اور اسلامی فکر اور اسلامی ذہن رکھتے ہیں، اس پہلے تعلیم و اوقاف کی ایک ہی وزارت تھی، بعد میں دو مستقل وزارتیں بنا دی گئیں، ہم نے ڈاکٹر صاحب کو ان کے اسلامی مضامین کے ذریعہ جانا، اسلامی ملکوں میں تعلیم و تربیت کے انداز کے موضوع پر ان کے بعض مقالات، ہمارے نزدیک بڑے فکر انگیز ہیں، وزارت میں ان کا وجود ملک کے لئے ایک گراں مایہ نعمت سے کم نہیں، اگرچہ ان کا قدرتی اور صحیح مقام وزارت تعلیم میں ہے، اسی طرح اطلاعات و نشریات کے ڈاکٹر کراتا ذ علی فریج، ڈاکٹر عبدالشعر ارام۔ جو وفد کے رفیق مقرر ہوئے اور اس دورہ میں جس کا آغاز کابل اور جس کی آخری منزل عمان تھا جن دونوں سے تعارف حاصل ہوا، ان میں دیندار، تقویٰ، غیرت و حمیت اور چستی و سرگرمی ہر اعتبار سے بہت ممتاز تھے۔ نیز وزارت کے ڈاکٹر جنرل اساذعز الدین خطیب اور سرفہ واز اللوار کے ایڈیٹر اساذ حسن اتل نے شرف ملاقات بخشا۔

محترم وزیر اوقاف اور ان کے رفقاء کے ساتھ

وفد نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز شنبہ کے روز ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو صبح اوقاف

اسلامی امور کے وزیر سے ان کے فتر میں ملاقات سے کیا، دو گھنٹے کی ملاقات رہی، وزیر موصوف نے وزارت اوقاف کی سرگرمیوں، اس کے میدان کار اور اخیر دور میں اس کے ارتقا اور تبدیلیوں پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے وزارت اوقاف کی سرگرمیوں کا میدان فوت شدہ اشخاص کے مسائل تھے، اب اس نے زندگی اور زندہ لوگوں کے مسائل کو بھی اپنے دائرہ عمل میں شامل کر لیا ہے، اور مذہبی تعلیمات اور اسلامی ثقافت سے ان کا رشتہ استوار کر رہی ہے، ان کی گفتگو میں پختگی اور بیدار مغزئی نمایاں تھی، وہ اسلام اور علم کے پیغام کا فہم اور روح عصر کا شعور رکھتے ہیں، ان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ وقف کے فقہی احکام و مسائل میں پچک پائی جاتی ہے، وہ زمانہ کا ساتھ دے سکتے ہیں، اور کتاب و سنت اور وسیع فقہ اسلامی کی روشنی میں مسلمانوں کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں، پھر وزیر نے اپنی گفتگو میں وزارت کے انتظامی ڈھانچہ اور وزارت کے تحت چلنے والے اداروں کا مکمل اور تفصیلی جائزہ بھی پیش کیا جس سے مختصر وقت میں ہم کو خاصی معلومات حاصل ہوئیں اور اس وزارت کے متعلق ایک واضح اور مرتب نقشہ سامنے آیا جو قدیم اسلامی سرمایہ کے تحفظ اور جدید سرمایہ میں اضافہ کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

گیارہ بجے مہمدمشرعی“ دیکھنے گئے اور اس کے ناظم شیخ محمد ابراہیم شقرہ سے ملاقات کی جن کا شمار اس اسلامی ملک کے ممتاز علماء اور اہل فکر میں ہوتا ہے، وہ عقائد کی پختگی کے ساتھ ایک روشن خیال عالم، اور ایک خوش بیان مقرر بھی ہیں، مدینہ یونیورسٹی میں عرصہ تک معلم رہ چکے ہیں، مہمدمشرعی سے ملحق ”مدرسۃ القرآن“ دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔

شاہ حسین سے ملاقات

اس کے بعد اسلامی ثقافتی مرکز۔ عورتوں کی شاخ۔ جانا تھا، نظر کا وقت ہو چکا تھا، ہم محمد شرعی سے ملی ہوئی مسجد میں نماز ظہر ادا کرنے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک شاہ حسین نے فوری طور پر قصر شاہی میں ملاقات کے لئے طلب کیا، ہم نے نماز ظہر ادا کی پھر وزیر اوقاف کے دفتر گئے جہاں سے سید کامل الشریعت کی معیت میں — جن کو قصر تک وفد کے رفیق اور رہنما کی حیثیت سے جانا تھا۔ قصر شاہی کا رخ کیا۔

محل میں داخل ہوئے تو وہاں سعودی عرب میں اردن کے سفیر شیخ محمد امین الشنقیطی سے ملاقات ہوئی جو حال ہی میں شاہ سے ملاقات اور دار الحکومت کے دورے پر آئے ہوئے تھے، ان کی موجودگی سے ہم کو موجودہ شاہ کے دادا ملک عبداللہ بن حسین مرحوم سے اپنی پہلی ملاقات جو ۲۲ سال پہلے بغداد کے محل میں دو شنبہ کے روز ۶ شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ہوئی تھی، اور دوسری ملاقات کی — جو ۹ شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ہوئی — یاد تازہ ہو گئی۔ اور آج ہم ان کے نامور پوتے سے ملاقات کر رہے تھے، لیکن آج اور گل کے درمیان کتنا گہرا اور عظیم فرق ہے؟

۲۲ سال کا وقفہ ریاضی کے اعتبار سے ایک مختصر وقفہ ہے، اور اشخاص، توہوں خاندانوں اور حکومتوں کی زندگی اور تاریخ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا، تھوڑی سی مدت میں کبھی کبھی کسی نسلیں گزر جاتی ہیں، حکومتیں تبدیل ہو جاتی ہیں، اگر حوادث و انقلابات، سو دو زیاں اور دنیا خصوصاً اس ملک کے سیاسی اور جغرافیائی نقشہ کی تبدیلیوں کے نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو یہ ایک طویل وقفہ نظر آتا ہے۔

شاہ حسین کو اپنے جد امجد سے وراثت میں ایک ایسی مملکت ملی ہے جس کو بہت سے ایسے چیلنج، مسائل اور تضادات کا سامنا ہے جن سے اس دور میں شاہ کی حکومت اور مملکت کو واسطہ ہو، ان کے حصہ میں قیادت دوسرے برابری کے لئے بہت نازک اور پیچیدہ وقت آیا ہے، یہ بارگراں غیر معمولی سوچ بوجھ اور زبردست فہم و بصیرت رکھنے والے لیڈر ہی اٹھا سکتے ہیں، جب میں استقبال کے کمرہ سے انتظار کے کمرہ اور وہاں سے شاہ کے دفتر میں جا رہا تھا، تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں کوئی ڈراما یا خواب دیکھ رہا ہوں، انسان کی بے بسی، زندگی کی بے ثباتی اور زمانہ کی نیرنگیوں پر یقین بڑھتا جا رہا تھا، اس سے پہلے جب میں اردن آیا تھا، تو اپنے معزز میزبان شیخ قاسم امعری تاجر عمان کے گھر میں دسترخوان پر تھا کہ اچانک شاہ عبداللہ کا فوری پیغام پہنچا اور مجھ سے کہا گیا: "سیدنا آپ کو بلا رہے ہیں" میں نے فوراً شاہ کی دعوت پر لبیک کہا، پھر دوسری بار جامع مسجد میں میں شاہ نے نماز ادا کی تھی اچانک شاہ کا پیغام پہنچا اور کہا گیا: "سیدنا آپ کو بلا رہے ہیں" اور آج ان کے نامور پوتے کا اچانک پیغام پہنچا اور ہم سے کہا گیا: "سیدنا آپ کا انتظار کر رہے ہیں" آج اور کل میں کتنی مشابہت ہے، اگر ماضی اور حال میں کتنا زبردست اور نمایاں فرق ہو چکا ہے۔ ہم شاہ کے دفتر میں داخل ہوئے تو وہ چند قدم ہمارے استقبال کے لئے بڑھے، دروازہ کھولا، بہت تواضع اور انکساری سے پیش آئے اور مخدرت کی کردہ ہم سے اسی پوشاک میں مل رہے ہیں، جس میں وہ تھے، پھر بالکل بے تکلفی سے ہم ٹیچے اور پوری لازاد کا اور صفائی کے ساتھ گفتگو کی، شاہی رسوم و آداب کا دور دورہ تک پتہ نہ تھا، گفتگو ملک کی شاہ اردن کے وگ اپنے شاہ کو اسی لفظ سے مخاطب کرتے ہیں جس کو انھوں نے حجان سے اخذ کیا ہے اور یہی لفظ رائج ہو گیا ہے۔

اس نازک سچپیرہ اور پریشان کن صورت حال تک پہنچی جس میں ذہانت دوراندیشی، پختہ ایمان اور سچے اور آہنی عزم کا امتحان ہے، اور جس کی بہترین تصویر یہ آیت کریمہ پیش کرتی ہے

حَتَّىٰ إِذَا مَضَىٰ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَنَّ لَا مَلْجَأَ مِنْ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ

یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی، اور ان کی جانیں بھی ان کو دو بھر ہو گئیں، اور انھوں نے یہ جان لیا کہ خدا کے ہاتھ سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں۔ (التوبہ - ۱۱۸)

ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عملی طور پر تجربہ بھی کیا کہ مسلمانوں اور عربوں خصوصاً اس ملک کے لئے جو بشر کے جبروں یا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان واقع ہے، اور نوک شمشیر و سان پر زندگی گزار رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی لمبا و مادی ادا کوئی ناصرد مددگار نہیں ہے، اگر اس کے لئے کوئی راہ نجات ہو سکتی ہے، تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ دلوں میں ایمان بآلہ ہو، اسلام کے لئے اخلاص ہو، اس حقیقت پر جو غیر متزلزل یقین و اعتماد ہو کہ اسلام ہی زندہ رہنے اور انسانیت کی رہنمائی کرنے کا اہل ہے، زندگی ان تمام آلائشوں اور خرابیوں سے پاک ہو جو اسلام کی سرزندگی اور سرخروئی کی راہ میں رکاوٹ اور اس کے زوال و انحطاط کا باعث ہوں، اسلام کو غیر مشروط طور پر زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں میں اسی طرح نافذ اور جاری و ساری کیا جائے جیسا کہ قرآن حکم دیتا ہے، خدا اور اس کے رسول کو دعوت مبارزت نہ دی جائے، اور اس آیت کریمہ پر ایمان لایا جائے:

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی

(البقرہ - ۱۲۰) اختیار کرو۔

میں نے شاہ حسین کو وہ عظیم ذمہ داری یاد دلائی جو فلسطینی سپاہ گزنیوں، ان کے اور ان کی آئندہ نسلوں کے عقائد کے بارے میں شاہ پر عائد ہوتی ہے، کیسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ فلسطینیوں کو عیسائی مبلغین اور فوجی ریلیف کمیٹیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے جو ان کی زبوں حالی اور بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہیں، میں نے کہا:۔

”یہ عظیم ترین ذمہ داری ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، ہم سب ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے کئے جائیں گے، اور ان مصیبت زدہ اور قابل رحم لوگوں کے بارے میں ہم سے باز پرس ہوگی جو اپنے وطن سے صرف اس بنا پر نکالے گئے کہ انھوں نے کہا: ہمارا پروردگار تو بس اللہ ہے۔“ اسی کے ساتھ میں نے شاہ کے بعض جرأت مند انداز اور دانشمندانہ اقدامات کا اعتراف کیا، اور بعض مواقع پر ان کی بے نظیر شجاعت و جرأت کو سراہا۔

میں نے شاہ سے کہا: ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس صرف ایک ہی دعا ہوتی جسے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازتا تو وہ دعا میں حاکم شہر کے لئے کرتا، اس لئے کہ اگر وہ صالح ہے تو سارا شہر صالح ہوگا، لیکن اگر اس میں خرابی ہے تو سارا شہر خراب ہو جائے گا میں اگرچہ اس مرتبہ پر نہیں ہوں، لیکن میں بھی بات شاہ سے کہنے کی جسارت کرتا ہوں۔“

شاہ خاموشی اور انکساری سے باتیں سنتے رہے۔ گفتگو میں رفیق محترم استاذ احمد محمد جمال اور سید کامل الشریف بھی شریک تھے، اسٹاذ احمد محمد جمال نے کہا: میں نے بہت سے موقعوں پر کہا ہے کہ ہماری تمام ترامیدیں شاہ فیصل اور شاہ حسین سے وابستہ ہیں۔“

جلسہ درخواست ہوئی تو شاہ ہم کو رخصت کرنے کے لئے کچھ دور آئے پھر ہم نے سلام کیا اور ہٹول میں اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

شہر کے اسلامی اداروں کا دورہ

۱۵ اگست ۲۰۰۳ء کو چہار شنبہ کے روز صبح ۹ بجے نکلے اور اس عظیم فلاحی اسلامی اسپتال کی عمارت دیکھنے گئے جو عمان میں فلاحی اسلامی مرکز کی انجن کی جانب سے قائم ہو رہا ہے۔ یہ ایک زبردست منصوبہ ہے، اگر مکمل ہو گیا تو یہ اسپتال اس عرب اسلامی علاقہ کا عظیم ترین اسپتال ہو گا، اور اس شہر کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کرے گا، جہاں ہر طرف عیسائی مشنریاں اور مغربی عیسائی ادارے اسپتال قائم کرنے اور طبی امداد فراہم کرنے میں سرگرم عمل ہیں، اور جو عیسائی تبلیغ کا اہم مرکز رہا ہے، جہاں ایک نازک اور حساس گوشہ سے دلوں میں گھر کرنے اور ذہنوں کو مائل کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، یعنی مریض پرفقت اس کی دبوٹی، اس کی تکلیفوں کا زائل یا کم سے کم ان میں تخفیف اور لطیف و شیریں انداز گفتگو جو دلوں کو چھو تا ہوا اور مسخو کر لیتا ہوا، بلاشبہ یہ انسان کی زندگی کا کمزور ترین اور نازک ترین گوشہ ہے۔

یہ اسپتال تعمیر و تزئین کے اکثر مراحل سے گزر چکا ہے، اسٹاذ محمد عبدالرحمن خلیفہ اور ان کے معاون اسٹاذ مشہور جن محمود، جو اسپتال کے پلان اور انجن کے جنرل ڈائریکٹر ہیں، اسپتال کے مختلف حصوں میں ہم کو لے گئے، اور تمام تفصیلات سے آگاہ کیا کہ کس طرح یہ منصوبہ کامیاب ہوا، اور کس طرح ماہر فن محاروں اور عالمی شہرت کے مالک اطباء کی خدمات حاصل کی گئیں، اسپتال جدید ترین طرز پر تعمیر کیا جا رہا ہے، ترقی یافتہ ترین ساز و سامان فراہم کئے جا رہے ہیں، اسی سے ملحق ایک بڑی مسجد، کلچرل سنٹر، لکچر پوٹ کے لئے ہال، اسلامی لائبریری، نرسوں کے لئے کوارٹرز اور نرسوں اور قابات کی تربیت کا سینٹر بھی ہو گا

اس سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے اردن یونیورسٹی کی مسجد دیکھی جو اگرچہ ابھی تعمیر تکمیل کے مرحلہ میں ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد شاندار اور اس اہم مرکز کے نمایاں ہوگی جس میں اتر قبول کرنے کی بہت صلاحیت ہے، عمان کے ادارہ اوقاف بھی گئے اور اہم ذمہ داروں کے ساتھ کچھ وقت گزارا، مکتبۃ المسجد الاقصیٰ دیکھا، اس دورہ میں جن بڑے مکتبوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ان میں سے ایک یہ بھی ہے، اسلامی کتابوں سے بھرا ہوا ہے ہمارے اکثر تصنیفات جو بیروت و قاہرہ میں شائع ہوئی ہیں، اس لکتخانہ میں موجود تھیں۔ اسی طرح مسجد احمد قاہرہ کی زیارت کی جو دارالحکومت کی مرکزی مسجدوں میں شمار ہوتی ہے، نماز کے پانچوں اوقات میں اس ایک مسجد سے اذان نشر کی جاتی ہے، یہ نیا خیال ہے، جو کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا، یہ اقدام بحث و تنقید کی بڑی گنجائش رکھتا ہے، کیونکہ اگر اتفاق سے کسی وقت اس مسجد کا مانگ بیکار ہو جائے، یا مؤذن سو جائے تو سارے شہر کے لوگ اذان سے محروم رہ جائیں گے، مزید برآں اذان کی جو فضیلت ہے، اور اذان دینے پر عند الشرح ثواب ہے اس سے شہر کی باقی مسجدیں محروم ہو جاتی ہیں، اس مسجد کے مخالف حصول کو دیکھا، اس کی لائبریری بھی دیکھی، جو جدید طرز پر مرتب کی گئی ہے، عمارت کی دلکشی اور نظم و نسق کی خوش سلیقگی سے مسرت ہوئی۔

یتیم خانہ کے منصوبہ کے لئے جو زمین تجویز کی گئی ہے، وہ بھی دیکھی اسی کے پاس قصبات اور دیہاتوں سے آنے والے حاجیوں کے استقبال اور ٹھہرنے کا مرکز بھی ہے۔

فلسطینی پناہ گزنیوں پر ایک نظر

راستہ میں ایک فلسطینی کیمپ سے گزر ہوا، ہم نے دیکھا کہ فلسطینی بچے جن کے آبا و اجداد

کا اسلامی فتوحات اور دعوت اسلامی کی تاریخ میں نمایاں کردار رہا ہے، افلاس اور بد حالی کا شکار ہیں، ان کی حالت کو دیکھ کر کلیچہ منہ کو آنا ہے، اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، بزرگ شری، شلٹر، کامرکز دیکھا جو دفاتر، فرسٹ ایڈ غذا کی سپلائی اور تعلیم و تربیت کے مختلف شعبوں پر مشتمل ہے، ہم نے کہا: اب بھیڑیوں اور بھڑیوں کے درمیان کوئی دیوار نہیں ہے، دونوں کو قسمت کے حوالہ کر دیا گیا ہے، بھلا بھوک، لاغر اور مسکین بھیڑیوں، اس طاقتور، فرب اور خون آشام بھیڑیے کے سامنے کیسے زندہ رہ سکتی ہیں، جبکہ دونوں اپنی اپنی فطرت پر ہیں۔

مرکز اسلامی کے استقبالیہ جلسہ میں

شام کو مرکز اسلامی کی فلاحی انجمن دیکھنے گئے، جو درحقیقت انخوان المسلمین اور ان کے بچے کچھ داعیوں کی سرگرمیوں کا مرکز ہے، اس کے نگران ہمارے دیرینہ دوست اردن کے مجاہد لیڈر استاد محمد عبدالرحمن خلیفہ ہیں، اس صدی کی پانچویں دہائی میں دعوت اسلامی کے جن اہم کارکنوں سے ہمارا تعارف ہوا، ان میں ایک استاد خلیفہ بھی ہیں، ہماری ان سے پہلی ملاقات دمشق میں ۱۹۵۶ء میں ہوئی تھی، وہ موثر اسلامی میں شرکت کے لئے دمشق آئے تھے، جس کی دعوت ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر سعید رمضان نے دی تھی، وہ ہماؤں کو نماز کی بسنیوں اور اردن میں فلسطین سپاہ گزنیوں کے کمیوں میں لے جاتے تھے، پھر وہ ہندوستان بھی ہمارے پاس آئے تھے، ہمارا چھوٹا سا گاؤں جو دائرہ شاہ علم اللہ لائبریری کے نام سے معروف ہے، ان کے قدم سے مشرف ہوا، وہ مجھے موثر اسلامی کی شرکت کی دعوت دینے آئے تھے، جو چند ہی دنوں بعد عمان میں منعقد ہونے والی تھی، اس مرتبہ انھوں نے ہمارے اعزاز میں پہلی کی اور انجمن کے مرکز میں ایک اعزازی اور تعارفی جلسہ

منعقد کیا جس میں وزیر اوقاف ڈاکٹر اسحاق فرحان، سید کامل الشریف، علماء، علماء دینی، تعلیم یافتہ طبقہ اور دعوت اسلامی کے میدان میں کام کرنے والوں کی ایک معتدبہ تعداد نے شرکت کی، سب سے پہلے اتاذ محمد عبدالرحمن خلیفہ نے ایک پر جوش تقریر کی جس میں وفد کو خوش آمدید کہا، اور حاضرین سے وفد کے ارکان کا تعارف کرایا، وفد کے بعض ارکان سے اپنے دیرینہ روابط کا ذکر کیا، اور اس شہر کا جو مقام اور عالم اسلامی اور عالم عربی میں اسکی جو نازک حیثیت ہے اس کی وضاحت کی۔

ایک سہ صدی اور برس بیکار اسلامی ملک کی ذمہ داری

اتاذ خلیفہ کے بعد میں کھڑا ہوا اور میں نے ایک تقریر کی جس کی روح اور

خلاصہ حسب ذیل ہے۔

”الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد!

میں اتاذ محمد عبدالرحمن خلیفہ کی عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور یہ میرے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایک بھائی کے دوسرے

بھائی، اور ایک دوست کے دوسرے دوست کے.....

بارے ہیں، اظہار خیال سے جن میں جذبات و احساسات کی ہم آہنگی ہے،

جو ہم عقیدہ اور ہم خیال ہیں، جو ہم نوا اور ہم آواز ہیں، خاص طور پر میں اس لئے

اپنے فاضل دوست کا نہایت ممنون ہوں کہ انھوں نے اہل فکر و اہل دعوت

کی اس منتخب اور نائنندہ جماعت سے تعارف، اور تبادلہ خیال کا موقعہ

فراہم کیا، یہی اس طویل سفر کا حاصل، اور اس کی حقیقی قدر و قیمت ہے،

ہم نے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی سیر کے لئے یہ سفر نہیں کیا ہے، بلکہ ہمارے
سفر کا مقصد یہ ہے کہ اپنے بھائیوں سے ملاقات کریں، ان سے گفتگو اور
تبادلہ خیال کریں۔

دوستو! اپنے عرب بھائیوں سے جو اس ملک میں رہتے ہیں، توقع تو یہ تھی کہ
وہ اسلام کی روشنی کو دور دراز ملکوں تک پہنچائیں گے، اور بلاشبہ انھوں نے
عہد اول میں اپنا فرض ادا کیا، اور ہم برصغیر کے باشندے ان کے مرہون منت
ہیں، کیونکہ انھیں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام کی نعمت سے بہرہ مند
فرمایا، آپ کا ملک ہمیشہ دعوت اسلام کا مرکز اور سرچشمہ رہا ہے، اور اس ملک
کی تاریخ نے، جو فتوحات کی تاریخ ہے، جہد و جہاد کی تاریخ ہے، اسلامی
شجاعت و بہادری کی تاریخ ہے، ہم کو ہمیشہ ایمان و یقین، اسلام پر فخر و اعتنا
اسلام پر وقتاً فوقتاً ہونے والے علموں، اور اسلام دشمن تحریکیوں کا مقابلہ کرنے
کی طاقت، اور اس راہ میں ثابت قدمی، بلکہ مصائب و حوادث پر صبر کرنے کا
حوصلہ بخشتا ہے، ہماری مصیبتوں میں اس تاریخ نے ہمارے لئے سامان تسلی فراہم
کیا ہے، چنانچہ فتوح الشام "وہ تہما تاریخ ہے، جس میں مسلمان نازک گھڑیوں
میں پناہ لیتے تھے، اور اس سے ایمان، حوصلہ، اور مصائب و حوادث کے لئے
مقاومت کی طاقت حاصل کرتے تھے، مجھے اپنے بچپن کا زمانہ اب تک
یاد ہے، جب ہمارے خاندان کی خواتین اکٹھا ہوتی تھیں، اور ان میں سے
ایک اردو میں "فتوح الشام" کا منظوم ترجمہ سنائیں، یہ عظیم اسلامی رزمیہ
جس کو فتوح الشام سے نقل کر کے ہمارے خاندان کے ایک بزرگ

(سید عبدالرزاق کلامی) نے اردو نظم کا جامہ پہنایا تھا، ۲۵ ہزار اشعار پر مشتمل تھا ہم ان مجلسوں میں کسی ضرورت سے داخل ہوتے، اور آپ کو معلوم ہے، بچوں کی ضرورتیں کتنی اور کیسی کیسی ہوتی ہیں۔ اور اپنی ماؤں اور بہنوں کے پاس جاتے تو دیکھتے کہ آنکھیں اٹکبار، اور آنسو رواں ہیں، اور ان صاحب، پاک نفس و پاکباز خواتین کے سروں پر ایمان و سکینت کا بادل منڈلا رہا ہے وہ ان جگہوں کے واقعات و حالات سنتی ہیں، جن میں صحابہ اور تابعین شریک ہوتے تھے، کثرت سے شہید اور زخمی ہوتے تھے، سرکٹ کٹ کر گرتے اور خون کی ندی بہہ جاتی تھی، اور مسلمانوں کے قریب ترین و محبوب ترین ائمہ و اقارب ان سے جدا ہو جاتے تھے، تو وہ ان عام اسلامی واقعات کے سامنے اپنی مصیبتیں بھول جاتی تھیں، اور ان کے دلوں میں مذہبی جوش، دیدار الہی کا شوق، اور مصائب کو پھیلنے کے جذبات موجزن ہو جاتے تھے اسی طرح مرویہ لذمیہ پڑھتے اور بہت ذوق و شوق سے سنتے تھے، اور ان کی رگوں میں شجاعت، ایمان، اور شوق شہادت کی بجلی دوڑ جاتی تھی، اس وقت کے اکثر مشرین مسلم گھرانوں اور خاندانوں میں اس کا رواج تھا۔ میں کہہ رہا تھا کہ ان تجربوں کی روشنی میں، اور اس قابل فخر، اور روشن و تابناک تاریخ میں توقع اور امید تو یہ تھی کہ اس ملک میں — جہاں سے محمد مصطفیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے مبلغین کا رواں درکارواں نکلتے تھے — یہاں سے

۱۔ اس منظوم ترجمہ کا نام "مصمام الاسلام" ہے، اور وہ انھیں کی زندگی میں مطبعہ لاکشور لکھنؤ سے چھپ کر مقبول ہو چکی تھی۔

عرب بھائی اٹھ کھڑے ہوتے اور اس عالمگیر پیغام کو ان گوشوں تک پہنچاتے جو اسلام سے بے بہرہ ہیں، اور اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے، لیکن رنج و افسوس کا مقام ہے، اور زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ آج آپ سے یہ درخواست کی جا رہی ہے کہ آپ اس سرزمین کا تحفظ کریں گے، جو اسلام کی پونجی اور راس المال ہے، سارا عالم اسلامی اسی اسلامی مرکز کی توسیع اور اس اصل کا سایہ ہے، آپ تین ہیں، ہم اور سارے مسلمان اس کا حاشیہ ہیں، ہم آپ سے طاقت، اعتماد، فخر اور عزت حاصل کرتے ہیں، ہر وہ کمزوری جو یہاں ہوتی ہے، عالم اسلامی کے شہروں اور دارالامکومتوں میں، محکم اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، اگر آپ کسی ذلت و رسوائی سے دوچار ہوتے ہیں تو دہلی کراچی جا کر آنا اور دوسرے شہروں میں مسلمانوں کے سر جھک جاتے ہیں۔

حضرات! آپ سب کو معلوم ہے کہ اسلامی فتوحات سے پہلے یہ علاقہ بازنطینی سلطنت کی قلمرو میں تھا، عیسائیت اس علاقہ کا سرکاری اور عام مذہب تھی، یہ بازنطینی سلطنت کا محبوب ترین اور زرخیز ترین علاقہ تھا، اس میں ان کے مقدس مقامات، حضرت مسیح کی جائے پیدائش اور یروشلیم تھا، بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کا اقتضا ہوا کہ یہاں اسلام کا بول بالا ہو، اور یہ علاقہ مسلمانوں کی سرپرستی اور نگرانی میں داخل ہو، چنانچہ عربوں نے اس کو فتح کیا اور اس میں اسلام کو پھیلایا، اور ان کی زبان و تہذیب کو فروغ ملا، اور وہ ایک اسلامی اور عربی ملک ہو گیا، قدرتی بات تھی کہ عیسائی یورپ اس سے دل چسپی لے، چنانچہ میرا خیال ہے کہ یورپ کی بڑی طاقتوں کا اس علاقہ سے دلچسپی لینا کوئی عارضی چیز

اور ان کی تاریخ اور ذہن کی کوئی نئی تبدیلی نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ ہمیشہ اس علاقہ کی جانب لپچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی ہیں، کسی لمحہ بھی ان کا ذہن اس سے خالی نہیں رہا ہے، متعدد بار اس علاقہ کی بازیابی اور اس پر تسلط حاصل کرنے کی کوششیں بھی ہوتی رہی ہیں، صلیبی جنگیں جن سے آپ سب لوگ واقف ہیں، اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی، اس مقصد کے حصول کے لئے یورپ اپنے تمام وسائل و ذرائع استعمال کرتا رہا ہے، لیکن اس کی تمام کوششیں رائیگاں اور بے سود ثابت ہوئیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندگان کو اس ملک پر حکمرانی کرنے اور اس کا تحفظ کرنے کے لئے منتخب فرمایا تھا، وہ طاقتور و امانت دار اور وفادار تھے، اور ہر سوسے بازی، دست برداری، سپراندازی، اور قہر کمپے وفائی اور غداری سے دور اور بالاتر تھے، مثال کے طور پر میں صلاح الدین ایوبی کا ذکر کرتا ہوں جس نے صلیبیوں کو شکست فاش دی، اور مسلمانوں کو ان کا گھویا ہوا مقام عطا کیا، اس ملک کے مسلمان حکمران اور لیڈر۔۔۔ اپنی کمزوریوں اور رجحانات کے اختلاف کے باوجود۔۔۔ اس ملک کے تقدس اور وقار کے باب میں وفادار اور امین تھے، اور میں تو کہتا ہوں کہ عثمانی ترک حکمران بھی ان اسلامی مقدس مقامات کے سلسلے میں بہت غیور تھے، چنانچہ پوری پانچ صدیوں تک انھوں نے اس ملک کی حفاظت کی، میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں ہے، نہ نسب کا، نہ قومیت و طہنیت کا، اور نہ زبان و تہذیب کا، لیکن حق کی شہادت، تاریخ کے ساتھ انصاف، اور اعتراف حقیقت کا جذبہ یہ کہنے پر مجھے مجبور کرتا ہے، چنانچہ دشمنوں کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں، اس پر تاریخی شواہد موجود ہیں کہ یہودی کانفرنس کا صدر ڈاکٹر ہرٹزل نے

جسے بہت سے لوگ صیہونیت کا پیغمبر کہتے ہیں، سلطان عبد الحمید خاں سے ملاقات کی، اور درخواست کی کہ وہ عثمانی سلطنت کے زیر سایہ یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن قائم کرنے کی اجازت دے دیں، اس کے عوض اس نے عثمانی حکومت کے قرضوں کا ادائیگی (یہ قرضے بہت تھے) اور حکومت کے لئے ایک بحری بیڑہ — جس کے اخراجات یہود برداشت کریں گے — تیار کرنے کا وعدہ کیا، اسی کے ساتھ ساتھ عثمانی حکومت کے استحکام اور ترقی کے لئے مالی تعاون کی پیشکش کی، اس کے علاوہ وہ ذات بہالیونی یعنی سلطان عبد الحمید خاں کی خدمت میں جو قیمتی تحائف پیش کریں گے وہ مزید برآں، سلطان عبد الحمید خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب باتوں کے جواب میں کہا: یہ دولت اپنے ہی پاس رکھو تمہارے کام آئے گی، میرے نزدیک تو دنیا کے سارے یہودیوں کی دولت بیت المقدس کی ٹھی بھر مٹی کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ یہودیوں نے سلطان عبد الحمید خاں کا تحفہ الٹ دیا، اور ان پرجل میں طرح طرح کے مظالم دھائے، عثمانی سلطنت اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود اسلامی طاقت کا عظیم اور حکم قلعہ تھی جس سے اختیار خوف کھاتے تھے، وہ اس لکڑی کی مانند تھی جسے کسان اپنے کھیت میں کھرا کر تلے، اور اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا ہے، تو پڑ یا سمجھتی ہے کہ کوئی آدمی کھرا ہے، یا کوئی ڈراونی شکل موجود ہے، اور کھیت سے قریب نہیں ہوتی، مگر جب یہ لکڑی گر جاتی ہے، یا کوئی سانا کو ا سمجھ جاتا ہے کہ یہ لکڑی ہے

لہٰذا یہ بات پابین ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سلطان عبد الحمید خاں کی معزولی یہودیوں کے اشارے اور سازش سے عمل میں آئی، ان کے پاس معزولی کا فرمان لے کر جو گیا وہ بھی ایک یہودی تھا۔

یا سے زمین پر پڑی ہوئی دیکھتا ہے، تو چڑیاں اس کھیت پر پل پڑتی ہیں اور فصل کو تباہ کر دیتی ہیں، یہی اس ملک کا قصہ ہے جس پر عثمانی سلطنت حکومت کرتی تھی، دشمن اس سے ڈرتے تھے، اور قریب آنے کی جرأت نہیں کرتے تھے، لیکن جب یہ قلعہ مسامر ہو گیا، اور یہ ڈراؤنی لکڑی لگ گئی، تو اس پر پل پڑے اور اس کی تکا بونی ٹکردی۔

عثمانی سلطنت کے زوال اور پہلی جنگ عظیم کے بعد اس ملک میں جن لیڈروں سے یورپ کو سابقہ پیش آیا، وہ مادہ پرستی اور مغربی تہذیب سے غیر معمولی حد تک متاثر تھے، جدید مغربی نظام تعلیم کے مسلک ثورات نے ان کو اس طرح کھوکھلا کر دیا تھا، جس طرح دیک لکڑی کو کھوکھلا کر دیتی ہے، یہ لیڈر بے ضمیر، وعدہ شکن، غیرت دینی سے محروم، اور سچی وطن دوستی، اور وفاداری سے عاری تھے، یورپ نے یہ دیکھا تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا، اور اسے یقین ہو گیا کہ ضمیر کی سودے بازی، اور اس علاقہ پر تسلط حاصل کرنے کا وقت آ گیا ہے، وہ علاقہ جو اسے ہر دور میں محبوب رہا ہے، چنانچہ ہمارے لیڈروں نے ایسی مادہ پرستی اور ضمیر فروشی کا ثبوت دیا جس کی نظیر منی شکل ہے، دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی ناپائیداری کے باب میں ان کا زاوینہ نگاہ یکسر بدل چکا تھا، ارشاد الہی:-

وَمَا هُنَّ إِلَّا نَفْسٌ وَكَلْبٌ وَاللَّيْلِ الدَّارُ
اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل
کامقام) تو آخرت کا گھر ہے،

كُوكُلُوا يَعْلَمُونَ ۝ (النکوت ۶۴) کاش یہ (لوگ) سمجھنے۔
 عَلِمُوا أَنَّمَا أُخْبِرُوا بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (النکوت ۶۴) جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل
 لَعِبٌ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَازِلُ مُتَجَدِّدِينَ فِيهَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (النکوت ۶۴) اور تماشا، اور زمینت و آرائش اور
 مَبْنِيَّةٌ وَمِنْهَا مَنَازِلُ مُتَجَدِّدِينَ فِيهَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (النکوت ۶۴) تمہارے آپس میں فخر و تائش اور
 وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أُنْحَبَتْ (النکوت ۶۴) مال و اولاد کی ایک دوسرے سے
 الْكُفَّارِ نِبَاتُهُ ثُمَّ يَهْبِجُ فَتَرَاهُ (النکوت ۶۴) زیادہ طلب و خواہش ہے، اس کی
 مُصَنَّفًا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا (النکوت ۶۴) مثال ایسی ہے، جیسے بارش کہ اس سے
 وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ (النکوت ۶۴) کھیتی آتی، اور کافروں کو کھیتی بھلا لگتی
 (احمد - ۲۰) ہے، اور پھر وہ خوب زور پراتی ہے
 پھر اسے دیکھنے والے تو اس کو دیکھتا
 ہے کہ پک کر زرد پڑ جاتی ہے، پھر
 چورا چورا ہو جاتی ہے، اور آخرت میں
 کافروں کے لئے عذاب شدید ہے۔

اور ارشاد نبوی :-

اللهم لا عيش ولا عيش الاخرة
 لے آخرت کی زندگی کے سوا
 کوئی زندگی نہیں۔

خدا پر سے لوگوں کا یقین اٹھ گیا، اور دنیاوی عزت، اور جاہ و منصب کے
 حصول کے لئے اس طرح تگ و دو کرنے لگے، جیسے یہی چیزیں زندگی کا حقیقی
 نصب العین ہوں، اقتدار کی راہ میں اصول و اقتدار، عزت و ناموس،

اخلاق و روایات ہر چیز کو بھینٹ چڑھانے کے لئے تیار ہو گئے۔

دوستو! اولین معرکہ میدان جنگ سے پہلے انسان کے دل و ضمیر میں برپا ہوتا ہے، اور جب انسان دل و ضمیر کے داخلی معرکہ میں فتح یاب ہو جاتا ہے، تو خارجی معرکوں میں اس کی کامیابی اور فتح یقینی اور لازمی بن جاتی ہے، ضمیر کا معرکہ جنگی معرکوں سے پیشتر اور بیشتر دوسرے لفظوں میں مقدم اور زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ہم ضمیر کے معرکہ میں شکست کھا چکے ہیں، ہمارے دل و ضمیر بکاؤ والی سامان خرید و فروخت بن چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دشمن کے ناپاک اور تو سلیح پسندانہ عزائم کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی، اور ہر اجنبی کے لئے راہ ہموار ہو گئی، جب دشمن کا تسلط ان ملکوں پر ہو جاتا ہے تو جس طرح چاہتا ہے خود برو کرتا ہے، اپنے تمام عزائم اور منصوبوں کو تکمیل کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے، اور ملک اس کے سامنے لے بس اور مجبور ہوتا ہے، وہ توڑ پٹتا ہے، مگر دشمن کا ہاتھ بکڑ نہیں سکتا، اس کا سبب یہ ہے کہ قوم کے ساتھ بے وفائی، اور وطن کے ساتھ خداری سے روکنے والی چیزیں دوہی ہو سکتی ہیں، پہلی چیز طاقتور عقیدہ ہے، اور یقیناً عقیدہ ہی سب سے قابل اعتماد اور مضبوط ترین شے ہے، دوسری چیز سچی حب الوطنی ہے، جس نے مغربی، اور بعض مشرقی قوموں کے لیڈروں کو اس شرم ناک جرم کے ارتکاب سے محفوظ رکھا، لیکن ہمارے سربراہوں اور لیڈروں کے لئے کون سا جذبہ مانع ہو سکتا ہے جن کے پاس نہ عقیدہ ہے، اور نہ سچی حب الوطنی، یہی وجہ ہے کہ اکثر ہم سنتے ہیں کہ نکلنا رہنا اور پارٹی لیڈر نے عرب اسلامی وطن کے بعض اہم اور جنگی علاقے دشمن کو

فروخت کر دیئے، یا فلاں لیڈر دشمن کا آلہ کار اور ایجنٹ ہے، اور با وقتاً
ایسا نظر آتا ہے کہ اسکو خود دشمن سے زیادہ اس کے مفادات سے دل چسپی ہے
گویا محکمہ حسرت گواہ چیت کا معاملہ ہے۔

حضرات! آپ اسلام کے نازک ترین محاذ، اور مسلمانوں کے آخری قلعہ
میں رہتے ہیں، سیلاب شہر کی فصیلوں تک پہنچ چکا ہے، اگر سیلاب فصیلوں کو
پار کر گیا، تو کوئی بند اس کو روک نہیں سکے گا، آپ آخری دفاعی لائن پر تعینات
ہیں، اگر یہ لائن دشمن نے پار کرنی تو سارا عالم اسلامی اس کے پیروں تلے ہوگا،
سارے مسلمانوں کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی ہیں آپ ہی ان کی سر بلندی و سرخروئی کا حشر ہیں
اور ان کی طاقت و عزت کا ہیرو ٹیڑھیں ہیں نہیں کہتا کہ آپ اپنے اور اپنے ملک کی عزت و سر بلندی کے
بائے میں خدا سے بیچتے ہیں تو آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ خدا سے ڈریئے مسلمانوں کی عزت و
ناموس اور اسلام کی سر بلندی و سرخروئی کے بائے میں خدا سے ڈریئے ان مسلم قوموں کے
بائے میں جو آپ کو اولین مسلمانوں اور اسلام کے اولین علمبرداروں کا نمونہ سمجھتے ہیں خدا سے ڈریئے
ان جھموم روحوں کے بائے میں جنھوں نے ابھی عالم اجسام میں تقہم نہیں رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کا شکر
ادا کریں گی، اور آپ کی منمن ہوں گی، اگر آپ نے ان کی مقدس اور قابل احترام
چیزوں کی حفاظت کی، اور انھیں ایک تابناک ماضی عطا کیا جو ان کے لئے
باعث افتخار ہو، جس پر وہ ناز کر سکیں، ورنہ بارگاہ خداوندی میں فریاد
کریں گی، اگر آپ نے ان کے مقامات مقدسہ کو کھود دیا، ان کے ماضی کو داغدار
کر دیا، اور ان کے لئے ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔

اس اجتماع اور اس مبارک موقع پر نے میرے دل میں عنموں کا ایک طے نان

برپا کر دیا ہے، میرے زخموں کو تازہ کر دیا ہے، کیونکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مسئلہ کو ایک مسئلہ سمجھتا ہوں، میں پورے عالم اسلام کو ایک ملک سمجھتا ہوں میرے نزدیک مسلمانوں کو پیش آنے والا ہر حادثہ، اور عالم اسلامی کی ایک لچ زمین پر بھی دشمن کا قبضہ درو ناکالمیرہ ہے، مجھے ہر جگہ مسئلہ فلسطین نظر آتا ہے، اور جہاں بھی جاتا ہوں، باچشم نم کھڑا عربی شاعر متم بن نویرہ کے اشعار پڑھنے لگتا ہوں۔

لقد لا منى عند القصور على البكا
رفيقي لتذراف الدموع السوا فله
وقال ابكي كل قبوراء بينه
لقبر ثوى بين اللوى والدكادك
فقلت له ان الشجا يبعث الشجا
فدعنى فخذ اكله قبر مالك

ترجمہ:- قبروں کے پاس یل اٹک بہانے پر میرے رفیق سفر نے مجھے ملامت کی۔
اور اس نے کہا، کیا تم صرف اس قبر کی وجہ سے جو لوی اور دکادک کے درمیان واقع ہے، جس قبر کو بھی دیکھتے ہو انسو بہانے لگتے ہو۔
تو میں نے کہا ایک غم دوسرے غم کو تازہ کر دیتا ہے، میرے لئے یہ تمام قبریں مالک ہی کی ہیں؟

میری تقریر کے بعد استاد یوسف العظم کھڑے ہوئے، اور وفد کا استقبال کرتے ہوئے ایک موثر تقریر کی، اور مسلمانوں کو خصوصاً اس ملک کے مسلمانوں کو جس کڑی آزمائش صبر آزما اور بہت شکنجہ حالات کا سامنا ہے، اور جس ذہنی و نفسیاتی کشمکش سے وہ دوچار ہیں، اس پر بڑی خوبصورتی سے روشنی ڈالی۔

لے مالک شاعر کا بھائی تھا، جو جنگ ارتداد میں مقتول ہوا تھا، متم ساری عمر اس کو روتا رہا۔

مؤتمر اسلامی کے مرکز میں

شام کو بے مجہدوں کے دفتر گئے جس کے صدر استاذ کمال الشریف ہیں، وہاں مؤتمر کے ممبران اور متعلقین سے تعارف ہوا۔

وزیر اوقاف کی جانب سے عشائیہ

وزیر اوقاف نے مہمان وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا، جس میں شہر کے سربراہ اور وہ حضرات اور فضلاء بڑی تعداد میں شریک تھے، انھیں میں ہمارے پرانے دوست بزرگ برگزیدہ عالم شیخ مصطفیٰ احمد زرقا بھی تھے، جو آج کل عمان میں کلیۃ الشریعہ میں استاذ ہیں اور اسلامی شہری قانون ترتیب دے رہے ہیں، امید ہے کہ یہ قانون ملک میں نافذ کیا جائے گا۔

ملاقاتیں

جمعرات کے روز ۱۶ اگست ۱۹۷۳ء کو متعدد علماء اور تعلیم یافتہ حضرات نے اپنی ملاقات سے نوازا مثلاً رابطة العلوم الاسلامیہ کے صدر استاذ تیسرے نعلیان، سعودیہ میں اردن کے سفیر شیخ محمد امین الشنقیطی اور کردی مجاہد شیخ امین بروسک، شیخ امین بروسک سے ہماری پہلی ملاقات ۱۹۵۱ء میں ہوئی تھی، ہم کو ان کا ایک شعر بھی یاد تھا، جو انھوں نے اس وقت کے ایرانی وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق کے پاس تار میں لکھا تھا، جنھوں نے ایران میں اپنے جرات مندانہ اقدامات کے ذریعہ خصوصاً پٹرول کو قومیا کر ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

۲۲۰

لَقِفْتِ عَصَاكَ عَصِيْبَهُمْ فَصَايَحُوا

لَا تَحْمِي بَعْدَ الْيَوْمِ أَنْتَ مُصَدِّقٌ

ترجمہ :- تمہاری لاشمی ان کی لاشمیوں کو نکل گئی، اور وہ چیخ پڑے، اب کوئی

جادو چل نہیں سکتا، بلاشبہ تم اسم بامسمیٰ مصدق ہو۔

وہ جب تک عمان میں مقیم رہا شیخ امین بروسک برابر ملاقات کے لئے آتے رہتے

اور ان کے اشعار، جہاد کے واقعات اور ان کی دلچسپ گفتگو سے لطف اندوز ہونے کا

موقع ملتا رہتا۔

سلط میں تقریر

آج سلط میں راقم سطور کی تقریر کا پروگرام تھا، چنانچہ عصر کے وقت ۴ بجے ہم سلط روانہ ہو گئے، پہاڑوں اور وادیوں کے مناظر بیچ و خم کھاتے ہوئے راستوں کو دیکھ کر ان عرب فاتحین کی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا اندازہ ہو رہا تھا، جنہوں نے ان تمام مشکلات کے باوجود اس ملک کو فتح کیا، اور اسلام سے روشناس کیا، مجھے خیال ہوا کہ آج کی گفتگو ان اولین عرب مسلمانوں پر ہونی چاہئے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت عطا کی جس نے ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی، ان کو ایک نئی زندگی سے ہم کنار کیا، اور ساری دنیا سے الگ تھلک جس محدود ماحول اور جس تنگ و ناریک قفس میں وہ زندگی گزار رہے تھے، اس سے نکال کر اسلام نے ان کو کھلی فضا اور وسیع تر زندگی سے آشنا کیا، میں نے جاہلیت اور اسلام کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے، عربوں اور سارے عالم کی نشاۃ ثانیہ

یعنی تم واجب التصدیق ہو۔

کے سلسلہ میں اسلام کے ناقابل فراموش احسانِ عظیم پر تفصیل سے روشنی ڈالی، تقریریں خاصا
مجمع تھا، جلسہ گاہ حاضرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، تقریر کو پسندیدگی کی نگاہ سے
دیکھا گیا۔

استاذِ کامل الشریعہ کے دولتِ کدہ پر

سیر محترم سید کامل الشریعہ نے وفد کے اعزاز میں اپنے دولت کدہ پر عشاءِ یاد

عمان سے اربد

۷ اگست ۱۹۳۷ء جمعہ کا روز اربد کے دورہ کے لئے مقرر تھا، اربد عمان کے بعد
اردن کا وہ مرکزی شہر سمجھا جاتا ہے جس پر اسلامی چھاپ ہے، اور اپنی دینی غیرت
اور اسلامی جذبات کے لئے مشہور ہے، یہ شہر اردن کی شمالی سرحدوں پر واقع ہے،
اربد کا سفر بہت تاریخی اور دلچسپ رہا، مختلف تاریخی آثار و مقامات اور یہاں کی
قدیم تہذیب کے نشانات دیکھنے کا موقع ملا، عمان سے چلے تو بقیعہ نامی ایک میدان سے
گزر ہوا، جہاں فلسطینی پناہ گزینوں کا ایک کیمپ نظر آیا، جو چند ٹوٹے پھوٹے گھروں پر مشتمل
تھا، کچھ گھرائینٹ کی پتلی دیواروں سے بنائے گئے تھے، اور کچھ سیمینٹ کی پلٹیوں سے بتی میں
بازار اور دوکانیں بھی تھیں، افلاس اور بد حالی کا تاریک سایہ ہر طرف اپنے پھیلانے
ہوئے تھا، بتی کے قریب بچوں کی تعلیم کے لئے ایک مشن اسکول تھا۔

بقیعہ کے بعد جرش میں ٹھہرے، جرش کا شمار قدیم رومی کھنڈرات میں ہوتا ہے،
جو زبان حال سے رومیوں کی ترقی یافتہ تہذیب اور تمدنی عروج و صناعت کی شہادت

۲۴۲

دے رہے ہیں، یہ باقی ماندہ آثار ان کے ورز نشی اور مردانہ کھیلوں سے غیر معمولی پکپی کا بھی پتہ دیتے ہیں، جو (یورپ کی تاریخ تہذیب و اخلاق کے بیان کے مطابق) سنگدلی، بربریت اور ایذا رسانی سے لطف اندوز ہونے کی حد تک پہنچ گئی تھی، اس وقت کے ایک اسٹیڈیم کے واضح نشانات بھی پختہ نشست گاہوں اور بلند ستونوں کی شکل میں موجود ہیں، شہر سے اسٹیڈیم تک پختہ سڑکیں ہیں، جو ڈسپلن اور فن تعمیر کے عمدہ ذوق کا پتہ دیتی ہیں۔

جرش کے بعد ایک دوسرا علاقہ آیا، اس میں "سوت" نامی فلسطینی پناہ گزینوں کا ایک کیمپ ہے، اردب پہنچنے سے پہلے ایک اور کیمپ سے بھی گزر رہا جو "مخیات الحسن" کے نام سے مشہور ہے۔

شمالی سرحدوں پر — تاثرات

اردب کو ایک طرف چھوڑ کر ہم نے شمالی سرحدوں کی سمت اپنا سفر جاری رکھا، آخر کار پہاڑی علاقہ میں پہنچے اور ام القیس نامی بستی میں ٹھہرے، گولان کی پہاڑیاں — جن کا نام محل وقوع کی جنگی اہمیت کی بنا پر جنگ کے دنوں میں ساری دنیا میں گونج رہا تھا — ہمارے سامنے کھڑی تھیں، ہمارے اور ان کے درمیان ایک گہری وادی تھی جس میں دریائے یرموک سانپ کی طرح مڑتا، پکلتا اور بل کھاتا ہوا، بہہ رہا تھا۔ حافظہ کے پرفے پر یرموک کا واقعہ ابھر آیا، اور پھر یادیں تازہ ہو گئیں، اور زخم ہرے ہو گئے اور اندلسی شاعر صالح بن شریف الرمدی کے یہ اشعار ہماری زبان پر تھے۔

حتی المحاریب تنکی وہی جامدة حتی المنا برتونی وہی عیدان

مخرا میں بھی آہ و بکا کر رہی ہیں، حالانکہ وہ جامد ہیں، منبر بھی مرثیہ خواں ہیں، حالانکہ وہ بے جان لکڑیوں کے سوا کچھ نہیں۔
اس طرح کا منظر دیکھ کر دل گھٹنے لگتا ہے، بشرطیکہ دل میں ایمان و یقین کی چمک رہی
موجود ہو۔

مثل هذا یذوب القلب من مکد

إن کان فی القلب اسلام و ایمان

اس وادی میں دو آباد بستیاں موجود ہیں، ایک دریا کے جنوب میں دوسری
شمال میں، دریا کے شمالی جانب اور گولان کی پہاڑیوں سے دوزخ کا علاقہ شام کے
قبضہ میں تھا، اور جنوبی حصہ پر اردن کی حکمرانی تھی، جو اب بھی باقی ہے، مگر ۱۹۶۷ء کی جنگ
میں شمالی علاقہ شام کے ہاتھ سے جاتا رہا، اور گولان پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔

گولان کی پہاڑیوں کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد حقیقت کا جتنا صحیح علم اور
صورت حال کا جتنا صحیح اندازہ ہو وہ پچاس کتابیں پڑھنے کے بعد بھی نہیں ہو سکتا تھا
ان قدرتی انتظامات و تحفظات کو دیکھ کر ہم حیران رہ گئے، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ
نے اس ملک کو دشمنوں سے بالکل محفوظ کر دیا ہے، یہ پہاڑیاں صرف پہاڑیاں نہیں ہیں
بلکہ نہایت مضبوط قلعے ہیں، جن کو فتح کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے، اس ملک کی جانب
جس پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں کوئی دشمن اسی وقت آنکھ اٹھانے کی جرأت
کر سکتا ہے، جب اس کے باشندے اس عظیم احسان کو فراموش کر جائیں، جو ان قدرتی
فصلیوں اور قلعوں کی شکل میں نظر آتا ہے، اس زرخیز سرزمین کی ناقدری کرنے لگیں
جو ان کے لئے دودھ اور شہد کی نہریں بہا رہی ہے اور جس نے اسلامی دعوت،

اسلامی فتوحات اور اسلامی تہذیب کے میدانوں میں نمایاں تعمیری کردار ادا کیا ہے، اور وہ اپنی عزت و ناموس کے تحفظ سے بالکل غافل اور بے پروا ہو جائیں، گولان کی پہاڑیاں ایسا قلعہ ہیں، جو دیا تو جاسکتا ہے، مگر یا نہیں جاسکتا، ملک کے ساتھ غداری کر کے کسی کے حوالہ... تو کیا جاسکتا ہے، مگر زبردستی اس کو چھینا نہیں جاسکتا، آج یہ قلعہ اسرائیل کے قبضہ میں ہے، اور اس کی توپیں کسی وقت بھی ایک طرف اربد پر اور دوسری طرف دمشق پر آسانی سے گولہ باری کر سکتی ہیں۔

گولان کے شمال میں بحیرہ طبریہ ہے جس کے ساحل پر طبریہ نامی اسرائیلی شہر آباد ہے، یہ شہرام اقیس کے ٹیلوں پر کھڑے ہونے سے صاف نظر آتا ہے، اور اردنی علاقہ میں واقع نہر یرموک کے ساحل سے وہ شامی علاقہ بھی دیکھا جاسکتا ہے جس پر اسرائیل کا قبضہ ہے، اور جوہاں سے چند کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، شام کی مشہورستی "حمۃ" اس علاقہ میں ہے، جس کے مکانات سنان اور سجدیں ویران ہو چکی ہیں، اسرائیلی حکومت نے اس علاقہ میں ضرورت کے مطابق کئی سڑکیں بنا دی ہیں۔

اس دورے سے ہم سب نہایت افسردہ، غمگین اور شکستہ خاطر واپس آئے شہر کی ایک مرکزی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی خطیب نے موثر اور فصیح و بلیغ خطبہ دیا، پھر شہر کے ایک سربرآوردہ شخص کے یہاں دوپہر کا کھانا کھایا، کچھ دیر آرام کیا اور نماز عصر ادا کرنے کے بعد لکچرس ہال کا رخ کیا، ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا، تعلیم یافتہ خواتین بھی خاصی تعداد میں موجود تھیں، حاضرین نے پر جوش اسلامی نعروں سے ہمارا استقبال کیا، جس سے شہر کے اسلامی مزاج کا پتہ چل رہا تھا۔

۱۰ یرشام کا مشہور شہر "حما" نہیں ہے جس کو عام طور پر "حما" بولا جاتا ہے،

اربد میں تقریر اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے نقطہ نظر

تقریر کا موضوع تھا، اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے نقطہ نظر“ تقریر میں اسلام کے مقام، کردار اور اس کے مستقبل کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف حلقوں میں جو مختلف زاویہ نظر پائے جاتے ہیں، ان کا جائزہ لیا گیا تھا، مثلاً بعض لوگوں کے نزدیک اس سائنٹفک اور ایٹمی دور میں اسلام اور اسلامی نظام کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، ان میں سب سے ممتاز اور اسلام پسند نقطہ نظر ان حضرات کا ہے، جن کا خیال ہے کہ اسلام ایک محدود دنیا اور پسماندہ دور میں آیا تھا، اور اپنا اصلاحی رول ادا کر چکا، اس لئے بہت سی اجتماعی خرابیوں کو دور کیا، خرافات و اوہام کو ختم کر کے بعض قابل قدر اصلاحات بھی کیں، اس دور میں اسلام یقیناً فائدہ سے خالی نہیں تھا، جب نہ سائنس کا وجود تھا نہ تہذیب و تمدن نے اتنی ترقی کی تھی، اور نہ جدید اختراعات سامنے آئی تھیں، ایک طبقہ اپنی رواداری اور اسلام دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یقیناً اسلام نے انسانیت کے ارتقار میں اہم رول ادا کیا ہے، انسانیت پر اسلام کا بہت احسان ہے، لیکن آج وہ اس خالی خوبی بندوبست کی طرح ہے، جو اپنا کام کر چکی ہو، اس ایٹمی دور میں جبکہ تمدن، ٹکنالوجی، سائنس، سیاست اور فلسفہ اپنے نقطہ عروج پر ہیں، اسلام کا تجربہ کرنا وقت اور طاقت کے صنایع کے مرادون ہوگا، میں نے اس زاویہ نگاہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: یہ زاویہ نگاہ بالکل غلط اور غیر منصفانہ ہے، جو اسلام کو سمجھتا ہے نہ اس زمانہ کے مزاج اور اس کے ان پچیدہ مسائل کا شعور رکھتا ہے، جن کا دور حاضر کے مفکرین اور لیڈروں کے پاس کوئی حل نہیں ہے، انسانیت کا بیڑا پار کرنے، اس دور کے مسائل کو حل کرنے اور حالات کو صحیح رخ دینے کے سلسلہ میں

اسلام کیا کردار اور کر سکتا ہے، اس سے یہ طبقہ بالکل نا آشنا ہے۔

میں نے کہا، یہ عجیب بات ہے کہ وہی غیر اسلامی فلسفے اور نظامہائے حیات جن پر موجودہ قوموں کو یقین ہے، اور انہوں نے ان کا تجربہ کیا اور کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی جب عربوں نے ان فلسفوں اور نظاموں کا تجربہ کیا تو تاریخ شاہد ہے کہ انہیں اس تجربہ میں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، جب انہوں نے قومیت، اشتراکیت یا کمیونزم کو اختیار کیا تو حالات سدھرنے کی بجائے اور خراب ہو گئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کا مستقبل اسلام کے مستقبل سے وابستہ کر دیا ہے، اور ان دونوں کے درمیان ایک لازوال اور ناقابل شکست رشتہ قائم کر رکھا ہے، گویا عرب ایک ایسی امت ہیں جس کے پاس ایک مخصوص پیغام اور متعین نصب العین ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی امت اور اس کے تحفظ کے لئے منتخب فرمایا ہے، ان کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے نظام زندگی کو اختیار کریں، ان کی مثال اس محبوب اور لاڈلے طالب علم کی ہے، جو اپنی غیر معمولی ذہانت اور خدا داد صلاحیتوں کی بنا پر اتاذ کامرکز توجہ بن گیا ہو، اور اسی وجہ سے اگر وہ اسکول سے غیر حاضری کرتا ہے تو اتاذ کسی قسم کی نرمی نہیں برتا، اس کو بے مہار اور آزاد نہیں چھوڑتا۔ غیبی کند ذہن اور آوارہ لڑکوں کی اتاذ کوئی پروا نہیں کرتا مگر یہ ذہین اور منظور نظر طالب علم اگر غلطی کرتا ہے تو اتاذ اس کو سزا دیتا ہے، یہ اگر غیر حاضر ہوتا ہے، تو باز پرس کرتا ہے، یہ اگر غفلت اور سہل انگاری کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کو تنبیہ بلکہ بعض اوقات زجر و توبیخ کرتا ہے۔

حالیہ واقعات نے اور اسلامی ممالک میں خوف و ہراس اور جس بے چینی اور بھران سے دوچار ہیں، اس نے ثابت کر دیا ہے کہ عربوں کو اسلام کے سایہ ہی میں پناہ

لا سکتی ہے، ان کی نجات اسی میں ہے کہ وہ خلوص دل سے اسلام کو اپنائیں، نفاق اور دوہنچہ کی راہ ترک کر دیں، راحت طلبی، تعیش پسندی، عیش کوشی اور بے حیائی سے بھرپور رنگین اور غیر سنجیدہ زندگی کو خیر باد کہہ دیں، لذتیت اور مفاد پرستی کے فلسفہ کو اپنی زندگی سے خارج کر دیں، اگر عرب شریفانہ اور باعزت زندگی گزارنا، اور نصرت الہی کے حقدار بننا چاہتے ہیں تو ان کو اس طرح رہنا چاہئے، جس طرح کوئی قوم ہنگامی حالات ایمر جنسی میں یا سرحدوں اور محاذوں پر زندگی گزارتی ہے، انھیں مختل، سادہ اور متفشانہ اور مجاہدانہ زندگی گزارنی چاہئے۔

تقریر نے حاضرین سے تائید و تحمیل حاصل کی اور ریکارڈ کی گئی، اور جب ہم اربد سے روانہ ہو رہے تھے، تو گھروں اور بازاروں سے ریکارڈ شدہ تقریر سنائی دے رہی تھی۔

مجاہد اسلامی عبداللہ التل کا انتقال اور ان کے کنبہ کی تعزیت

عمان میں داخل ہوئے تھے کہ اچانک مشہور اسلامی رہنما اور مجاہد جنرل عبداللہ التل کے انتقال کی افسوسناک خبر سنی، میری ان سے ملاقات ۱۹۵۱ء میں قاہرہ میں اساتذہ محمد علی الطاہر کی قیام گاہ پر ہوئی تھی، فلسطین کے محاذ پر ان کی سرفروشی اور جہاد کے کارنامے اور فلسطین کے سلسلہ میں ان کی استقامت اور ثابت قدمی کی خبریں سننے میں آتی تھیں، مجاہد اور قائد ہونے کے ساتھ ساتھ موصوف ایک اچھے مصنف بھی تھے، ان کی وفات کی خبر سے صدمہ ہوا لہ ان کا ایک ضخیم اور پراز معلومات کتاب خطرات اليهودیۃ العالمیۃ علی الاسلام والمسیحیۃ "دار الفکر کویت نے چند سال پہلے شائع کی، محرک فلسطین کے متعلق ان کی ڈائری بھی ۱۹۵۹ء میں چھپ چکی ہے۔

ہمارے نزدیک ہم پر اور ہر مسلمان پر جو مرحوم کے مجاہدانہ کارناموں اور اسلام اور ملک کے لئے ان کی قربانیوں کی قدر کرتا ہے، مرحوم کا یہ حق ہے کہ ہم ان کے خاندان کی تعزیت کریں اور ان کے دوستوں اور گھروالوں کے ساتھ کچھ وقت گزاریں چنانچہ ہم مرحوم کے گھر گئے ان کی تعزیت کی اور مرحوم کے کارناموں کا تذکرہ اور اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

لہو و لعب اور تفریحات کا مرکز

تعزیت کا فرض انجام دینے کے بعد عمان واپس آئے، ہر مرتبہ آمد و رفت میں مدینۃ الملاہی سے ہمارا گزر ہوتا تھا، جو دارالحکومت کے مصافحات میں واقع ہے، ایسے سنگین حالات میں جبکہ قوم موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہے، اور ہر وقت جنگ کا خطرہ درپیش ہے، مدینۃ الملاہی کے وجود پر ہم کو سخت تعجب ہوا، اور معلوم ہوا کہ اس شہر میں سات حوض (SWIMMING POOLS) ہیں، جن میں آزادانہ اختلاط کے مواقع ملتے ہیں، ان میں سے ایک حوض 'فندق عمان' جس میں ہمارا قیام تھا، کے پاس کا تھا، شہر میں سینا گھر، کلب اور آزادانہ تفریح کے مرکز بڑی تعداد میں موجود ہیں، دوسری طرف ملک آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے، جو نہیں معلوم کب پھٹ پڑے، اور اس ملک کو تباہی کے اندھے غار میں پہنچا دے، یہ نامناسب صورت حال ملک کے سیاسی جنگی اور مذہبی حالات سے کسی طرح بھی میل نہیں کھاتی۔

معلوم ہوا کہ اس شہر میں صورت حال کو جو اسلام کے سادہ، سنجیدہ اور پروقار مزاج کے قطعاً منافی ہے، غیر ملکی اور خارجی طاقتوں سے غذا ملتی ہے، یہ طاقتیں اس کے بقا اور فروغ کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں، اسلامی ملکوں کے حالات کا مطالعہ کرنے اور

اللہ کی اخلاقی اتار کی اور روحانی دیوالیہ پن کو دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اس صورت حال کا مزہ دار بڑی حد تک امریکہ ہے، امریکہ چاہتا ہے کہ یہ ممالک فکری اور اخلاقی انحراف کا شکار ہو کر اس کی پناہ لیٹنے اور اس کی زلہ ربانی کرنے پر مجبور ہوں، اور اپنے طاقتور جریف امریکہ کے مقابلہ میں نہایت کمزور اور اندرونی طور سے بالکل کھوکھلے ہو جائیں، ان حالات کے باقی رہنے اور بد سے بدتر ہونے میں امریکہ کے ساتھ ساتھ وٹیکنان (VATICAN) کے مفادات بھی پوشیدہ ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

اصحاب کہف کے غار میں

۱۸ اگست ۱۹۳۷ء کو سینچر کے روز اصحاب کہف کا غار دیکھنے گئے جو عمان کی ایک بستی میں واقع ہے، ہماری رہنمائی آثار قدیمہ کے مشہور ماہر اردن کے مدیر آثار عامہ کے فنی معاون استاذ رفیق وفاد جانی کر رہے تھے، انھیں پورا یقین تھا کہ اصحاب کہف نے جن کا قصہ سورہ کہف، عیسائی صحیفوں اور تاریخ ادب کی کتابوں میں مذکور ہے — جس غار میں بناہ لی تھی، وہ یہی غار ہے، میں اپنی کتاب ”معرکہ ایمان و مادیت — یا سورہ کہف کا مطالعہ“ میں اس موضوع پر بحث کر چکا ہوں اور میں نے اکثر مصنفین کے اس خیال کو راجح قرار دیا تھا، کہ یہ قصہ ”افسوس“ یا ”افیس“ نامی شہر میں وقوع پذیر ہوا تھا، شہر ایشیائے کوچک میں از میر سے ۶۰ کلومیٹر دور دریائے قسطنطنیہ کے جنوبی ساحل پر اناطولیہ کے ۱۲ یونی شہروں میں سے ایک تھا، یہ شہر اس وقت ترکی میں ہے، اور ”طرسوس“ کے نام سے مشہور ہے، اور جس غار میں اصحاب کہف نے پناہ لی تھی، وہ اسی شہر کے نواح میں ایک پہاڑ میں تھا، پہاڑ کا نام (ANCHILIS) تھا، لیکن استاذ رفیق اس پر مصرح تھا کہ

اصحاب کہف کا غاری ہی کہف الرجیب ہے جس کو دیکھنے... ہم لوگ گئے تھے، اس خیال کے حق میں ان کے پاس بہت سے دلائل اور شواہد ہیں، جن کی علمی اور تاریخی قدر و قیمت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ دلائل انھوں نے اپنی کتاب "اصحاب کہف کے غار کا کشاف" (الکشاف کہف اهل الکہف) میں تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور اس کا ایک نسخہ ہم کو ہدیہ بھی کیا، اتنا ذہم کو غار کے پاس لے گئے اور بہت سے ایسے آثار اور علامات کی نشاندہی کی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جس پر قرآن مجید کا بیان منطبق ہوتا ہے، میں نے وعدہ کیا کہ میں اپنی کتاب پر نظر ثانی کروں گا، اور اتنا ذکی وسیع معلومات اور علمی تحقیقات سے استفادہ کرنے کی کوشش کروں گا، حق پر کسی کی اجارہ داری نہیں، علم میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

"کہف الرجیب" عمان کے جنوب مشرق میں ۸ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، اتنا ذنی بتایا کہ یہی رائے مقدسی، یاقوت، ساح ہروی اور بیرونی وغیرہ کی بھی ہے، واللہ اعلم، بلاشبہ اتنا ذملک کی بیش بہا علمی سرمایہ ہیں جس کی قدر کرنی چاہئے اور اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

دوپہر کا کھانا زرقا میں شیخ عبدالباقی جمو کے دولت کہہ پکھایا گیا، موصوف زرقا کے حلقہ سے پارلیمنٹ کے ممبر ہیں، کھانے پر علماء، عمائدین شہر اور اساتذہ کی خاصی تعداد مدعو تھی۔

ایک اہم مجلس مذاکرہ میں شرکت

آج ایک مجلس مذاکرہ میں شرکت کرنی تھی، جس کا اس وفد کی آمد کی تقریب میں

خاص طور پر انتظام کیا گیا تھا، اور جو غالباً اس دورہ کا حاصل تھا، یہ مجلس ساڑھے پانچ بجے شام کو انکلیتہ العلیتہ الاسلامیتہ کے ہال میں منعقد کی گئی، مجلس میں پروفیسر تعلیم یافتہ طبقہ اور اسلامی ثقافت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات متعدد بہ تعداد میں موجود تھے، استاذ محمد براہیم شقرہ نے بڑی مہارت اور سلیقہ سے مجلس کی نظامت کے فرائض انجام دیئے، راقم سطور، استاذ احمد محمد جمال اور استاذ کامل الشریف خصوصی مہمان کی حیثیت سے مذاکرہ و مباحثہ میں حصہ لینے والے تھے، مجلس کا موضوع تھا "موجودہ معاشرہ میں مسلم نوجوانوں کا کردار" ذیل میں ناظم مجلس کے سوالات اور راقم سطور کے جوابات درج کئے جاتے ہیں۔

نوجوانوں کی بے چینی کے اسباب و اس کا علاج

سب سے پہلے استاذ محمد براہیم شقرہ نے افتتاحی تقریر کی، تقریر میں نوجوانوں کی موجودہ صورت حال اور ان کی بے چینی پر روشنی ڈالی گئی تھی، پورے عالم اسلام میں جو طاقتیں اور جو نظریات آج کام کر رہے ہیں ان کا بہت مکمل مفصل اور ہمہ گیر جائزہ لینے کے بعد استاذ نے پہلا سوال کرتے ہوئے کہا:

"استاذنا! آج پورا عالم اسلام عقیدہ، فکر اور عمل غرض ہر سطح پر ایک تباہ کن اضطراب الجھن اور بے چینی میں گرفتار ہے، یہ بے چینی ہمارے ملک کے مسلم نوجوانوں میں خصوصاً نمایاں طور پر پائی جاتی ہے، تو سب سے پہلے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ اسباب کیا ہیں جن سے یہ بے چینی پیدا ہوئی ہے یا جن کی وجہ سے یہ باقی ہے؟"

میرا یکاڑ شدہ جواب (قدرے ترمیم و اضافہ کے بعد) حسب ذیل تھا۔

”یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے اس علیٰ مذاکرہ میں مجھ پر اعتماد کیا اور مجھ سے اور میرے رفقاء سے اس سوال کا جواب طلب کیا ہے، جو حالات سے گہرا تعلق رکھتا ہے، اور جس صورت حال سے ہم گزر رہے ہیں، اس کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔“

حضرات! میں آپ سے بہت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ مجھے بہت تعجب ہوتا، اگر مسلم نوجوان اس بے چینی کا شکار اور اس اضطراب سے دوچار نہ ہوتے جیسا کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور محسوس کر رہے ہیں، درخت اگر اپنا پھل دیتا ہے تو وہ قابل ملامت نہیں ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ باغبان کوئی پودہ نہ لگائے، لیکن اگر وہ ایک پودہ لگاتا ہے، اس کی دیکھ بھال کرتا ہے، وقت پر اس کو پانی دیتا ہے، اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مسلسل رات رات بھر جاتا ہے، اور چھلپاتی دھوڑ اور کڑا کے کی سردی کسی چیز کی پروا نہیں کرتا، اس امید میں کہ یہ درخت پروان چڑھے گا، تو انا اور تنہا درہو کر پھل دے گا۔ تو یہ نہایت غیر معقول اور غیر فطری بات ہوگی کہ جب وہ درخت اپنا قدرتی پھل دینے لگے تو باغبان درخت کو ملامت کرے، خفا ہو، اور اس کے پھل کو ناپسند کرے اور اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھے، اس لئے کہ جب سے کائنات وجود میں آئی ہے، اور جب سے وہ درخت وجود میں آیا ہے، اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، زیتون کا درخت زیتون کا پھل اور انار کا درخت انار ہی کا پھل دے گا۔

اس الجھن کا جس سے دنیا کے نوجوان خصوصاً مسلم نوجوان دوچار ہیں، سب سے اہم سبب تعلیم، تربیت اور اطلاعات و نشریات کا تضاد ہے، ان کے موروثی خیالات کچھ ہیں، ماحول کے تقاضے کچھ ہیں، اور علماء دین کے مطالبے کچھ ہیں، اس الجھن اور تباہ کن الجھن کا بنیادی سبب یہی عجیب و غریب تضاد ہے، جو نوجوانوں پر مسلط کر دیا گیا ہے، اور اس نے ان کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بچہ ایک مسلمان خاندان اور مسلمان گھر میں پیدا ہوتا ہے جس کی بنا پر بہت سے اسلامی عقائد سے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہوتا ہے، پھر ایک مذہبی اور باشعور ماحول جو اسلام کے اصولوں پر یقین رکھتا ہے۔ میں پروان چڑھتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے اسلامی تاریخ پڑھنے کی توفیق دی تو اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے، اور پھر اس کو جدید تعلیم کا ہوں کی طرف ہانک دیا جاتا ہے (اس لفظ کے استعمال پر معذرت چاہوں گا، اس لئے کہ بچہ ابھی کمسن ہوتا ہے، اور اس کو کوئی اختیار نہیں ہوتا) جہاں وہ اپنے اساتذہ سے — جن کی وہ تعظیم اور احترام کرتا ہے اس لئے کہ وہ بہت سے فنون میں ماہر اور صاحب اختصاص ہوتے ہیں۔ ایسی باتیں سنتا ہے، جو ان افکار و خیالات کے بالکل خلاف ہوتی ہیں، جو گزشتہ اسلامی تربیت کی وجہ سے اس کے ذہن و دماغ میں بیٹھ گئے تھے، ہر طرف وہ ایسی چیزیں دیکھتا اور سنتا ہے، جو گزشتہ تمام چیزوں کی نفی کرتی یا کم سے کم ان کی تحقیر کرتی ہیں، اب وہ ایک عجیب تضاد اور شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور ذہنی کشمکش

سائے کی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی، یہاں تک کہ کوئی معجزہ رونما ہو جائے
 واقعہ یہ ہے کہ جس ماحول میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، اس ذہنی کشمکش سے
 نجات کسی معجزہ سے کم نہیں ہوگی، یہ نازک ترین اور مشکل ترین قسم کی کشمکش
 ہے، متضاد قوتوں کے درمیان کشمکش، میدان جنگ میں بھی کشمکش ہوتی ہے
 مگر جنگ کی مدت خواہ کتنی ہی طویل ہو مختصر ہوا کرتی ہے، لیکن اس کشمکش سے
 تو انسان ہر وقت دوچار رہتا ہے، خواہ مسجد ہو، خواہ مدرسہ، گھر ہو یا بازار
 یہاں تک کہ اپنے اور اپنے نفس کے درمیان بھی اس کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔
 اس تلخ، خوفناک، ہلاکت آفریں اور گہری کشمکش کا سرچشمہ اطلاعات و
 نشریات اور صحافت (وسیع مفہوم میں) کے ادارے اور ٹیلی ویژن ہوتے ہیں،
 ہمارے نوجوان ہر وقت ایسے پروگرام سنتے اور دیکھتے ہیں، جو ان کی قدیم
 تربیت کے باقی ماندہ اثرات کو بھی ختم کر دیتے ہیں، ان کے دماغوں میں
 ذہنی بغاوت اور نفسیاتی الجھنوں کو جنم دیتے ہیں، پریس یا جبریلزم جو بہت سے
 لوگوں کی نگاہ میں (HIS MAJESTY) سے کم نہیں ہے، ہمارے نوجوانوں
 کو صبح سویرے ہمارا منہ اور قبل اس کے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں،
 فاسد اور متعفن غذا دیتا ہے، اور ان کے سامنے جذبات کو برا بھلا سمجھنے کرنے والا
 مواد پیش کرتا ہے، سب سے پہلی چیز جس پر ان کی نگاہ پڑتی ہے، وہ کسی
 عورت کی برہنہ تصویر، فحش عنوانات یا ایسے مضامین اور تبصرے ہوتے ہیں،
 جو ذہنوں میں خلکوک و شہوات پیدا کرتے ہیں، اور ایمان و اعتماد کی بنیادوں
 کو متزلزل کرتے ہیں، ہمارے نوجوان ان چیزوں کو پورے ذوق و شوق اور

دکھتی و انہماک سے بڑھتے اور ان سے متاثر ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں ایسی علمی کتابیں آتی ہیں جو مرحوب کن عنوانوں کی حامل ہوتی ہیں، اور جو ایسے مصنفین کا نتیجہ فکر ہوتی ہیں، جن کی ذہانت، عبقریت اور کمال پر ہمارے نوجوانوں کا ایمان ہوتا ہے، یہ کتابیں مفسد اور شلک مواد سے پر ہوتی ہیں جو مذہب کے بارے میں شکوک پیدا کرتی ہیں، اسلامی تاریخ کے بارے میں شکوک پیدا کرتی ہیں، اسلامی شریعت کے ماخذ یہاں تک کہ زبان و ادب کے اولین سرچشموں کو مشکوک قرار دیتی ہیں، اس امت کی صلاحیتوں اور اس کے ابدی پیغام کے بارے میں شکوک پیدا کرتی ہیں، اور عربی زبان کی صلاحیت کو مشکوک قرار دیتی ہیں، علمی نظریات اور ذہن و دماغ کو ماؤف کرنے اور تہذیب و اخلاق کو بگاڑنے والے افکار و خیالات کا عجیبے عزیز معجون مرکب جب ہمارے نوجوانوں کے دماغوں میں اترتا ہے تو سخت بے چینی اور پریشان کن الجھن کو جنم دیتا ہے، یہ معجون مرکب تو ایسا ہے کہ بڑے سے بڑے پختہ ذہن، آزمودہ کار اور بالغ نظر شخص کو الجھن میں مبتلا کر دے تو ہمارے نرم و نازک نوجوان، یہ نرم و نازک ننگونے جو ابھی کھلے نہیں ہیں کس طرح اس کو مضمم کر جائیں گے، ان سے کیونکر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ان سخت پھیپڑوں کے سامنے ٹکے رہیں گے۔

حضرات! یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی گاڑی یا سواری ہو، اور اس کے آگے بھی ایک گھوڑا ہوا اور پیچھے بھی اور دونوں اپنی اپنی سمت گاڑی کو کھینچ رہے ہوں، تو جس طرح اس گاڑی کے سوار سخت کشمکش اور الجھن میں

مثلاً ہوں گے، اسی طرح ہمارے نوجوان ایک جھوٹے میں دائیں بائیں
بھول رہے ہیں۔

عرب دارالحکومتوں سے جن کو فکری اور مذہبی قیادت حاصل تھی کم سے کم
پچاس سال سے جو ادبی سرمایہ ہمارے سامنے آ رہا ہے، اس نے نوجوانوں،
نوجوانوں بلکہ بعض سن رسیدہ لوگوں کے دلوں میں بھی شک و اضطراب کے
بیج بوئے، ان کو بعض اوقات اپنے وجود پر بھی شک ہونے لگا، اور وہ
تمام چیزیں جو شہرت و تواتر سے آگے بڑھ کر بدہیات تک پہنچ گئی ہیں،
مشکوٰۃ نظر آنے لگیں، ان کتابوں نے جن کے پیچھے دولت، شہرت، فکری قیادت
یا نعروں اور تالیفوں کی گونج جیسے سستے مقاصد کار فرما تھے، ہمارے نوجوانوں
کے دلوں اور دماغوں میں شک وارتباب، الجھن، کشمکش اور تضاد کی تخم ریزی
کی، چنانچہ مجھے موجودہ صورت حال پر کوئی حیرت اور تعجب نہیں ہے، اور
یہی نوجوانوں کی الجھن اور بے چینی کا بنیادی سبب ہے۔

پھر اتاذ نے دوسرا سوال اٹھایا، نوجوانوں کی اس بے چینی کا علاج کیا

ہے؟ میرا جواب حسب ذیل تھا:

”میرے نزدیک نوجوانوں کو اس مہلک الجھن سے نجات دلانے کے لئے
پہلا قدم یہ اٹھانا چاہئے کہ نظام تعلیم کی دہائی ختم کر دی جائے، آپ کے سامنے
اس نکتہ کی وضاحت غیر ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت تعلیم دو بلاکوں
میں تقسیم ہے، مذہبی بلاک اور غیر مذہبی اور سیکولر بلاک یا قدیم بلاک اور جدید
بلاک، نظام تعلیم کی یہی شنوینیت یا دوئی نوجوانوں کی موجودہ الجھنوں کا

اہم ترین سبب ہے، اس لئے اگر ان اچھنوں کو دور کرنا ہے تو سب سے پہلے مقاصد تعلیم اور نصاب تعلیم کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جیسا کہ میں نے کہا خود تعلیمی مواد میں تضاد پایا جاتا ہے، ایک تعلیم جس چیز کو ثابت کرتی ہے، دوسری اس کی نفی کر دیتی ہے، اسی طرح ان علوم کا بھی جو بظاہر عقائد سے تعلق نہیں رکھتے۔ عقائد سے بہت گہرا تعلق ہے، تعلیم بجز داور عرضی نہیں رہی، تعلیم کے غیر جانبدار بے رنگ اور عقائد پر اثر انداز نہ ہونے کا نظریہ بہت پرانا اور کب کا مسترد اور (OUT OF DATE) ہو چکا، اب اس نظریہ میں ذرہ برابر بھی صحت اور واقعیت باقی نہیں رہی، پس پہلا انقلابی اور بنیادی قدم یہی ہے کہ نظام تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کی جاتی، نہ کوئی قدیم ہے نہ جدید نہ کوئی مذہبی ہے (لاہوتی اور یوہین عیسائی کہنوتی مفہوم میں صحیح اسلامی مفہوم میں) کوئی تعلیم نہ لاپوتی ہے نہ دنیوی نہ عصری نہ سیکولر تعلیم ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے، اگر کوئی تقسیم ہو سکتی ہے، تو مقاصد اور وسائل کی تقسیم ہوگی، اور ان وسائل کے اندر بھی ایک وحدت ضروری ہے، جو ان کو باہم متحد اور بنیادی نصب العین کا پابند بنا سکے۔

پھر اس تضاد کو دور کرنے کی کوشش کی جائے جس کو شریعت اور قرآن کی زبان میں نفاق کہتے ہیں، ہم آہنگی سے میسر آدیا نہیں ہے کہ ایک ملک اور دوسرے ملک کے نظام تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کی جائے، بلکہ ایک ہی ملک کے نظام تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کرنا ہے، بلاشبہ اس کے لئے

پورے نظام تعلیم کو از سر نو ترتیب دینا ہوگا، اور ایسا نظام تعلیم وضع کرنا ہوگا، جو ایک کمل، مرتب اور باہم پوری طرح سے ہم آہنگ اکائی ہوگا، اس کے لئے ایک زبردست انقلاب لانے کی ضرورت ہے، ایسا انقلاب جو جراثمدار نہ، وسیع و عمیق اور ہمہ گیر انقلاب ہو، اور پھر قدرتی طور پر ایسے پختہ فکر اور بان نظر افراد کی ضرورت ہوگی جو صورت پورے نوسٹریٹ میں نہ ہوں، نصاب تعلیم میں اجتہاد سے کام لینے کی ضرورت ہے اس کے لئے قدرتی طور پر زبردست منصوبے تیار کرنے ہوں گے، وسیع اور ہمہ گیر گسٹریٹ جبر و جہد کرنی ہوگی، اور اسلامی حکومتوں اور ہم اسلامی اکیڈمیوں کو ان منصوبوں کی سرپرستی کرنی ہوگی، اگر ہم نظام تعلیم کو بدلنے میں کامیاب ہو گئے اور اگر ہم نے اپنے معاشرہ سے یہ تضاد ختم کر دیا تو مجھے پوری امید ہے کہ ہمارے نوجوان اس ہلاکت آفریں کشمکش اور اکھن سے نجات پا جائیں گے؟

پھر اتاذ نے تیسرا سوال اٹھاتے ہوئے کہا:-

”اب اتاذنا ابواکھن اس کی وضاحت کریں گے کہ ان اداروں کے درمیان صحیح ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے حکومت کیا مثبت رول ہونا چاہئے؟“

میرا جواب یہ تھا:

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ہلاکت آفریں حوال کو دور کرنے اور معاشرہ کو پر امن اور پرسکون زندگی عطا کرنے کے سلسلہ میں حکومت کا کردار بہت اہم اور فیصلہ کن ہوتا ہے، مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب حکومت کے پاس کوئی واضح فکر ہو۔۔۔ میں یہاں کسی مخصوص حکومت کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں“

نہ کسی پر تعریفیں مقصود ہے، میں ایک علمی موضوع پر گفتگو کر رہا ہوں۔
 اس مذہب کے بارے میں واضح فکر جو جس پر اس کا ایمان ہے، ان مقاصد
 کے بارے میں واضح فکر جو جن کو حکومت نے اپنا نصب العین بنایا ہے،
 اور وہ چاہتی ہے کہ یہ مقاصد زندہ رہیں، نہ صرف زندہ رہیں بلکہ پھیلیں پھولیں
 اسی کو ہم اسلام کی دینی زبان میں ایمان اور عقیدہ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں حکومت
 کا غیر متزلزل ایمان اور نچنہ عقیدہ ہونا چاہئے، اسلام کی برتری پر ان
 اعلیٰ مقاصد کی برتری پر جن کی وہ دعوت دیتی ہے، اور جن کے لئے وہ زندہ
 ہے، اسے جہاد (تحصیل و صولی) کے بجائے ہدایت کے اصول پر کاہنہ
 ہونا چاہئے۔

پھر اخلاص، اولوالعزمی اور جاں نثاری کا جذبہ ہونا چاہئے، یہی تمام
 عوامل اسلامی شخصیت کی نشوونما، ارتقا، تکمیل اور منزل مقصود تک پہنچنے
 کے لئے مناسب فضا اور مناسب ماحول پیدا کرنے میں معاون ثابت
 ہوتے ہیں۔

آخری سوال پیش کرتے ہوئے استاذ محمد ابراہیم شقرہ نے کہا:
 ”آخر میں استاذ ابوالحسن سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے تجربوں کی روشنی
 میں۔ جن سے وہ اپنی جوانی اور کہولت کے دور میں گزرے ہیں، اور اس وقت بڑھاپے کے
 لئے اس اصول کی بہترین نمائندگی سیدنا عمر بن عبدالعزیز کا وہ تاریخی جملہ کرتا ہے، جو انھوں نے اپنے لیکر
 کی اس شکایت پر فرمایا تھا کہ اسلام پھیل جانے کا وجہ سے بزمیہ میں کی ہو گئی ہے، اپنے فرمایا: بڑھو تمہارا!
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، حاصل نہیں بنا کر بھیجے گئے تھے۔“

دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس آخری تجویز پر تبصرہ کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ آخر میں نوجوانوں کو اپنے قیمتی مشوروں اور نصیحتوں سے نوازیں گے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ استاذ کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے:

میں نے کہا:-

”میں نوجوانوں کی صلاحیت اور ان کے کردار سے مایوس نہیں ہوں، مجھے یقین ہے کہ ہمارے نوجوان اسلامی دعوت اور اسلامی فکر کے میدان میں کچھ کرنا چاہتے ہیں اور اس فکری رزمگاہ میں جس کی نظیر پیش کرنے سے انسانی تاریخ قاصر ہے، وہ بحیثیت مسلم نوجوان کے اپنا رول ادا کرنا چاہتے ہیں۔

حضرات! نوجوانوں میں مختلف طبقے اور ذبجے ہیں، ان کی کوئی ایک قسم نہیں ہے، ہم نے بہت سے ایسے نوجوان دیکھے ہیں، جو اپنا رول ادا کرنے کے لئے بے قرار ہیں، ان کے اندر اس کی مکمل صلاحیت بھی موجود ہے، موجودہ صورت حال سے ان کو سخت دکھ اور تکلیف ہے، یہی نوجوان حال کا سرمایہ اور مستقبل کی امید ہیں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی نوجوان موجودہ فکری دھاکے کا رخ موڑ سکتے ہیں، میں اپنی حکومت کی بنیاد پر پورے یقین کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ نوجوانوں میں اسلامی دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے ویسے سیدنا موجود ہے، ان کے اندر بے چینی پائی جاتی ہے، یہی بے چینی ترقی اور بہتری کی طرف پہلا قدم ہے، نوجوان آج پریشان ہیں، بے چین ہیں، مخری تہذیب ان کو مطمئن کرنے میں ناکام ہو گئی، نوجوانوں کی زندگی میں ایک ضلایا یا جاتا ہے، جو نہ پڑ ہوا ہے نہ پڑ ہو سکتا ہے، جیسا کہ استاذ کامل الشریف نے فرمایا“

صرف ایک ہی مذہب اس ہولناک خلا کو پر کر سکتا ہے، جو یورپ نے قلب و روح اور جسم و مادہ کے درمیان پیدا کر دیا ہے، یہ مغربی تہذیب کی مخصوص چیز تھی جو اپنے طویل سفر میں مخصوص مراحل اور مخصوص تجربوں سے گزری، لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے، اور اسے انسانیت کی ہمتی کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ جب یورپ کو فکری قیادت حاصل ہوئی تو اس کے تجربوں نے ان قوموں کے ذہن پر بھی اثر ڈالا جن کا ان تجربوں سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا، یہ ایک مخصوص معاشرہ کے تجربے تھے، جس کے مذہب کا ایک خاص مزاج تھا، اس معاشرہ میں کلیسا اور حکومت کے درمیان کشمکش ہوئی، مذہب اور تعلیم کے درمیان کشمکش ہوئی، کمنوت، عقل سلیم اور موجودہ سائنس کے درمیان کشمکش ہوئی، یہ تمام تجربے یورپ کے اپنے مخصوص تجربے تھے، مشرق ان سے بالکل بے نیاز اور نا آشنا تھا، لیکن یورپ نے اور مغربی تہذیب نے یہ تجربے، ان تجربوں کے اثرات، ان تجربوں کے نتائج اور ان تجربوں کی قدر و قیمت ہر چیز کو مشرقی قوموں پر مسلط کر دیا، مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے، "مذہب و سیاست دو علیحدہ چیزیں ہیں" اور اس طرح کے دوسرے نظریات مغربی قوموں کے تجربات تھے، جو مخصوص حالات، مخصوص ماحول اور مغرب کے مذہب یعنی عیسائیت کے مخصوص مزاج کی پیداوار تھے، لیکن مشرقی قوموں نے بغیر کسی سبب اور وجہ جو ان کے ان تجربات کو قبول کر لیا، چنانچہ یہ خلا جو انوں میں پایا جاتا ہے، اور ان کو اس خلا کا احساس بھی ہو چلا ہے، آج ہم کو جو انوں کی زندگی میں جو بے راہ رویا ہے اور

اور انتہا پسندی نظر آ رہی ہے، وہ اسی احساس کا نتیجہ ہے، میں ایشیا اور مشرق میں اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ نوجوانوں کے اندر اس نئی تحریک کی قیادت اور اس فکری سرگرمی میں کودنے کی پوری صلاحیت اور قابلیت موجود ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے اور نوجوانوں کے درمیان ایک طلیح حائل ہے ہم ان سے بے تعلق رہتے ہیں، ہمارے اندر ان کی طرف سے بہت غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پائی جاتی ہیں، ہم اس صورتحال سے بالکل ناواقف ہیں جس سے آج کا نوجوان گزر رہا ہے، اگر بڑھوں اور نوجوانوں، مبلغین اور مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان جو طلیح حائل ہے ختم ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے نوجوان اس دعوت سے متاثر اس کے مقاصد سے مطمئن اور اس کو فروغ دینے کے لئے سرگرم عمل نہ ہوں، لیکن اس کے لئے بہت نازک، گہری اور باریک علمی منصوبہ بندیوں کی ضرورت ہے، ایک نئے لٹریچر کی ضرورت ہے، نوجوانوں سے گفتگو کرنے کے لئے ایک نئے اسلوب اور طرز بیان کی ضرورت ہے، اس حکمت کی ضرورت ہے جس کی جانب قرآن نے اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے

أَنْذِرْ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۗ

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں
اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے، لوگو!
(اگر بحث آن پڑے تو ان کے ساتھ
اچھے طریقے سے بحث کیجئے) (کہ اس میں

(سورۃ النحل - ۱۲۵)

شجاعت و شجوریت نہ ہو)

اس کے لئے طاقتور، فکر انگیز و گوہر بارز قلم کی ضرورت ہے، مافی الضمیر کی ادائیگی پر غیر معمولی قدرت، ادبی چاشنی، شیرینی گنظار، اور اس کپشش سحر انگیز اور دلاویز انداز بیان کی ضرورت ہے، جس کے بغیر کوئی دعوت نوجوانوں کے دلوں میں گھر نہیں کر سکتی اور ان کے ذہن و دماغ کو متاثر نہیں کر سکتی۔

ہمیں سخت افسوس ہوتا ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے بعض محترم اور فاضل علماء زبان و ادب پر عبور حاصل کرنے اور زور بیان اور ملیخ اور دل نشین اسلوب پیدا کرنے کو فضول، غیر ضروری اور بالکل ضمنی چیز سمجھتے ہیں، ان چیزوں کو ہمارے علماء اپنے فرائض سے علیحدہ اور اپنے راستہ سے انحراف سمجھتے ہیں، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے خود اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے اور ہم سب کا اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بے نیاز ہے، لیکن اس کے باوجود اس نے اپنی کتاب کو ایک معجز اسلوب اور عربی مبین میں نازل فرمایا، اور یہی نہیں بلکہ اس پہلو کو ایک سے زیادہ جگہوں پر اجاگر بھی کیا، ارشاد ہے:

فَنَزَّلْنَا بِهِ الْوَحْيَ الْإِيمَانَ ۝ عَلٰی
 قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝
 بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝

(الشعراء - ۱۹۳-۱۹۵) کے ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ
 تَعْقِلُونَ ۝ (یوسف - ۲)

ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم (جو جاہل زبان ہوئے کے اولاد) سمجھو

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زبان، اسلوب اور بلاغت کا پہلو بہت اہمیت رکھتا ہے، اور جب ہم دعوت و عزیمت اور تجدید و احیائے دین کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ بزرگ و برگزیدہ شخصیات جو احوال و انقطاع الی اللہ اور ربانیت صادقہ کے نقطہ شروع پر تھیں انہوں نے کبھی اس پہلو کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ اس کی طرف پوری توجہ کی اور اس پر پورا زور دیا، ہم اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو نہیں پیش کرنا چاہتے کیونکہ آپ بالاتفاق اور بغیر کسی شک و شبہ کے فصیح ترین اور بلین ترین انسان تھے، البتہ ہم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مثال پیش کرنے ہیں جو بلاغت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اور اسی طرح تاریخ اسلام کی آخری صدیوں تک نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جن شخصیات کو کبھی اسلامی دعوت و تحریک میں قیادت کا منصب حاصل رہا ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے زور بیان، مخاطب کی نفسیات کی فہم اور فصاحت و بلاغت کا بہرہ وافر عطا کیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ جب میں سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات پڑھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں، وہ شخص جو ساری دنیا میں اور ہر دور میں اپنے زہد، قناعت، ربانیت اور تقویٰ کے لئے مشہور رہا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسلام کے دارالحکومت اور عباسی خلافت کے مرکز بغداد میں جہاں حریری، ابن ابی جوزی اور صابی پیدا ہوئے، جہاں بختی، شریف رضی، متنبی، ابوتام اور حرکی نے نغمہ بیان کیں، وہی شخص اپنے اس معاشرہ کو ایک سحرانگیز انداز بیان میں مخاطب کرتا ہے، ایسے انداز بیان میں جو دلوں کی گہرائیوں میں اتارتا ہے اور جس کی تاثیر اور طاقت

آج بھی موجود ہے، اسی تاثیر کے پیش نظر حضرت جیلانی کے خطبات کو جمع کرنے والوں نے کوشش کی ہے کہ بعینہ ان کے الفاظ بھی ہوں، ورنہ اگر معنوی روایت ہوتی تو یہ خطبے اپنی تاثیر بڑی حد تک کھو دیتے۔

ان سب باتوں سے ادب اور اسلوب کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اگر ہم نوجوانوں کی صحیح اور گہری اسلامی تربیت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ہم کو نئے علمی و ادبی اسلحہ سے مسلح ہونا پڑے گا، تیاری کرنی ہوگی، ان تمام شرطوں کو پورا کرنا ہوگا، جو ہر زمان و مکان کے لئے ہیں، اور جو آج بھی اپنی قیمت اہمیت اور اثر رکھتی ہیں، یعنی لیک ایسا علمی اور اسلامی لٹریچر تیار کرنا ہوگا، جو نوجوانوں کے ذہن سے قریب ہو، ایمان کو اپیل کرے، جسے نوجوانوں میں مقبولیت حاصل ہو بلکہ وہ اس کو پڑھنے کے لئے بیتاب اور بے قرار ہوں، اگر ہم نے یہ شرطیں پوری کر لیں تو مجھے یقین ہے کہ نوجوان صرف یہی نہیں کہ اس نظر پر ایمان لائیں گے بلکہ اس کو عام کرنے کی ہر ممکن جدوجہد کریں گے اور اس کے لئے جان کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔“

شام کو وفد نے ایک عشائیہ میں شرکت کی جو عمان میں سعودی قائم مقام سفیر (چارچ ڈی افسر) استاذ محمد میسر نے وفد کے اعزاز میں دیا تھا، اس عشائیہ میں علماء عمائدین شہر اور سیاسی حلقہ کے لوگ بڑی تعداد میں شریک تھے۔

عمان سے کرک

اتوار ۱۹ اگست ۲۰۰۳ء کا دن، دوروں، ملاقاتوں اور تاریخی مشاہدات کے

اعتبار سے اردن کے سفر کا مشغول ترین دن تھا۔

صبح ساڑھے ۶ بجے ہم کرک کے لئے روانہ ہوئے وزارت اوقاف کے سکرٹری
استاذ عبدخلف ہمارے ساتھ تھے، وہ تاریخی آثار مقامات کے سلسلہ میں بہت معلومات
رکھتے ہیں، سیرت و تاریخ کا وسیع مطالعہ ہے، ان مقامات پر اکثر جاتے رہتے ہیں اسلئے
ان کی بستی ان مقامات کے قریب ہی میں ہے، آثار قدیمہ کے مشہور ماہر استاذ رفیق وفاد جانی
جن کا نام ’کھت‘ کے دورہ میں گزر چکا ہے۔ کی رفاقت سے اس دورہ کی علمی اور تاریخی
قدر و قیمت میں اضافہ ہو گیا، تفریح کے ساتھ ساتھ تحقیق اور عبرت پذیری کے مواقع بھی
ملے، اور ان بہت سی چیزوں کی وضاحت ہوئی، جو ہم نے سیرت و تاریخ اور جغرافیہ کی
کتابوں میں پڑھی تھیں، اور جن کی حقیقت تک پہنچنا، صاحب اختصاص حضرات کی رہنمائی
میں ان مقامات کو آنکھوں سے دیکھے بغیر ممکن نہیں تھا، پچاس کتابیں پڑھنے سے بھی اتنی
معلومات حاصل نہیں ہو سکتی تھیں، جو اس مختصر دورہ میں حاصل ہو گئیں، مزید برآں ان
مقامات کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد دل میں جو اثر ہوتا ہے، اور جو احساسات ابھرتے
ہیں، وہ ان کے بارے میں کسی کتاب کے مطالعہ سے نہیں ابھر سکتے، پرانی مثل ہے،
’شہیدہ کے بودمانند دیدہ‘

فوج کے سامنے تقریر

سب سے پہلے ہم ایک اسلامی حکومت کی مسلح فوجوں کے ایک مرکز کو دیکھنے گئے
عمان میں جب ہم تھے، اسی وقت ہم سے اس چھاؤنی کو دیکھنے اور ایک ہم افز نازک برہنہ
تعبیئات فوجیوں سے خطاب کرنے کی فرمائش کی گئی تھی، اور ہم نے اس علاقہ کے رہنماؤں کے

اعتماد اور عزت افزائی کا شکر یہ ادا کیا تھا، یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ میں ایک عظیم اسلامی سلطنت کی مسلح فوجوں سے ملاقات اور ان سرفروش مجاہدین سے خطاب کر رہا تھا، جنہوں نے اپنی زندگی، اسلام اور اسلامی مملکت کے دفاع، اسلامی مقدرات کے تحفظ اور اپنی جانب سے ہر آنے والے خطرہ کے مقابلہ کے لئے وقف کر دی ہے۔

جب مسلح نوجوان صف بستہ کھڑے ہوئے اور اسلامی طریقہ کے مطابق ہم کو سلامی دی۔ اور یہ منظر میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ تو میرے جسم میں عزم و ایمان اور سرفروشی و سرشاری کی ایک لہر دوڑ گئی، اور طرب و ہواہ ازکی ایسی کیفیت طاری ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہیں محسوس ہوئی تھی، اس کیفیت سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میری طبیعت رواں ہو گئی، اور زبان دہن سے پہلے زبانِ دل سے گفتگو شروع کرتے ہوئے میں نے کہا:-

”میرا نشوونما ایک علمی اور دینی ماحول میں ہوا ہے، مجھے صاحبِ فکر، صاحبِ علم اور اہل قلم حضرات کی صحبت سے فیضیاب ہونے اور بے شمار ایسے اجتماعات اور مجالس میں شرکت کرنے کا موقع ملا ہے، جن میں علماء اور مقررین کی کثرت ہوتی تھی، اور جن میں بہت سی کیتائے روزگار شخصیات جلوہ افروز ہوتی تھیں، لیکن آج جو سرشاری، جو ترقی، جو نشوونما اور جو سعادت و لذت محسوس کر رہا ہوں وہ زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔ اگر میرے بس میں ہوتا۔ اور اس کی اجازت ہوتی۔ تو میں آپ سے ہر فوجی کی دست بوسی کی کوشش کرتا، کیونکہ آپ کا ہاتھ اسلام کے لئے برسرِ پیکار ہے، آپ کا ہاتھ اس لئے ہتھیار پکڑنا ہے کہ اسلام او“

مسلمانوں کی مدافعت کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَبِ
وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ
اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ
ذَرِيَّةً (النساء - ۹۵)

برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عہد
کے گھر میں بیٹھے رہیں، اور وہ لوگ جو
اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں
سے جہاد کریں اللہ تعالیٰ نے ان
لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے
جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد
کرتے ہیں، بہ نسبت گھر میں بیٹھے والوں

آپ اسلامی ممالک کے پاسان ہیں، مسلمان عورتوں اور بچوں کی عزت و آبرو
کے نگہبان ہیں، ان مسجدوں کے تقدس اور ان دینی اداروں اور تعلیم گاہوں
کے سکون کے محافظ ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ
کا ذکر ہوتا ہے، اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے، علم کی اشاعت ہوتی ہے، فرائض و
سنن کی تعلیم ہوتی ہے، تزکیہ نفس اور اصلاح احوال ہوتی ہے۔ اسلامی
سرحدوں کے پاسانوں اور نگہبانوں! اگر آپ نہ ہوتے، آپ کی جانبازی اور
سرفروشی نہ ہوتی، اور آپ کی شجاعت و جوانمردی نہ ہوتی، تو مؤذنون کے
لئے اذان کی آواز بلند کرنا ناممکن ہو جاتا، نمازیوں کے لئے خدا کے گھر میں
فرض کی ادائیگی مشکل ہو جاتی، علم کی اشاعت اور اس امانت کو ایک نسل
سے دوسری نسل تک منتقل کرنے کا کوئی مرکز نہ ہوتا، بوڑھوں، عورتوں اور
مکڑوں پر سکون کی نیند حرام ہو جاتی، تاجروں کو اپنی تجارت اور

پیشہ و روں کو اپنے پیشوں سے اشتغال دشوار ہو جاتا، ہر مذہبی شعار،
ہر علمی مصروفیت اور زندگی کے ہر عمل پر آپ کا احسان ہے، خواہ کوئی اعتراض
کرے یا نہ کرے، اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے:-

عینان لا تمسهما النار عین
دو آنکھوں تک جہنم کی لپٹ نہیں
بکت من خشية الله عین
پہنچ سکے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے
باتت تمحرس فی سبیل اللہ
خوف سے روئی، اور ایک وہ آنکھ
جورات بھرا اللہ کی راہ میں پہرہ دیتی رہے

دوسری حدیث میں ہے:-

ما غبرت قدام عبد فی سبیل
جو قدم بھی اللہ کی راہ میں گد آلود
الله فتمسه النار
ہوئے ان کے لئے آگ حرام ہو گئی۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:-

رباط یوم فی سبیل اللہ خیر
اللہ کے راستہ میں ایک دن کا پہرہ اور
من الدنیا وما علیہا
سرحد کی حفاظت دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے

ایک روایت میں ہے:-

غدا و آج فی سبیل اللہ اور حجة
اللہ کے راستہ میں ایک صبح کا نکلنا یا
خیر من الدنیا وما علیہا
ایک شام کا نکلنا دنیا و ما فیہا سے
اعلیٰ و افضل ہے۔

۱۰ ترمذی عن ابن عباس مرفوعاً۔ ۱۱ بخاری، ترمذی، نسائی عن ابی عبس مرفوعاً۔

۱۲ متفق علیہ ۱۳ ایضاً

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو اسلام کے کوہان کا بالائی حصہ (سب سے بلند مرتبہ) قرار دیا ہے، چنانچہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:-

ألا أدراك برأس الأمر وعموده
بھلا میں تم کو اصل الاصول دین کا
وذروة سنامه، قلت: بلی
ستون اور اس کی چوٹی کی چیز تھانوں
یا رسول اللہ اقل: رأس
میں نے کہا: ضرور ضرور، ارشاد ہو
الأمر الاسلام، وعموده الصلوة
آپ نے فرمایا، اصل الاصول تہ
وذروة سنامه الجهاد۔
اسلام ہے اور اس کا ستون نماز
ہے، اور اس کی چوٹی کی چیز جہاد ہے

میں نے ان کے سامنے، برصغیر کی تاریخ جہاد سے، تیرہویں صدی ہجری میں توحید و جہاد کے علمبردار اور دعوت و اصلاح کی جسے بڑی جدوجہد کے قائد حضرت سید احمد شہید کا ایک واقعہ پیش کیا، کہ ایک بار مجاہدین اپنے امیر حضرت سید احمد کی قیادت میں مایار کے معرکہ سے منظر منصرف واپس آئے ان کے چہرے غبار آلود اور ان کے کپڑے گرد سے اٹے ہوئے تھے، یہاں تک کہ پھپھانے نہیں جاتے تھے، سردار بہرام خاں... ایک دماغ لیکر

لہ ترمذی، احمد ابن ماجہ عن معاذ بن جبل مرفوعاً، یہ ایک طویل حدیث ہے، جانظری کمزوری کی وجہ سے تقریر میں نے ان احادیث کا مفہوم بیان کیا تھا، مگر جب قلمبند کرنا ہوا تو اصول سے مراجعت کر کے اصل احادیث کے الفاظ کو نقل کیا اور اس مفہوم کی بعض اور احادیث کا اضافہ بھی کر دیا۔

امیر کے چہرہ سے گرد بھاڑنے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت سید احمدؒ نے کہا ”پٹھان بھائی ذرا ٹھہریہ وہی خیار ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لا یجتمع غبار فی سبیل اللہ
و دخان جہنم
الشرکی راہ کا غبار اور جہنم کا دھوا
دونوں جمع نہیں ہوں گے۔

ہمارے یہاں آنے اور ان صعوبتوں کو برداشت کرنے کا مقصد یہی ہے تاکہ اس غبار کو حاصل کریں گے، تو پٹھان بھائی ذرا صبر کرتی عجلت کی ضرورت نہیں۔

اور مجاہدین ٹھہر گئے اور اس وقت اس غبار کو نہیں بھاڑا۔

پھر میں نے ان فوجیوں کو دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی۔

پہلی بات تو یہ کہ نیت میں خلوص ہو، مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ اور

رضائے الہی کا حصول ہو اور اس شجاعت و جوانمردی کے پیچھے کوئی اور غرض

کارفرمانہ ہو، میں نے ان کے سامنے وہ مشہور حدیث پیش کی جو صحاح میں وارد

ہوئی ہے۔

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم عن الرجل یقاتل

شباعۃ، ویقاتل حمیۃ، ویقاتل

رباعی ذلک فی سبیل اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص باوردی کی وجہ سے جنگ کرتا ہے ایک شخص حمیت و عزت میں آکر جنگ کرتا ہے

لہ سنن تہ سیرت سید احمد شہید جلد دوم (لاہور ایڈیشن)

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قاتل لئكون
 كلمة الله هي العليا فهو
 في سبيل الله
 ايك شخص دکھاوے کے لئے جنگ کرتا
 ہے تو ان میں سے کون اللہ کی راہ
 میں جنگ کرنے والا شمار ہوگا؟ تو
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 جو صرف اس لئے جنگ کرے کہ اللہ کا
 بول بالا ہو وہی اللہ کی راہ میں جنگ
 کرنے والا شمار ہوگا۔

دوسری چیز جس کی طرف میں نے توجہ دلائی وہ معاصی اور ہر ایسی چیز
 سے اجتناب جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث اور نصرت الہی کے تقاضوں
 کے خلاف ہو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک سفر سالار کو
 ایک خط لکھا تھا جس میں فرمایا تھا کہ وہ دشمن کی قوت و کثرت اور اسلحہ سے
 اتنا ڈرے، جتنا گناہوں اور خدا کی نافرمانی سے ڈرے کیونکہ میرے نزدیک
 لوگوں کے لئے گناہ دشمن کی چالوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔

حاضرین پر تقریر کا گہرا اثر ہوا، تقریر ریکارڈ کی گئی، امیر اخیال ہے کہ ہر اسلامی
 ملک میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ مسلح افواج کے اندر دینی شعور پیدا کیا جائے
 جہاد کا اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جو مرتبہ اور مقام ہے، اور
 شہادت کی جو فضیلت اور عند اللہ شہداء کا جو ثواب اور اجر ہے، اس کو ان کے سامنے
 اجاگر کیا جائے، اس عظیم اور غیر معمولی طاقت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے اسلام
 لے متفق علیہ ۱۵ سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن عبدالحکم۔

مسلمانوں کو زبردست نقصان پہنچا ہے، اور اسلامی حکومتوں اور ان کی جنگی اور دفاعی طاقت اور غیر اسلامی حکومتوں اور ان کی جنگی اور دفاعی طاقت کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہا، جبکہ لائیاوی اور اسلامی حکومتوں کے درمیان امتیاز یہی تھا کہ مسلمان جب جنگ کرتے ہیں تو اس کے پیچھے ان کا ایمان و احتساب کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے، وہ عند الشرائع و ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ مومنین اولین کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي بَعَادِ الْقَوْمِ إِنَّكُمْ ذَاتَا
 قُلُوبٍ فَإِنَّهُمْ مُلْكُونَ كَمَا تَأْمُرُونَ
 دُونَ جُودٍ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ
 وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء۔ ۱۰۴)

اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا، اگر تم بے آرام
 ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو، اسی طرح
 وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں، اور تم خدا سے ایسی ہی
 امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے، اور خدا
 سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے۔

میرے بعد اسٹاذ محمد احمد جمال کی باری آئی اسٹاذ جمال قرآنی آیات کے اتحضار و اقتباس
 میں امتیاز رکھتے ہیں، اور بہت سی احادیث کے متون ان کو زبانیا یاد ہیں، چنانچہ انھوں نے جہاد
 اور شہادت کے بابے میں بہت سی آیات و احادیث سے حسب موقع استشہاد کرتے ہوئے ایک
 فاضلانہ تقریر کی جس نے حاضرین سے خراج تحسین حاصل کیا، ناشتہ کرنے کے بعد ہم اس فوجی
 مرکز سے روانہ ہوئے تو ہم ان کی عزت افزائی سے مسرور اور اس اسلامی جذبہ سے سرشار تھے
 جو اس علاقہ پر اور اس کے باشندوں پر سایہ فگن تھا، اور اپنے فوجی بھائیوں کی تائید غلبی اور
 نصرت الہی کے لئے دل سے دعا کر رہے تھے۔

کچھ دیر شہدار موتہ کے مرقد پر
 اور آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ موتہ پہنچے، یہ وہی موتہ ہے جس کی جانب

ایک عظیم اسلامی جنگ منسوب ہے جس کے حالات و واقعات ہم اسلامی سیرت، تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں، اس معرکہ میں مسلمانوں نے غیر معمولی شجاعت و جوانمردی کا ثبوت دیا تھا، موتہ کرک کے جنوب میں ۱۲ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک کشادہ میدان میں واقع ہے، غزوہ موتہ ۶۲۵ء میں پیش آیا تھا، اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد ۳ ہزار اور رومیوں اور عیسائی عربوں کی مجموعی تعداد تقریباً ۲ لاکھ تھی، حضرت زید بن حارثہ اس جگہ کے قریب شہید ہوئے تھے، جو اس وقت مشہد کے نام سے مشہور ہے، حضرت زید کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے علم اٹھایا، داہنا ہاتھ کٹ کر گرتا رہا، بائیں ہاتھ میں علم کڑے لیا، وہ بھی کٹ گیا تو دونوں بازوؤں سے اس کو ہٹا کر لیا اور برابر لٹنے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، اسی موقع پر آپ کو "جھنڈیا" اور "ذوالجناحین" کا لقب ملا، آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے علم لیا اور لٹنے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد مسلمانوں نے بالاتفاق حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو علم دیا اور آپ غیر معمولی شجاعت اور جانبازی سے لڑتے رہے یہاں تک کہ رات ہو گئی اور رومی شمال کی طرف اور مسلمان جنوب کی طرف چلے گئے۔ اور دونوں فوجوں نے صبح تک کے لئے ہتھیار رکھ دیئے، اس اشارے میں حضرت خالد نے ایک اسکیم تیار کی اور اپنے لشکر کی ایک بڑی تعداد کو اپنی فوج کے پیچھے ایک بی لائن پر تعینات کر دیا، جس نے صبح ہوتے ہی ایک ہنگامہ برپا کر دیا، دشمن نے سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تازہ لگک پہنچی ہے اور جب پہلے روز صرف ۳ ہزار افراد نے رومیوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، اور ان کے پاؤں اکھاڑ دیئے تھے تو تازہ لگک تو نہ جانے

لے واقعہ کی تفصیلات اور اسباب معلوم کرنے کے لئے دیکھئے سیرت ابن ہشام حصہ سوم ص ۳۰۳، ۳۰۴

طبع مصطفیٰ البابی العلبی مصر، دوسرا ایڈیشن سیر و مغازی کی دوسری کتابوں میں بھی تفصیل موجود ہے۔

ان کے ساتھ کیا کرے گی جس کی تعداد بھی کسی کو معلوم نہ تھی، یہ سوچ کر رومیوں نے حضرت خالدؓ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی اور ان کو خوشی ہوئی کہ حضرت خالدؓ نے بھی ان پر حملہ نہیں کیا، اس سے زیادہ رومیوں کو اس پر خوشی تھی کہ حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھی، مدینہ واپس چلے گئے اور جنگ میں ان کو فتح نہیں حاصل ہو سکی، اگرچہ رومیوں کو بھی فتح نہیں حاصل ہوئی تھی۔ ہم اس جگہ پر کچھ دیر خاموش اور سر جھکائے کھڑے رہے، اور ان جاں بازوں کی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی پر محو حیرت تھے، جو مدینہ سے موتہ مواب کے علاقہ میں آئے تھے، اس علاقہ میں جو دنیا کی سب سے طاقتور سلطنت کے زیر نگیں تھا، فوج، رسد اور جنگی وسائل کے اعتبار سے یہ سلطنت دنیا کی دوسری تمام حکومتوں پر فوقیت رکھتی تھی، مدینہ اور موتہ کے درمیان تقریباً ۱۱۰۰ کیلومیٹر کا فاصلہ ہے، یہ طویل مسافت اسلام کے مجاہدوں نے اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعہ طے کی، اور مدینہ سے نکلنے کے بعد نہ ان کو کمک ملی نہ رسد اور نہ دار الخلافہ سے ان کا کوئی رابطہ باقی رہ گیا تھا، اور وہ دشمن کے جبروں میں داخل ہو رہے تھے، سیرت ابن ہشام میں ہے۔

”پھر وہ آگے بڑھے اور ملک شام میں معان کے مقام پر قیام کیا، وہاں معلوم ہوا کہ ہرقل بلقار کے علاقہ سے ایک لاکھ رومیوں کو لیکر مواب پہنچ چکا ہے، اور لخم، جزام، قین، بجرار اور بلی کے قبائل کے ایک لاکھ افراد بھی اس کے ساتھ ہو گئے ہیں جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا تو وہ دو دن معان میں ٹھہرے صورت حال پر غور کرتے رہے، اور انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکھا جائے، اور آپ کو دشمن کی تعداد کی اطلاع کی جائے تو آپ یا تو کمک روانہ فرمائیں ورنہ جو حکم دیں، اس کے مطابق ہم عمل کریں، اسکے بعد

لہ "حیاء محمد از ذاکر محمد حسین ہیکل ص ۳۷۷

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لوگوں کو جوش دلایا آپ نے کہا: لوگو! تم جس سے گھبرائے ہو وہی چیز تو ہے، جس کے لئے تم یہاں آئے ہو یعنی شہادت ہم لوگوں سے تعداد کی کثرت اور طاقت کے سہا کے جنگ نہیں کرتے، ہم تو اس دین کے ذریعہ جنگ کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو نوازا ہے، پس چلو، دو نعمتوں میں سے ایک تو ضرور ہی ملے گی، غلبہ یا شہادت، تو لوگوں نے کہا: خدا کی قسم ابن رواحہ نے بالکل صحیح بات کہی، اور لوگ بھل چڑھے۔

اور پھر جنگ ہوئی مسلمانوں کے تینوں سپہ سالار، حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، اسے کہتے ہیں، مؤمن عقل اور مومنانہ انداز فکر، جو مومنین اولین میں بدرجہ اتم موجود تھا، اور جس سے بعد کے مسلمان محروم ہو گئے، اسی وجہ سے مسلمانوں کے ماضی اور حال کے درمیان اتنا نمایاں اور واضح فرق ہو گیا ہے۔

ہم نے تینوں سپہ سالاروں کی قبروں کی زیارت کی، یہ حضرات اپنی شہادت کے مقام ہی پر مدفون ہیں، سیدنا جعفر بن ابی طالب کی مسجد بھی دکھی، اور آپ کے مزار پر آپ کی بے نظیر شجاعت کے کارناموں کو یاد کرتے رہے، یہ مسجد اور مزاروں پر بلند گنبدوں کی تعمیر ہاشمی دور میں ہوئی تھی، محکمہ آثار قدیمہ کی جانب سے سیاحوں کو جو پفلٹ دیئے جاتے ہیں، ان میں ان مزارات کی تاریخ اور ان کے متعلق ساری تفصیلات درج ہوتی ہیں، ان مزارات پر جس وقت ہم فاتحہ پڑھ رہے تھے، اپنا وجود ہم کو بہت حیرت اور بے حیثیت نظر آ رہا تھا۔

موتہ کے تاریخی مقامات

سیدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مسجد کے پاس ایک اسلامی میوزیم ہے، جو ابھی تکمیل کے مرحلہ

میں اور بالکل ابتدائی حالت میں ہے، اس میں اسلامی آثار و مخطوطات رکھے گئے ہیں، میوزیم کا انتظام وزارت اوقاف کے ذمہ ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس میوزیم کی تاریخ پرانی ہے، اور اس کو الملک الناصر محمد بن قلاوون کے عہد میں شوہب اور کرک کے نائب السلطنت بہادر الملک الناصر نے ۷۲۷ھ میں تعمیر کیا تھا، میوزیم میں استاد محمود الافغانی وغیرہ کے جمع کئے ہوئے اسلامی آثار رکھی ہیں۔

بترا کا سفر

موتہ سے ہم نے بترا اور معان کا رخ کیا، راستہ میں "مخطہ" نامی بستی سے گزرے، وہاں کا پانی معدہ کی اصلاح اور ریگ و ریتخری کے امراض کے لئے مشہور سمجھا جاتا ہے اور دور دور سے لوگ پینے کے لئے آتے ہیں، "ضانہ" نامی بستی سے بھی گزرے، اور کچھ وقت شوہب میں گزارا اور وہاں کا زراعتی اسکول دیکھا اور وادی عربہ سے بھی گزرے۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا، اور عصر کی نماز ادا کی اس کے بعد ایک سیاحتی اور تاریخی دورہ کے لئے جانا تھا، جس کے لئے حستی اور نشاط کی ضرورت تھی۔ اور پھر بترا کے لئے روانہ ہو گئے، بترا، قدیم تاریخی شہر ہے، جس کی تاریخ

لے اردن کے لوگ اسی طرح بولتے ہیں، لیکن قدیم مورخین اور جغرافیہ دانوں نے اس کو بطرا، اور بطرہ ضبط کیا ہے، بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ وہ مقام ہے جس کو عبرانیوں نے "سلح" لکھا ہے، اور جس کا ذکر اشیا ۱-۱۶ اور ملوک ۲-۵۱۴-۷ میں آیا ہے، اور یہی وہ چٹانی عربی تفسیر ہے، جو یونانیوں اور رومیوں کے یہاں بہت مشہور تھا، بنطیوں نے جو عربی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ہزاروں سال پہلے اس شہر کو قائم کیا تھا، تہذیب و تمدن میں انھوں نے بہت ترقی کر لی تھی، ان میں (باقی صفحہ ۲۶۷)

ہزاروں سال پرانی ہے، عرب نبٹیوں نے یہ شہر آباد کیا تھا، حجر اور مدائن صالح کی طرح
یہ شہر بھی پہاڑوں کے اندر کھود کر بنایا گیا تھا، بعض ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ یہ آثار
سنگتراشی، ترتیب تمسین اور سلیقہ مندی کاریگری کے اعتبار سے نمود کے آثار سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں،
ہماری کاریں ایک لمبی اور کھلی سرنگ سے ہوتی ہوئی پہاڑ میں ترشنے ہوئے ایک راستہ
سے گزریں، جو کئی کیلو میٹر لمبا تھا، اور بار بار مڑتا تھا، اور اس کے دونوں طرف دواونچے
پہاڑ تھے، پھر ہم ایک شہر میں داخل ہوئے جس میں تہذیب و تمدن کے تمام مظاہر موجود
ہیں، محل، ایوان، بازار، عدالت اور پختہ سڑکیں سب پہاڑ کو تراش کر بنائی گئی ہیں، ہماری
رہنمائی اسٹاذ رفیق وفاد جانی کر رہے تھے، وہ ان تمام آثار ان کی تعمیر اور ان کے مقاصد
کی وضاحت کرتے جاتے تھے، اگر وہ نہ ہوتے تو ہمارے لئے یہ تاریخی دورہ کچھ زیادہ مفید
نہ ثابت ہوتا اور اس سے زیادہ کچھ احساس نہ ہوتا کہ ہم ایک تنگ و تاریک سرنگ میں
چل رہے ہیں۔

اس وسیع شہر کو ہم مکمل طور پر نہ دیکھ سکے اور نہ ہمارے لئے اس مختصر وقت میں
یہ ممکن تھا، اس لئے کہ تبرا کا قبہ ۳۰ کیلو میٹر مربع ہے بہر حال یہ سفر معلومات افزا ہونے
کے ساتھ ساتھ عبرت انگیز اور سبق آموز بھی تھا، اور ہم کو آیت کریمہ۔
وَتَجِدُونَ مِنَ الْجِبَالِ مَبِیُوتًا
فَارْهَبْنَ۔ (الشعراء۔ ۱۴۹) گھر بناتے ہو۔

(باقی صفحہ ۲۷۷ کا) شعراء اطباء اور بڑے بڑے تاجر تھے جو مصر و شام اور فرات و روما کے علاقوں کا
سفر کرتے رہتے تھے، اس کے باوجود وہ بت پرست تھے، لات جس کو شامی حجاز کے لوگ اٹھالئے
تھے، اور جو ان کے یہاں مرکزی حیثیت رکھتا تھا، انھیں نبٹیوں کے بتوں میں سے ایک تھا۔

۲۷۹

کی مکمل تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا۔

رات میں عمان واپس آئے، بہت طویل فاصلہ طے کرنا پڑا تھا، اس سے پہلے ہم نے کار سے ایک روز میں اتنا طویل فاصلہ کبھی طے نہیں کیا تھا، اور ہمارے ذہن میں معلومات، تاثرات اور یادوں کا ایک ہجوم تھا۔

عمان سے روانگی

۲۰ اگست ۱۹۷۳ء دو شنبہ کے روز ہم کو عمان سے ہندوستان کے لئے روانہ ہونا تھا۔ طیارہ کی روانگی کا وقت شام کو تقریباً ساڑھے ۴ بجے تھا۔ جو اجاب آخری ملاقات کے لئے تشریف لائے ان میں شیخ اسعد اکسینی سابق خطیب مسجد اقصیٰ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، شیخ کچھ دیر ہمارے ساتھ رہے، انھوں نے بیت المقدس کے یہودیوں کے قبضہ میں جانے کے چشم دید حالات اور عرب ہنماؤں کی کمزوری و بے حسیتی کے واقعات سنائے، ان کی گفتگو بڑی موثر اور رقت انگیز تھی، اسی طرح رابطہ علوم اسلامیہ کے صدر اساتذہ تیسرے نسل میں اہل علم کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے، قبرص کے ایک ترکی وفد نے بھی ہم سے ملاقات کی اور اس ملک کی موجودہ صورت حال کی وضاحت کی جو ایک سنگین عبوری مرحلہ سے گزر رہا ہے، اور جہاں ترک مسلمان اپنی اسلامی شخصیت و انفرادیت اور اپنے قومی وجود کے تحفظ کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

اساتذہ کمال الشریف نے موتمر اسلامی کی جانب سے وفد کے اعزاز میں ایک نظرانہ دیا، جس میں بعض ان علمی اور دینی شخصیات سے ملنے کا اتفاق ہوا جن سے اس مختصر دورہ میں پروگراموں کے ہجوم کی وجہ سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی، مثلاً کلینۃ الشریعہ کے پرنسپل شیخ عبدالعزیز خلیفہ علیہ

لے موجودہ وزیر اوقاف اردن۔

۲۸۰

ہمارے محترم میزبان ڈاکٹر اسحاق فرحان ہم کو رخصت کرنے کے لئے ہوٹل تشریف لائے آپ کے علاوہ اور کبھی بہت سے دوسرے اساتذہ اور معزز حضرات گئے اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم ہوائی اڈہ کے لئے روانہ ہو گئے، ہمارے فاضل دوست اور رفیق وفد ڈاکٹر عبدالشعر عزام جن کا ہمارے دلوں پر بہت گہرا اور خوشگوار اثر ہے ہمارے دیرینہ رفیق ڈاکٹر ادیب صالح ایڈیٹر رسالہ "حضارۃ الاسلام" اور شام یونیورسٹی میں کلیۃ الشریعہ کے استاذ جوان دنوں کلیۃ الشریعہ عمان میں وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے آئے ہوئے تھے، اور جن سے ایک طویل وقفہ کے بعد ہماری ملاقات ہوئی تھی، سعودی قائم مقام سفیر استاذ محمد ہمیش اور استاذ کامل الشریف نے وفد کو رخصت کیا، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔



اشاریہ (انڈکس)

مرتبہ

مجمعیات الدین ندوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الحمد لله رب العالمین
والصلاة والسلام على
میرزا محمد تقی صاحب
مکتبہ دارالعلوم دیوبند

۱۰۰

دارالعلوم دیوبند

اشخاص

	(الف)
۹۰۔ (شکلم) ابو بکر محمد بن نورک	۱۰۵۔ (سیدنا حضرت) ابراہیم علیہ السلام
۲۶۴، ۱۳۴، ۱۳۰۔ ابوتام طائی	۲۶۹۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ
۲۵۹، ۲۵۸، ۱۲۔ (مولانا) ابوالحسن علی ندوی	۲۸۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ
۱۹۰، ۱۳۰۔ (امام) ابو صفیہؒ	۱۰۴۔ (ام المؤمنین حضرت) ام سلمہؓ
۹۰۔ (امام) ابوداؤد ظاہری	۲۱۸۔ ابراہیم حسنی
۲۵۰، ۴۸۔ ابوریحان بیرونی	۲۵۹، ۲۵۱، ۲۲۰۔ شیخ محمد ابراہیم شقرہ
۲۶۴، ۱۳۰، ۴۹۔ ابوالعلماء المعری	۴۳۔ شیخ محمد ابراہیم مجددی
۲۶۹۔ حضرت ابو علی	۴۱۔ ابلیس
۱۸۸، ۹۰۔ ابوالفرج اصفہانی	۱۴۴۔ (شیخ الاسلام) ابن تیمیہ حرانی
۱۸۸، ۹۰۔ ابونعیم اصفہانی	۲۶۴، ۱۸۸۔ (علامہ) ابن جوزی
۸۰۔ ابوالقاسم شیرازی	۲۰۱۔ ابن الجہم
۹۴۔ (مولانا) ابوالکلام آزاد	۸۹۔ ابن فلکان
۱۳۰۔ ابوزید بسطامی	۱۸۱۔ (علامہ) ابن عابدین (صاحب شامی)
۱۸۱۔ (ڈاکٹر) ابوالیسر بن عابدین	۴۲۔ (علامہ) ابن قیمؒ
۱۹۰۔ (امام) ابویوسفؒ	۹۳۔ ابواسحاق شیرازی
۲۱۵، ۱۲۴، ۱۱۹۔ (محمد) اجمل اصلاحی ندوی	۹۴، ۲۴۔ (مولانا) ابوالاعلیٰ مودودی
۲۰۵، ۱۸۸۔ (امام) احمد بن حنبلؒ	۸۳۔ ابو بکر رازی
۱۹۱۔ احمد ابجویری	۸۳۔ ابو بکر رازی طیب
۱۹۰۔ احمد حسن بکر (صدر جمہوریہ عراق)	

۱۰۵	(میر) انیس	۱۸۱	(شیخ) احمد القدر
۱۳۲	(مفتی محمد) انیس محمود	۱۳۴، ۱۲۸	(شیخ) احمد سہندی (مجدد الف ثانی)
۱۳۳، ۱۱۳	(امام عبدالرحمن) اوزاعیؒ	۶۰، ۱۹، ۱۸	احمد شاہ ابدالی
	(ب) (پ)	۲۵۱، ۲۴۰، ۱۲۳، ۱۲۲	حضرت سید احمد شہیدؒ
	بابر	۱۴۸، ۱۱۷، ۳	(مفتی شیخ) احمد گفتارو
	پندرہ	۳۴، ۳۲، ۲۸-۳۰، ۲۵، ۲۴	احمد محمد جمال
	بکتری	۱۳۰، ۱۱۷، ۵۶، ۴۵، ۳۹، ۳۸	
	بخت نصر	۲۷۳، ۲۵۱، ۲۲۴، ۱۸۲، ۱۵۳	
	بدیع الزمان ہمدانی	۲۰۵	(سیدنا) احف بن قیس
	برہان الدین ربانی	۱۲۷	ادیب لشکلی
	بشار	۲۸۰	ادیب صالح
	(قاضی) بشیر البانی		ازمون ملاحظہ ہو
	(مؤرخ) بغدادی	۲۸۰، ۲۲۸، ۲۱۹، ۲۱۸	اسحاق فرحان
	(محمد) بہجتہ البیطار	۱۶۹	(محمد) اسد (سابق لیوپولڈ)
	(خواجہ) بلغار	۴۸	اسدی
	بہادر البدر الملکی الناصری	۲۷۹	اسعد احمینی
	(ارباب) بہرام خاں	۹۰	اسماعیل صفوی
	(سلطان) بہرام شاہ	۱۵۰، ۱۴۱، ۱۲۵، ۱۲۱	(ڈاکٹر سر محمد) اقبال
	(سید) بہلول دانا	۱۱۹، ۱۱۴، ۸۵، ۷۰، ۶۹	
	(پروفیسر) پوپ (امریکی مستشرق)	۴۳، ۴۱، ۳۱، ۱۲، ۱۱۹	(امیر) امان اللہ خاں
	(ت) تاج الدین سبکی	۲۴۰، ۲۳۹	امین بروسک
	(حاجی) ترنگزی	۱۳۶	(مفتی) امین احمینیؒ
		۱۳۵	امین الرجائی

۱۳۸، ۱۳۳، ۱۳۲	حسین قوتلی	۱۵۳	تقی الدین الصلح
۱۳۱	(مفتی) حسین محمد مخلوف	۱۱۰، ۸۵، ۸۲	(آیت اللہ محمد) تقی القمی
۸۲	(ڈاکٹر) حسین نصر	۲۷۹، ۲۳۹	تیسیر ظلیان
۲۷۵	(ڈاکٹر محمد) حسین بیکل	(ج)	
۲۴	(مسٹر) حنیفہ محمد حنیفہ	۲۷۶، ۲۷۴	(حضرت) جعفر بن ابی طالبؑ
(خ)		۱۸۰	جعفر کتانی
۲۷۵، ۲۷۴	(حضرت) خالد بن ولیدؓ	(ح)	
۱۳۲، ۱۳۳	(شیخ) خلیل	۱۰۵	(حضرت) حسین ابن علیؑ
۱۹	(پروفیسر) خلیق احمد نظامی	۱۹۴	(حضرت) حدیث یحییٰؑ
۱۳۲	خلیل عنانی	۹۲، ۸۰	(خواجہ) حافظ
(ذ)		۲۰	حبیب اللہ (پچھلے)
۱۹۳	داراء اول	۱۹	(امیر) حبیب الشرفاں
۵۳، ۵۲	(سردار) داؤد خاں	۸۵، ۸۲	(آیت اللہ) حبیب الترمیلانی
۱۰۵	(مرزا) دبیر	۲۶۴	حریری
۹۴	ذوالقرنین	۸۲	(آیت اللہ) حسن امامی
(س)		۲۱۳، ۱۴۴	(امام) حسن بصریؑ
۹۰	(امام) راعب اصفہانی	۱۳۲	حسن البنا، رشیدؑ
۴۴	(مولانا) رشید احمد گنگوہیؑ	۲۱۹	حسن التل
۱۴۱	رشید میقاتی	۱۷۹	حسن جہنگ
۲۷۸، ۲۶۶، ۲۴۹	رشق و قادحانی	۱۶۰، ۱۵۲، ۱۳۳، ۱۳۲	(مفتی شیخ) حسن خالد
(س)		۲۲۴، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۱۸	(شاہ) حسین
۲۷۶، ۲۷۴	(حضرت) زید بن حارثہؑ	۱۴۰، ۱۳۹	حسین الجسر
۱۷۳	زاہر کفتارو	۱۹۱	حسین الشادی

کافم	شریعتداری —————	۸۷	ڈاکٹر) زوییر
۲۶۴	شرف رضی	۱۶۱	زبیر شاولیش
۱۶۷	شکری القوتلی ہے	۱۸۱	شیخ) زین العابدین
۲۶۱۱۵	(امیر) شکیب ارسلان		(س)
۱۱	شمس الحق ندوی	۶۷	(حضرت) سعد ابن ابی وقاصؓ
۵۰	شمس العارفین	۱۹۵، ۱۶۷	(حضرت) سلمان فارسیؓ
۱۷۴، ۱۶۶	(احمد) شوقی	۲۵۰	ساح ہروی (مؤرخ)
۶۰، ۴۸	(سلطان) شہاب الدین غوری	۹۴	(شہنشاہ) سائرس اعظم
۸۲	(پروفیسر) شیخ الاسلام	۹۲، ۸۰	(شیخ) سعدیؒ
	(س) (س)	۱۳۲، ۱۲۴	سعدی یاسیس
۲۶۴	(ابو اسحاق) صابی	۱۹۴	(ڈاکٹر) سعد الراوی
۴۳، ۴۲	(شیخ محمد) صادق مجددی	۲۲۷	(ڈاکٹر) سعید رمضان
۲۴۲	صالح بن شریف رندی	۱۲۴	(شیخ) سعید النعمانی
۲۴	(شیخ محمد) صالح قزاز	۴۶، ۳۵، ۲۱	(مولانا سید) سلیمان ندوی
۸۵	صاوی شعلان (شاعر)	۱۴۵	(شیخ) سلیم جلال الدین
۱۵۳	صائب سلام	۱۴۲	سلیم سوسان
۱۵۳	(ڈاکٹر) صبحی صالح	۳۹	سیمع الدین زوند
۱۳۹، ۴۳	صبغة الشعر مجددی	۵۰، ۴۹، ۴۶	(حکیم) محمود سنائی
۹۳	(علامہ) صدر الدین شیرازی	۱۳۰	(امام) سیبویہ
۲۳۲، ۱۸۱	(سلطان) صلاح الدین ایوبیؒ	۴۸	(سلطان) سیف الدین
۱۶۶	صمد بن عبد اللہ	۴۴	(مولانا) سیف الرحمن ٹانگی
۱۹۳	ضیاء الدین بابا خانوف		(س)
		۸۸	(شہنشاہ) شاہ جہاں

۲۳۰۱۹۱۱۸۹ (شیخ) عبدالرزاق فیاض	ط
۲۳۰ (سید) عبدالرزاق کلای	۶۷ (مؤرخ ابو جعفر) طبری
۱۹۵ عبدالرزاق محی الدین	۱۴۱ (شیخ) طر صابوچی
۳۹۱۲۶۱۲۵ عبدالرسول سیاف	ظ
۱۷۹ عبدالستار الید	۵۲ (ملک محمد) ظاہر شاہ
۳۸ عبدالستار سیرت	۲۶، ۲۵ (سلطان) ظہیر الدین بابر
۲۳ (مولوی) عبدالسلام مجددی	ع
۴۴ (مولوی) عبدالعزیز	۱۵۲، ۱۵۰، ۱۰۵ (حضرت) علی علیہ السلام
۲۷۹ (شیخ) عبدالعزیز خیاط	۱۰۴ (ام المؤمنین حضرت) عائشہ
۱۴۴، ۱۳۰، ۱۳۱ (حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانی	۱۰۴، ۱۳۷ (سیدنا حضرت) علی اکرم الشہداء
۲۶۵، ۲۶۴، ۱۹۷، ۱۹۲، ۱۹۰، ۱۱۸۸	۲۶۴، ۲۳۱، ۲۰۵، ۱۰۵
۱۹۲ (شیخ) عبدالکریم	۲۷۶، ۲۷۴ (حضرت) عبدالشہین رواحہ
۲۰۱ عبدالکریم قاسم	۹۱، ۹۰ (شاہ) عباس صفوی
۲۱۸ (ڈاکٹر) عبداللطیف خاں	۸۲ (ڈاکٹر) عباس مہاجرانی
۱۳۲ (شیخ) عبدالرحمن سمان	۸۱ (امیر) عباس ہویدا
۳۰ عبدالہادی	۲۵۰ (شیخ) عبدالباقی جمو
۳۹ عبدالہادی ہدایت	۱۳۲ عبدالحکیم عابدین
۱۳۱، ۱۲۲ عبدالشہر انصاری	۲۳۳ (سلطان) عبدالحمید خاں
۱۸۲، ۱۳۱ عبدالشہر بابیری	۱۸ (مولانا سید) عبدالرحمن حسنی
۲۲۲، ۲۲۱ (ملک) عبدالشہر حسین	۲۶۶، ۲۱۸ عبدالخلعت
۲۴۷ عبدالشہر اتل	۲۶۱، ۲۵۰، ۱۹۷ (امیر) عبدالرحمن خاں غازی
۱۳۰، ۱۳۲، ۲۳ (عبدالشہر) عباس ندوی	۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۵ (محمد) عبدالرحمن خلیفہ
۲۸۰، ۲۱۹ عبدالشہر علوم	۲۱۸ (شیخ) عبدالرزاق صلح

۴۸	غضناری	۱۳۹	(شیخ) عدنان الجسر
۴۴	غلام ربانی	۲۱۹	عزالدین خطیب
۲۹۱۲۶۱۲۵	غلام محمد نیازی	۴۴	(مولوی) عزیز الرحمن
۹۳	(امیر) عیاش الدین منصور	۴۸	مسجدی
(ف)		۴۸	(سلطان) علاء الدین یحییٰ بن جبار (وزیر)
۱۹۵	فاصل طائی	۸۷	(آقائے) علی اصغر حکمت
۹۳	(امیر) فتح التدریشی رازی	۱۹۶	علی بابا
۲۰۹	(مولانا) فتح محمد جان دھری	۹۳	علی بن عیسیٰ ابوالحسن الربعی (امام نوح)
۸۳	(امام) فخر الدین رازی	۱۶۱	علاء حسن قدح
۵۰، ۴۸	فرخنی	۱۸۱	(شیخ) علی الدقر
۸۶، ۸۵، ۴۸	فردوسی	۱۸۹، ۱۸۶، ۱۸۴	(امام) علی رضا ابن موسیٰ کاظم
۲۱۲	فرعون	۱۰۲	علی صقر
۴۳۱، ۴۲	(نور المشائخ) شیخ فضل عمر جوہی (شیر آغا)	۱۸۹	(محمد) علی الظاہر
۹۰	(خواجہ) فرید الدین عطار	۲۴۷	علی فریح
۲۲۹، ۲۲۱، ۵۶، ۲۴۵	(شاہ) فیصل ابن عبدالعزیز	۲۱۹	(شیخ) علی الفوزان
۱۵۱	فیصل مولوی	۲۵	(سید) علی لالا
(ق)		۵۰	(سیدنا) عمر بن عبدالعزیز
۲۱۲	قارون	۲۷۲، ۲۵۹	عمر خیام
۲۲۲	(شیخ) قاسم اموی	۹۰	عمر داووق
۲۷	(سید) قطب شہید	۱۶۱	عصری
(ک)		۴۸	(ڈاکٹر) عیسیٰ صدیق
۲۲۸، ۲۲۴، ۲۲۱، ۲۱۸	(سید) کامل الشریف	۸۴	(امام احمد) غزالی
۲۸۰، ۲۷۹، ۲۶۰، ۲۵۱، ۲۴۱، ۲۳۹		(ع)	
		۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶	

۲۰۵	(ابو عبداللہ) محمد بن نصر المروزی	۳۹	کامل شنواری
۱۹۱	محمد تقی ابجواد	۸۱	کاظم زادہ
۱۸۱	(شیخ) محمد انصر حسین تونسلی		(آیت اللہ اعظمی سید) کاظم شریعتداری
۱۱۶۸۵۱۸۲	(آیت اللہ مرزا) محمد تحلیل مکرمہ ای ۱۸۲	۱۲۴۱۸۴۱۸۲	
۱۸۱۱۱۳۱	(مولانا) محمد رابع حسنی ندوی	۹۲	(سلطان) کریم خاں
۵۶۱۵۳۱۲۵	(شیخ) محمد احمد اشبیلی	۱۳۰	(امام) کسائی
۲۸	محمد سیلانی	۴۴	(مولانا) لطف اللہ علی گڑھی
۸۸	(سلطان) محمد شاہ		
۹۱	(آغا) محمد شاہ		
۳۸	(ڈاکٹر) محمد صدیق	۱۰۴	(حضرت) مریم علیہا السلام
۳۹	(مولانا) محمد صدیق کباری	۱۸۳	(سیدنا) موسیٰ علیہ السلام
۱۳۲	محمد صفوت سقا	۲۷۰	(حضرت) معاذ بن جبلؓ
۱۳۲	(شیخ) محمد علی جوز	۲۳۸	مالک
۱۴۹۱۱۴۱	محمد علی ضادی	۸۹	(خلیفہ) یامون رشید
۴۴۱۲۸	(مولوی) محمد گل	۱۶۲	(شاہزادہ امیر) تعب بن عبدالعزیز
۱۹۱	محمد مبارک	۲۳۸	متمم بن نویرہ
۸۲	(ڈاکٹر) محمد محمدی	۲۶۴۱۱۹۲۱۳۰	متنبی
۱۳۱	(شیخ) محمد محمود الصوائف		(حضرت) مجدد الف ثانی ملاحظہ ہوا محمد مرتضیٰ
۱۷۳	(شیخ) محمد مطلق	۳۹۱۲۵	(شیخ) محمد اسلام تسلیم
۲۷	(ڈاکٹر) محمد موسیٰ لوانا	۱۷	(علامہ) محمد اسلم ہروی
۲۸	(ڈاکٹر) محمد موسیٰ شفیق	۲۳۹۱۲۲۱	(شیخ) محمد امین شنفیطی
۲۸۰۱۲۶۵۱۲۱۸	محمد میثم	۱۳۳	(شیخ) محمد برکات
۲۷۷	محمد والا خانی	۸۳	محمد بن زکریا رازی
		۲۷۷	(الملك المنصور) محمد بن قلاؤن

۲۱/۲۰ —————	جزیل محمد نادر خاں	۴۴۴ —————	شیخ الہند مولانا محمود حسن
۸۸، ۱۳۳ —————	نادر شاہ افشار	۶۸، ۹۰، ۱۵۰، ۱۴۶، ۱۱۵	سلطان محمود غزنوی
۱۳۱ —————	شیخ ناصر الصالح	۱۴۳ —————	شیخ محی الدین ابن عربی
۱۹۲ —————	مفتی شیخ نجم الدین واعظ	۱۴۴ —————	مروان ابن الحکم
۱۴۰، ۱۳۹ —————	شیخ ندیم الجسر	۲۵، ۲۱ —————	سرراس مسعود
۱۲۴، ۱۷۷ —————	نذرا حفیظ ندوی	۴۹ —————	سلطان مسعود بن محمود
۸۶ —————	نصیر الدین طوسی	۲۲۵ —————	مشہور حسن محمود
۸۶ —————	نظام الملک طوسی	۲۳۹ —————	ڈاکٹر مصدق
۱۶۱ —————	شیخ نمر الخطیب	۲۳۹ —————	شیخ مصطفی احمد زرقاں
علی (علامہ) نور الدین علی —————	ملاحظہ ہو	۲۰ —————	مصطفی کمال پاشا
۱۳ —————	نور عظیم ندوی	محرری —————	ملاحظہ ہو
حضرت نور المشائخ —————	ملاحظہ ہو	۸۴ —————	سیدہ معصومہ
۱۳ —————	فضل عمر	۲۵۰ —————	مقدسی
۸۲ —————	علامہ وحیدی	۱۸۰ —————	شیخ سید کی الکتانی
۱۳۰ —————	سلطان ولید	۴۲ —————	علامہ نور الدین ملا علی قاری
۱۹۵ —————	ولید الاعلیٰ	۲۹ —————	مالی (افغانی خاتون)
۱۹ —————	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۸۰-۸۲ —————	ڈاکٹر منوچہر ازمون
۸۲ —————	سید ہادی خسرو شاہی	۴۸ —————	منوچہری (فارسی شاعر)
۱۳۰، ۱۸۹، ۱۸۷ —————	خلیفہ ہارون رشید	مولانا) مودودی —————	ملاحظہ ہو
۲۰، ۱۱، ۱۸۵ —————		۱۹۱ —————	امام موسیٰ کاظم
۴۳، ۱۳۸ —————	شیخ محمد ہاشم مجددی	۱۸ —————	میرزاہد
۲۱۲ —————	ہامان	۱۹۵ —————	ڈاکٹر ناجی معروف

۳۸ ————— (محمد) یسین عظیم	۲۳۲ ————— (ڈاکٹر) ہرٹزل
یوحنا مسیح — ملاحظہ ہو — حضرت علیؑ	۲۷۵ ————— ہرقل
۲۸۱۲۵ ————— (سید محمد) یعقوب ہاشمی	(۷)
۱۹۵ ————— یوسف عابدین	۲۵۰ ————— (مورخ) یاقوت
یوسف اعظم	۷۳ ————— (شہزاد) یزدگرد (شاہ ایران)

فرق و ملل

۱۸۸/۱۰۳/۱۹۷ ————— شافعی	۱۹۱/۱۰۷/۱۰۶/۱۰۲ ————— اشاعری
۱۹۴/۱۹۱/۱۲۴/۱۰۷/۱۰۳ — ۵۱۹۷ — شیخ	۱۸۸ ————— اشاعرہ
۱۴۸ ————— مارونی فرقہ	۱۸۸/۱۰۶/۱۰۳ ————— اہل سنت
۱۰۳ ————— مالکی	۱۸۸/۱۰۳ ————— حنبلی
۲۳۱/۱۵۰ ————— یسعی (عیسائی)	۱۹۰/۱۱۸۸/۱۰۳/۱۹۷/۱۴۰ ————— حنفی
۱۸۸ ————— معتزلہ	۱۲۴/۱۰۷/۱۹۷/۱۴۰ ————— سنی

اقوام و قبائل - نسل و خاندان

۱۴۰ ————— اہل طرابلس	۴۶۰۲۴۰۲۲۰۲۱ — (اہل افغانستان)
۱۶۹/۱۱۹/۱۱۳۶/۵۴۱۲۰ — (یورپین)	۵۳۱۴۱/۱۴۰۰۳۴۱۲۹ — ۳۱۰۲۷
۲۵۷۷۲۳۶۲۲۵	۶۴۱۶۲۰۶۱۵۹۱۵۸۱۵۶۱۵۵
۱۱۹۰۲۵۱۲۱۱۲۰ — (اہل ہندوستانی)	۶۵۱۶۸
۱۹۶ ————— پابلی	۲۱۳ ————— اموی
۱۹ ————— برطانوی	۲۴۲ ————— اندلسی
۲۷۵ ————— (قبیلہ) بحر	۴۴۴۰۱۲۵۱۱۹ — ۲۱ ————— انگریز
۲۷۵ ————— (قبیلہ) بلخی	۸۸/۸۱۶۷۷۱۶۴۱۳۳ — (اہل ایران)
	۲۳۹/۱۱۹/۱۱۷/۱۱۱ — ۱۱۴/۱۰۵/۱۹۸/۱۹۷

۲۲۵، ۲۲۴، ۱۵۱، ۱۲۷-۲۹، ۱۳۷- عیائی	۲۷۹، ۹۱، ۶۴، ۴۱، ۱۶- ترک
۲۳۹ غزنوی	۱۶- تغلق
۲۸، ۱۶ غوری	۲۷۸، ۲۱۲- قوم) شود
۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۰- قرانیسی	۲۷۵- قبیلہ) جزام
۱۹۶- فرٹی	۲۲۷- جرمن
۲۳۱، ۲۲۶، ۲۲۴، ۱۳۷- فلسطینی	۱۶- خاندان غلامان
۸۳- قاچاری	۱۶- خلجی
۲۷۵- قبیلہ) تین	۲۷۷، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۴۱، ۱۳۳- روی
۱۸۰- کتابی (حسنی سادات)	۹۳، ۹۲- زند (خاندان)
۲۳۹- کردی	۲۱۸، ۲۱۷، ۱۸۲، ۱۷۳، ۱۴۵- سعودی
۱۹۶- کشی	۱۹۶- سلوٹی
۱۸۲، ۱۶، ۱۵۱-۵۳، ۱۳۶-۲۹- لبنانی	۱۶- سوری
۲۷۵- قبیلہ) نخم	۱۳۶- شامی
۱۶- لودھی	۱۱۵، ۹۵، ۹۱، ۹۰- صفوی خاندان
۴۲- مجددی	۲۳۲- صلیبی
۱۹، ۱۸- مرہٹہ	۲۱۲- قوم) عاد
۱۶- مغل	۹۰- عباسی
۲۷۸، ۲۷۷- نہطی	۲۷۷- عبرانی
۱۹۷، ۱۰- نصاریٰ	۱۲۹، ۱۳۳، ۱۱۹- عجم (عجمی)
۱۳۲- نورونی (خاندان)	۱۱۸، ۷۱-۷۳، ۶۴، ۶۲، ۶۱- عرب (عربی)
۲۷۷، ۳۳- یونانی	۱۵۱-۵۲، ۱۳۶-۲۷، ۱۳۷، ۱۲۹، ۱۲۳، ۱۱۹
۲۳۳، ۱۹۷، ۱۷۸، ۱۰- یهود	۲۳۱، ۲۲۹، ۲۲۳، ۱۷۷، ۱۷۲، ۱۵۵
	۲۷۸-۷۹، ۲۴۶-۲۷۷، ۲۴۰

سلطنتیں

سلطنت عثمانیہ۔ ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹	بازنطینی سلطنت۔ ۲۳۱
غزنوی سلطنت۔ ۴۷	سلجوقی سلطنت۔ ۸۶
مغل سلطنت۔ ۴۵	سلطنت عباسیہ (عباسی خلافت)۔ ۲۶۴، ۱۹۸، ۲۷۴

ادارے اور تحریکات

بی۔ بی۔ سی لندن۔ ۱۸۳	(الف)	اخوان المسلمین۔ ۲۲۷، ۱۱۳۲
بیروت عربی یونیورسٹی۔ ۱۵۳		ادارہ اوقات عمان ملاحظہ ہو وزارت
(ت)		اردن یونیورسٹی۔ ۲۲۶
تبلیغی جماعت۔ ۳۵		آریہ مہر یونیورسٹی (تہران)۔ ۸۲
تہران یونیورسٹی۔ ۸۷، ۱۸۴		ازہر لبنان۔ ۱۴۲، ۱۳۳
(ج)		اسپتال عمان۔ ۲۲۵
جامع ازہر۔ ۵۵، ۱۳۹، ۱۲۷		اسلامی ثقافتی مرکز اردن ملاحظہ ہو مرکز اسلامی
جامعہ ملک عبدالعزیز (جدہ)۔ ۱۵۳، ۲۴		اسلامی شفا خانہ طرابلس۔ ۱۳۹
جامعہ نظامیہ بغداد۔ ۹۳		اسلامی تیم خانہ بیروت۔ ۱۳۹، ۱۳۳
الجماعۃ الاسلامیۃ (لبنان)۔ ۱۶۲		اطلاعات و نشریات اردن ملاحظہ ہو محکمہ
جماعۃ عباد الرحمن (لبنان)۔ ۱۶۱		انمانت عامہ (جنرل سکرٹریٹ رابطہ)۔ ۲۴، ۲۳
جمعیۃ انقاذ فلسطین بغداد۔ ۲۰۲		امریکن یونیورسٹی بیروت۔ ۱۳۸، ۱۸۱
جمعیۃ تعلیم بنار المسلمین فی القریٰ۔ ۱۶۲		(ب)
جمعیۃ الرابطہ الاسلامیۃ (بیروت)۔ ۱۶۲، ۱۶۱		بعث پارٹی (شام)۔ ۱۷۳
جمعیۃ رعایۃ التیمم (صیدا)۔ ۱۳۵		بغداد یونیورسٹی۔ ۱۹۴
جمعیۃ العلماء (افغانستان)۔ ۳۹		

رابطہ العلماء — ملاحظہ ہو — جمعیتہ اعلیٰ	۱۸۰ ————— جمعیتہ العلماء (شام)
۲۷۹، ۲۳۹ — رابطہ العلوم الاسلامیہ (اردن)	۱۸۱ ————— اجمعیۃ الغرار (دمشق)
۲۷۷ — زراعتی اسکول (شوبک)	۱۶۲ ————— جمعیتہ الحافظۃ علی القرآن الکریم
(س)	۱۶۲ ————— جمعیتہ المقاصد الاسلامیہ (لبنان)
۱۹۵، ۱۸۹ — سعودی سفارتخانہ بغداد	(ح)
۱۷۹، ۱۷۳، ۱۶۵ — دمشق " "	۲۴۴ ————— حکومت اسرائیل
۵۶، ۳۲، ۲۶، ۲۴، ۲۱ — کابل " "	۱۰۵ ————— حکومت ایران
۱۸۹، ۱۶۵، ۱۶۲، ۱۳۲ — لبنان " "	۱۶۲، ۱۵۳ ————— حکومت سعودیہ
سنٹرل وقت بورڈ کابل	۱۷۹ ————— حکومت شام
(ش)	(>)
۲۸۰ ————— شام یونیورسٹی	۱۵۸، ۱۵۲، ۱۳۲ ————— دارالافتاء (لبنان)
۲۲۷ ————— شلٹر (جرمن مشنری)	۸۵، ۸۴، ۸۲ ————— دار التبلیغ الاسلامی (قم)
(ع) (ف)	۲۵ ————— دارالحفاظ (کابل)
۱۹۵، ۱۸۹ — عراقی حکومت	۴۰ ————— دارالعلوم دیوبند
۱۹۶ — عراقی میوزیم	۴۴، ۲۸ ————— دارالعلوم (کابل)
۸۴ — ادارہ علوم اسلامیہ تہران	۱۸، ۱۱، ۱۲، ۱۱، ۱۱، ۱۱ — دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ)
۲۲۵ — عیسائی مشنری (بیروت)	۲۴۷ ————— دارالقلم (کویت)
۲۲۷ — فلاحی انجمن مرکز اسلامی (اردن)	۱۲ ————— دارالسلام (ترکی)
(ک)	۱۶۷ ————— دمشق یونیورسٹی
۵۸، ۵۶، ۲۹، ۲۵ — کابل یونیورسٹی	۲۰۲، ۱۹۱، ۱۹۰ — دیوان الاوقاف (لبنان)
۱۳۳ — کتبخانہ ازہر لبنان	(س) (ن)
۲۷ — کلتیۃ اصول الدین ازہر	۲۴، ۲۳، ۱۰، ۹ — رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ)
۸۴، ۸۲ — کلتیۃ الالہیات تہران	۱۳-۳۲، ۱۳۴، ۸۴، ۸۰، ۷۱، ۵۶، ۵۲، ۴۳
	۲۱، ۱۹، ۳، ۱۸-۱۶، ۵، ۱۵، ۳

۱۳۵ ————— مسلم تیسیم خانہ۔ صیدا	۱۶۷، ۱۶۱ ————— کلیۃ الشریعہ دمشق
۲۷۴ (مطبع) مصطفیٰ ابابنی الجلی مصر	۲۸۰ ————— " " شام
۲۲۱، ۲۲۰ ————— مدرسہ شری اردن	۲۸۰، ۲۷۹، ۲۳۹ ————— عمان " "
۱۶۱ ————— مکتب اسلامی۔ بیروت	۳۸، ۲۹، ۲۶، ۲۵ ————— کابل " "
۲۲۶ ————— مکتبہ المسجد الاقصیٰ	۱۶۱ ————— " " کراچی
۲۹ ————— ملالی گریس کالج۔ کابل	۲۵۱ ————— الکلیۃ العلمیۃ الاسلامیہ
۲۷۹، ۲۳۹، ۲۲۷ ————— مؤتمر اسلامی۔ دمشق	۲۲۶ ————— لائبریری مسجد احمد رضا قاز
۱۴۶ ————— مؤتمر عالم اسلامی۔ بیروت	۱۵۳ ————— لبنان یونیورسٹی
۱۶۲ ————— مؤسسۃ الخدمات الاجتماعیہ۔ لبنان	
(۵)	(۴)
۱۵۳ ————— (تحریک) ندوۃ العلماء	۱۸۹ ————— مجلس اوقاف۔ عراق
۱۹۷ ————— نقابۃ الاشراف۔ عراق	۱۵۳ ————— مجلس شوریٰ حکومت سعودیہ
۲۳۰ ————— (مطبع) نو لکچور۔ کھنؤ	۱۹۵، ۱۹۴ ————— البیج العلمی العراقی
۳۹ ————— (محکمہ) نیابت عامہ (حکومت کابل)	۱۹۵، ۱۹۴ ————— البیج العلمی الکردی
(۷) (۸)	۱۸۱ ————— مجلۃ اللغۃ العربیۃ۔ دمشق
۳۸ ————— وزارت اطلاعات و نشریات۔ کابل	۴۷ ————— محکمہ آثار قدیمہ۔ کابل
۸۰ ————— وزارت اوقاف۔ ایران	۲۱۹ ————— محکمہ اطلاعات و نشریات۔ اردن
۱۹۷ ————— وزارت الاقاف۔ عراق	۱۰۵ ————— محکمہ اوقاف۔ ایران
۲۶۶، ۲۱۸، ۲۰ ————— عمان " "	۱۳۲، ۱۳۹ ————— محکمہ اوقاف۔ لبنان
۴۰، ۳۸، ۲۶، ۲۵ ————— وزارت تعلیم۔ کابل	۱۳۹ ————— محکمہ قضا و افتار۔ لبنان
۴۷، ۴۳	۲۲۰ ————— دینیہ یونیورسٹی
۱۹۵، ۱۹۳، ۱۹۰ ————— وزارت خارجہ۔ بغداد	۲۲۷، ۲۲۵، ۲۲۱ ————— مرکز اسلامی۔ اردن
۱۳۲ ————— لبنان " "	۸۴ ————— مرکز التقرب بین المذاہب الاسلامیہ تیران

وزارت مالیہ - سعودیہ ————— ۱۶۲

الہیئۃ العربیۃ العلیا لفلسطین ————— ۱۳۶

وزارت عدل - کابل ————— ۳۹

وزارت عظمیٰ - ایران ————— ۸۱

کتابیات

۲۷۰/۲۶۹ ————— (سنن) ترمذی

۱۱ ————— (اخبار) تعمیر حیات

۹۴ ————— (تفسیر) تفہیم القرآن

(ح)

۳۶/۱۵ ————— حاضر العالم الاسلامی

۲۸۰ ————— (رسالہ) حضارۃ الاسلام

۱۸۸/۹۰ ————— حلیۃ الاولیاء

۱۸۳ ————— (رسالہ) الحیاء

۲۷۵ ————— حیاۃ محمدؐ

(خ) >

۲۳۷ ————— خطر الیہودیتۃ العالمیتۃ علی الاسلام لمسیحیتۃ

۲۳۷ ————— ڈائری معرکہ فلسطین (عبدالتراسل)

(س)

۱۳۱ ————— (جریدہ) الرائد

۱۸۱ ————— رد المحتار (شامی)

۱۴۰، ۱۳۹ ————— الرسالۃ الحکمدیتۃ

۱۸ ————— رسالہ میرزاہد

۱۸۸/۹۰ ————— روایات الاغانی

۱۶۹ ————— روڈ ٹو مکہ

(الف)

۲۷۰ ————— (سنن) ابن ماجہ

۱۰۲/۱۰۱ ————— (سنن) ابی داؤد

۲۷۰ ————— (سنن) احمد

۸۷ ————— (کتاب) آرام گاہ غزالی

۲۰۲ ————— (رسالہ) ازمتہ ایمان و اخلاق

۹۳ ————— الاسفار الاربعہ

۲۷۷ ————— اشعیاء

۲۵۰ ————— اکتشاف کھفت اہل الکھفت

۱۹۶/۱۸۸ ————— الف لیله و لیلہ

(ب)

۵۰ ————— بال جبریل

صحیح ————— بخاری ————— ملاحظہ ہو

۴۸ ————— البدایہ والنہایہ

(ت)

۱۹۷ ————— تاریخ دعوت و عزیمت

۸۸ ————— تاریخ ہندوستان

۹۴ ————— (تفسیر) ترجمان القرآن

۲۰۹ ————— ترجمہ قرآن (فتح محمد)

۹۲ ————— گلستان و پوستان	(س)	سیرت ابن ہشام ————— ۲۷۴-۷۱۰-۴
۲۱۹ ————— (جذیہ) اللوار	(م)	سیرت سید احمد شہید ————— ۲۷۱، ۲۳۰، ۲۲
۴۲ ————— مدارج السالکین	(ش)	شاہنامہ (فردوس) ————— ۸۵
۱۶۷، ۱۱ ————— تذکرات سائح فی الشرق العربی	(ص)	شرح ہدایت الحکمہ (صدر) ————— ۹۳
۸۶ ————— مرصد الاطلاع		شعر العجم ————— ۵۱
۱۳۶ ————— (رسالہ) المراقب		صحیح بخاری ————— ۲۶۹، ۱۰۴
۱۲۹ ————— المسلمون فی لبنان مواطنون لارعیایا		صفۃ الصفوہ ————— ۱۸۸
۲۴۹ ————— معرکہ ایمان و مادیت		صمصام الاسلام ————— ۲۳۰
۹۰ ————— مفردات غریب القرآن	(ع ط)	الطریق الی مکتہ ————— ۱۷۰
۳۲ ————— مکانک محمدی		العرب والاسلام ————— ۱۵۳
۴۲ ————— منازل السائرین	(ف)	فتوح اشام ————— ۲۲۹
۱۲ ————— من نہر کابل الی نہر الیرموک		(رسالہ) الفکار الاسلامی تہران ————— ۸۲
۱۰۱ ————— (سنن) موطا	(ق)	قاعدہ بغدادی ————— ۱۸۷
(ن)		قصۃ الایمان بین الفلسفۃ و انعم و القرآن ۱۳۹
۱۸ ————— نزہۃ الخواطر		کتاب (قیام اللیلین) ————— ۲۰۹، ۲۰۵
۲۶۹ ————— (سنن) نسائی	(ک گ ل)	کتاب الاغانی ملاحظہ ہو روایات الاغانی
۵۰ ————— نقوش اقبال		
(و)		
۸۹ ————— وفيات الاعیان		
(حضرت شاہ) ولی الشکر کے ریاضی خطوط (خلیق احمد نظامی) ۱۹		
(۷)		
۸۲ ————— (رسالہ) الہادی - ایران		

مقامات

ایران - ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱

۸۳ - ۱۷۹، ۱۸۸، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۷۹

۹۵ - ۱۵۱، ۱۰۲ - ۳، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۳

۱۱۱، ۱۱۱ - ۱۱۹، ۱۱۳، ۱۱۱

۲۳۹/۱۳۰

ایشیا - ۲۶۶، ۲۲

ایشیائے کوچک - ۲۴۹

(ب)

بترا (بطرا، سلح) - ۲۷۸، ۲۷۷

بھدون - ۱۴۶، ۱۴۲، ۱۳۲

بخارا - ۵۲

برطانیہ - ۱۹

بصرہ - ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۳، ۱۸۸، ۱۱۳

بعلبک - ۱۶۰، ۱۴۷

بغداد - ۱۸۵، ۱۳۰، ۱۹۷، ۱۹۳، ۱۵۲، ۱۴۷

۹۱ - ۲۷۲، ۱۹۸، ۱۹۶، ۱۹۴، ۱۸۷

۲۶۴، ۲۱۷، ۲۱۳، ۲۰۵

بقاع (لبنان) - ۱۶۰، ۱۴۷

بقعہ - ۲۴۱

(محلہ) بگرامی (کابل) - ۲۷

بلقار - ۲۷۵

بلوچستان - ۳۹

(الف)

اٹلی - ۵۳

اربد - ۲۴۷، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۲، ۲۴۱

اردن - ۲۱۷، ۱۹، ۲۱۳، ۱۲۹ - ۳۰، ۱۱، ۹

۲۴۳، ۲۳۹، ۲۲۷، ۲۲۱ - ۲۲

۲۷۹، ۲۷۷، ۲۶۶، ۲۴۹

ازمیر - ۲۴۹

اسرائیل - ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۱۸۳، ۱۷۸، ۱۷۲

اصفہان - ۹۱، ۹۰، ۸۴، ۸۳، ۸۱

شمالی افریقہ - ۱۳۱

افیس (افوس) - ۲۴۹

افغانستان - ۲۸، ۱۵ - ۲۵، ۱۳، ۱۱، ۹

۴۳ - ۵۹، ۵۴ - ۵۶، ۵۰، ۴۶، ۳۸

۱۳۹، ۱۳۰، ۱۲۹، ۸۰، ۷۴، ۶۰

امریکہ - ۲۴۹، ۱۷۸، ۱۳۷، ۵۵

ام القیس (بستی) - ۲۴۴، ۲۴۲

اناطولیہ - ۲۴۹

اندلس (اسپین) - ۱۲۹، ۴۶، ۲۲

انگلینڈ - ۱۷

انگورہ (انقرہ) - ۱۲

(محلہ) الامام الاوزاعی (لبنان) - ۱۳۳

۱۹۵ ————— شارع متنبی	۱۹۳/۱۹۱/۱۷۸/۱۵۵/۱۵۴/۱۹ — روس
۱۷۸ ————— شارع مطار (دمشق)	۲۷۸ ————— روما
۱۳۶/۱۱۳۰/۱۲۹/۱۱۹/۳۷۱۹ — شام	۸۳ ————— رے
۱۷۳/۱۶۷ — ۷۱/۱۶۵/۱۶۱/۱۴۷	(س)
۲۷۸/۲۷۷۵/۲۴۳/۱۷۵ — ۸۱	۱۸۰ ————— زبدانی
۱۶۵ ————— شتوره (دمشق)	۲۵۰ ————— زرقاء
شرق اردن ————— ملاحظہ ہو — اردن	۱۱۶ ————— زریں نعل (تہران)
۲۷۷ ————— شوبک	(س)
(محلہ) شیخ محی الدین ابن عربی (دمشق) ۱۷۳	۱۴۷ ————— ساحل (لبنان)
شیراز ————— ۹۱-۹۵/۸۴/۸۳/۸۱/۸۰	سرخد ————— ملاحظہ ہو — صوبہ سرحد
(ص) (ض)	سری لنکا ————— ملاحظہ ہو — لنکا
۴۴ ————— صوبہ سرحد	۱۵۳/۱۳۱/۱۵۸/۱۵۶/۲۴ — سعودی عرب
۱۴۷/۱۴۵/۱۴۲/۱۳۸/۱۳۴ — صیدا	۲۳۹/۲۲۱/۲۱۷
۲۷۷ ————— ضانہ	۲۴۰ ————— سلط (اردن)
(ط)	۱۹۴ ————— سلمان پور
۸۶ ————— طاہران (طوس)	۵۲ ————— سمرقند
۲۴۴ ————— طبریہ	۱۲۹ ————— سندھ
۱۵۵/۱۳۸ — ۴۱/۱۳۴ — طرابلس	سوریا ————— ملاحظہ ہو — شام
۲۴۹ ————— طرسوس	۲۴۲ ————— سوف فلسطینی کیمپ
۸۹/۸۸/۸۶/۸۵ ————— طوس	۱۳۷ ————— سویٹزرلینڈ
(ع)	۱۴۰ ————— سیر (طرابلس)
عراق ————— ۱۹۶/۱۹۵/۱۹۱-۹۳/۱۳۰/۱۲۹/۱۹	(ش)
۲۰۲	۱۸۹ ————— شارع البونواس (بغداد)

۲۳۱	کراچی	۲۲۵، ۲۲۲، ۲۱۷-۱۹، ۲۱۳، ۱۸۰، ۱۱۱	عمان
۱۹۴، ۱۹۳، ۱-۵	کربلا	۲۷۹، ۲۶۵-۶۶، ۲۴۷-۵۰، ۲۳۹-۴۱	
۲۰۱، ۱۳۰	کرخ	(ع)	
۲۷۷، ۲۷۳، ۲۶۶، ۲۶۵	گرک (اردن)	۵۲، ۴۶	غزناط
۴۶	کشمیر	۵۲، ۵۰، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۳۴	غزنی
۱۹۳، ۱۸۸، ۱۳۰	کوفہ	۲۲	غزنین
۲۲۷، ۲۱۸، ۲۱۳	کویت	۱۷۳، ۱۶۸	خوطہ دمشق (تفریح گاہ)
۲۵۰	کہف الرحیب	(ف)	
(ل)		۲۷۸	قرات
۲۷۱، ۲۶۶، ۲۴۲، ۲۳	لاہور	۱۵۰، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۳۶، ۳۰	فرانس
۱۳۸-۳۹، ۱۳۲-۳۶، ۱۲۹-۳۰، ۱۹	لبنان	۱۷۹	فرنگی محل
۱۶۰-۶۲، ۱۵۲-۵۵، ۱۴۶-۵۰، ۱۴۱-۴۲		۲۴۷، ۲۳۸، ۲۲۷، ۱۳۴، ۱۲۹، ۱۹۴	فلسطین
۱۸۰، ۱۷۶، ۱۶۵		(ق)	
۲۷۷	لحظہ	۲۴۷، ۲۲۶، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۱۱	قاہرہ
۲۳۰، ۱۷۹، ۱۲۱، ۱۱۲	لکھنؤ	۲۷۹	قبرص
۱۸۳، ۱۱۷	لندن	۵۲، ۴۶	قرطبہ
۱۱۳، ۲۴	(سرری) لنکا	۹۱، ۹۰	قزوین
۲۳۸	لوی	۱۲۴، ۱۱۰-۲، ۹۹، ۸۲-۸۴	قم
۱۳۹	لیبیا	۳۹	قندھار
(م)		(ک)	
۱۹۱	ماسکو	۴۱-۴۷، ۳۹، ۳۴، ۳۰، ۲۴، ۲۷، ۱۲۰-۲۲، ۱۱۱	کابل
۲۷۰	مایار	۲۱۹، ۱۳۹، ۷۱، ۵۶-۵۸، ۵۳	
۲۴۲	مخیمات احسن فلسطینی کمیٹی	۱۹۱	کاظمین (بغداد)
۱۹۴	ملائن		

ہندوکش ————— ۱۲۹/۱۱۵

(۷)

یرموک ————— ۲۲۲/۱۱

یروشلم ————— ۲۳۱

یونان ————— ۷۹

مدارس و درسگاہ

جامعات و کلیات اور دارالعلوم ملاحظہ فرمادے و تحریر کیا

مدرسہ ابی حنیفہ ————— ۲۸

مدرسہ استقلال (کابل) ————— ۳۰

مدرسہ الایمان (طرابلس) ————— ۱۳۹

مدرسہ دارالحمقاء ————— ۲۸

مدرسہ عبدالقادر جیلانی ————— ۱۹۲

مدرسہ الفتح الشاذلیہ ————— ۱۶۱

مدرسہ فتح پوری ————— ۴۴

مدرسہ القرآن (اردن) ————— ۲۲۰

مدرسہ قلعة جواد ————— ۴۳

مدرسہ مستنصریہ ————— ۱۳۰

مدرسہ ناصرہ (ٹونک) ————— ۴۴

مدرسہ نوریہ ————— ۱۳۰

خانقاہ

خانقاہ قلعة جواد ————— ۴۳، ۴۲

" سیدنا جیلانی ————— ۱۸۰

مساجد

بیت اللہ شریفین ————— ۱۲۹

مسجد نبوی ————— ۱۲۹

بیت المقدس ————— ۲۷۹، ۲۳۳، ۲۳

مدائن صالح ————— ۲۷۸

مدینہ منورہ ————— ۲۷۵/۱۸۷

مشهد (ایران) ————— ۸۸-۹۰، ۱۸۴/۱۸۳

مصر ————— ۱۷۹، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۱۹، ۱۰۳، ۹۳، ۵۵، ۳۹

مکان (شام) ————— ۲۷۸، ۲۷۴، ۱۸۱

مقرہ ————— ۲۷۷، ۲۷۵

مکہ مکرمہ ————— ۲۰۱

ملتان ————— ۱۸۰، ۱۳۶، ۱۰۵، ۸۱، ۵۳، ۴۲، ۲۲، ۱۹

منصورہ المتین (لبنان) ————— ۲۰۹

موآب ————— ۱۴۶

موتہ ————— ۲۷۳-۷۷

میدان (دشت) ————— ۱۷۹

(۵) (۶)

نہج ————— ۱۹۴/۱۹۳، ۱۰۵

نوقان (طوس) ————— ۸۶

نیشاپور ————— ۹۰، ۱۸۶

دادی عربہ ————— ۲۷۷

وٹیکان ————— ۲۲۹

(۸)

ہرات ————— ۲۴۲

ہندوستان ————— ۲۸، ۲۵، ۲۴، ۲۲، ۲۱، ۱۱۵-۱۹

————— ۶۰، ۵۹، ۵۵، ۵۰، ۴۴، ۴۲، ۴۰

————— ۱۱۹، ۱۱۱، ۱۱۹، ۳، ۸۸، ۸۵، ۸۱، ۷۲، ۶۸

————— ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۷۰، ۱۶۸، ۱۴۰، ۱۳۱، ۱۱۲

————— ۲۷۹، ۲۲۷، ۲۱۹

۱۹۲/۱۹۰	احقره القادریہ (مزار حضرت عبدالقادر جیلانی)	۱۴۳	جامع اموی
۹۲	سعدیہ (مقبرہ شیخ سعدی)	۱۴۳	جامع البغدادی (مشق)
۱۹۴	سلطان پاک (مقبرہ حضرت سلطان فارسی)	۲۰۳، ۲۰۲، ۱۹۱	جامع الشهداء
۱۹۱	کانظیہ	۲۲۲	جامع مسجد اردن
۱۹۴	مرقد حضرت خلیفہ بیانی	۴۵، ۴۴	جامع مسجد پل خشتی (افغانستان)
۱۰۲، ۸۹، ۸۶، ۸۴	مزار امام علی رضا	۸۴	جامع مسجد چارباغ (اصفہان)
۸۴	امام غزالی	۸۴، ۸۲	شاہی مسجد تہران
۲۴۶	جعفر بن ابی طالب	۲۲۶	مسجد احمد زرقار
۲۴۶	زید ابن حارثہ	۲۲۶	مسجد اردن یونیورسٹی
۱۸۱	سلطان صلاح الدین ایوبی	۱۹۰	مسجد امام ابی یوسف
۱۴۳	شیخ محی الدین ابن عربی	۱۹۰	مسجد امام اعظم (بغداد)
۲۴۶	عبداللہ ابن رواحہ	۱۹۴	مسجد حضرت عبدالقادر جیلانی
۸۸	مقبرہ نادر شاہ افشار (طوس)	۱۰۴، ۸۴، ۸۲	مسجد سپہ سالار (تہران)
۲۵	مقبرہ امیر عبدالرحمن خان غازی	۲۴۶	مسجد سیدنا جعفر بن ابی طالب
۴۶	مقبرہ بابر (کابل)	۸۴	مسجد سیدہ مصومہ
۴۹	حکیم ثانی	۸۴	مسجد شاہ عباس صفوی
۵۰	خواجہ بلغار	۱۳۹	مسجد طرابلس
۵۰	سلطان محمود غزنوی (مزار شاہی)	۲۸	مسجد مدرسہ ابی حنیفہ
۵۰	سید ہلول دانا	۴۳	مسجد قلعة جواد
۵۰	سید علی لالا	۸۴	مسجد گوہر (مشہد)
۱۰۲، ۸۴	سیدہ مصومہ	۸۴	مسجد شیخ لطف اللہ
۵۰	شمس العارفین	۲۲۱	مسجد مہدشرعی (اردن)
		۸۴	مسجد وکیل (شیراز)
			مقابر و مزارات
		۹۲	حافظیہ (مدفن خواجہ حافظ شیرازی)

۹۳	اہرام مصر
۸۸	تخت طاؤس
۱۹۰	قصر جمہوری (بغداد)
۲۲۱	قصر شاہی (اردن)
۲۲۱	محل رعدان (اردن)
۸۷	ہارونہ (طوس)

ہوٹل و قیام گاہ

۱۸۹	امپیڈر ہوٹل (بغداد)
۲۱۹، ۲۱۸	انٹر کنٹینینٹل (اردن ہوٹل)
۸۱	پارک ہوٹل (تہران)
۹۵، ۹۴	سائرس ہوٹل (شیراز)
۹۵	سرائے مشیر (شیراز)
۱۳۲	شپر ڈ ہوٹل جبل مجدون
۱۷۳	فندق امیۃ الجدید (دمشق)
۲۴۸	فندق عمان
۹۱	سہمان سرکے شاہ عباس صفوی (اصفہان)
۸۲	ہلٹن ہوٹل (تہران)
۱۳۲	ہوٹل بیروت
۲۱۸	ہوٹل شیرانون
۷۱، ۷۲، ۷۳	ہوٹل کابل

میوزیم

۲۷۷، ۲۷۶	اسلامی میوزیم (موتہ)
۱۹۶	عراقی میوزیم
۸۸	میوزیم کالج گلستان

باغ و چمن

۸۴	باغ پیمان
۸۴	چهارباغ (اصفہان)
۴۶	شالامار باغ
۴۶	کازیر باغ

دریا و سمندر

۱۳۹	بحر روم
۲۲	بحر ہند
۲۴۴	بحیرہ طبریہ
۱۹۴، ۱۸۹، ۱۸۸، ۹۷	دجلہ
۱۲۹	دریائے سندھ
۲۴۹	دریائے قیصرہ
۶۹، ۱۱	دریائے کابل
۲۴۴، ۲۴۲، ۱۱	دریائے یرموک
۱۸۸	فرات

پہاڑ

۱۳۲	جبل مجدون
۱۴۷، ۱۳۲	جبل لبنان
۱۳۹	کوہ اطلس
۱۲۹	کوہ اندلس
۱۵	کوہ ہمالیہ
۱۲۹	کوہ ہندو کش
۲۴۲-۲۴۴	گولان

محل و عمارات و آثار

۲۴۲	اسٹیڈیم جرش
-----	-------------

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

”... یہ سفر نامہ ان ممالک (افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور شرق اردن) کی زندگی کے مختلف گوشوں، ان کے مسائل و مشکلات، وہاں کی فکری تہذیبی اور نفسیاتی کشمکش اور ان کی رہنمائی کی ضرورتوں کی ایک بولتی ہوئی تصویر بن گیا ہے جس کی مدد سے ناظرین اور ان ممالک کے مستقبل سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو صحیح واقفیت اور ان ممالک کے حالات و حوادث کا صحیح ادراک حاصل ہو سکتا ہے۔

یہ حسن اتفاق تھا کہ اس سفر کا آغاز افغانستان کے دارالحکومت کابل سے اور اس کا اختتام اردن کے دارالحکومت عمان پر ہوا، اس مناسبت سے مصنف نے کتاب کا نام ”دریائے کابل سے دریائے یرموک تک“ رکھا، یہ دونوں تاریخی دریا ان دونوں ملکوں سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، اور ان سے ماضی و حال کے بہت سے تاریخی و اسلامی حوادث و حالات وابستہ رہے ہیں، اور جن کے درمیان قرن اول کے اسلامی فتوحات کے دھارے نے ربط و اتصال پیدا کر دیا تھا۔ (از مقدمہ کتاب)

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پبلسٹکس